چودہ

حسین راتیں

قصہ

طوطا مینا

آسان عبارت میں

مکمل اور باتصویر

از قلم

غیاث اقبال

اس کتاب میں مشکل الفاظ کے معنے بھی شامل کیے گئے ہیں،

ناشران

امین برادرس ناشران و تاجران کتب۔ پوسٹ بکس ۱۲۰

آرام باغ روڈ کراچی ۱

قیمت

۴

دشمنی سے نہیں ہوتا وہ گرفتارِ بلا
اپنے سایہ میں ترقی جسے دیتا ہے خدا

قصہ طوطا مینا اردو

تصاویر:- عبدالقادر ★ کتابت:- نواب علی
آسان اردو میں پہلی بار...... جنوری سنہ ۱۹۶۲ء ★ تعداد اشاعت: دو ہزار
اہتمام طباعت: ——— وہاج الدین قریشی اکبر آبادی

اس کتاب کے جملہ مضامین، ڈیزائن، اور تصاویر کے حقوق اشاعت بحق ناشران محفوظ ہیں

چودہ حسین راتیں } کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں چونکہ شاہ افروز بخت جو اپنی زندگی میں قطعی مایوس ہو چکا تھا۔ اُسے اِن ہی راتوں کی رنگینیوں نے صحت بخشی تھی۔ اِن ہی چودہ راتوں میں جوانی کے عجیب و غریب کھیل سامنے آئے تھے۔ اہلِ دل حضرات کی قربانیاں اور رسم شعار اہلِ حسن کے جور و جفا اور قدرت کے کرشمے غرض آپ اِن راتوں کی داستان کا مطالعہ فرمائیں گے تو یہ دیکھ کر آپ کو یقیناً حیرانی ہوگی کہ آپ کی راتیں بھی حسین و رنگین ہو گئی ہیں۔

قیمت

طباعت } بلاک:- ڈیسنٹ پرنٹنگ پریس نزد آرام باغ کراچی ۱
لیتھو:- ڈیسنٹ پرنٹنگ پریس نزد آرام باغ روڈ کراچی ۱

یہ اب سے بہت پہلے کی بات ہے کہ قصہ "طوطا مینا" چھپ کر بازار میں آیا تو صاحب ذوق حضرات نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن جب کتاب کے آخری صفحہ پر پہنچے تو لکھا تھا:۔

راوی:۔ مجبوراً زین الجہاں نے جانِ جہاں کو ہمراہ لیا۔ جانِ جہاں تو پہلے ہی شہر جیوں کی گمنامیت بھگتے ہوئے تھا۔ اس لئے استقلال کے ساتھ مسافرت کو طے کرتا تھا مگر زین الجہان کبھی گھبرا اٹھتا تھا۔

مینا:۔ (طوطے سے) وہ کیا آفتیں تھیں جن کو نہایت استقلال سے جانِ جہاں نے طے کیا تھا؟

طوطا:۔ (مینا سے) نہایت دلچسپ ہیں جو کہ آگے جلد دوم میں درج ہیں۔

طوطے کے جواب سے طبیعت پر ایک ناخوشگوار اثر پڑا۔ وہ دوسرے دن بازار میں جلد دوم تلاش کرنے لگے لیکن کسی دکان سے دستیاب نہ ہو سکی۔ آخر ایک کتب فروش نے بتایا کہ صاحب جلد دوم ابھی تو لکھی جا رہی ہے ایک مہینے کے بعد چھپ کر تیار ہوگی۔ اس جواب کو سن کر بڑی مایوسی ہوئی خیر جوں توں کر کے دوسرا حصہ بازار میں آیا اور اسے خرید کر پڑھا مگر اسکے آخر میں بھی ویسی ہی بات تھی۔ مینا:۔ اے طوطے! شاہزادہ فیروز بخت افروز کا حال سنا۔ طوطا: مینا! صبر کر۔ تیسری جلد میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان کروں گا۔

غرض اسی طرح آٹھ جلدوں میں یہ قصہ تمام ہوا۔ ان میں سے ہر جلد پر جو نام لکھے گئے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

جلد سوم: طوطا مینا یعنی سرکٹے کا قصہ

جلد چہارم الموسوم بہ باون سبھا

جلد پنجم: طوطا مینا عرف انسان بصفت حیوان الموسوم من موہنی کا قصہ

"وصال یار" یعنی طوطا مینا کی چھٹی جلد۔

"خیال یار" جلد ہفتم اور قصہ طوطا مینا جلد ہشتم

ناول ہو۔ کہانی ہو یا کوئی قصہ موجودہ زمانہ میں ہر پڑھنے والا اسے ایک ہی جلد میں پسند کرتا ہے چونکہ ان دنوں کے ذہنی سکون حاصل ہے جو ایک جلد کا پڑھا ہوا مضمون دوسری جلد حاصل ہونے تک یاد رکھ سکے اسی لئے ہمارے پبلشرز قصہ طوطا مینا کو ایک ہی جلد میں شائع کرنے پر مجبور ہوئے:۔

قصہ طوطا مینا

فہرست	صفحہ
پہلی شب	۶
دوسری شب	۲۵
تیسری شب	۳۵
چوتھی شب	۴۹
پانچویں شب	۶۶
چھٹی شب	۸۵
ساتویں شب	۱۰۳
آٹھویں شب	۱۲۱
نویں شب	۱۳۷
دسویں شب	۱۵۱
گیارھویں شب	۱۶۱
بارھویں شب	۱۶۳
تیرھویں شب	۱۸۱
چودھویں شب	۱۸۵

طوطا مینا کی اس کتاب میں جو میرے پیشِ نظر ہے دیباچہ شامل نہیں ہے اسی لئے دریافت نہیں ہو سکا کہ یہ قصہ کس کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے البتہ مؤلف کی حیثیت سے منشی ریاض الدین احمد ریاض دہلوی کا نام درج ہے۔ ریاض حضرت داغ دہلوی کے شاگردوں میں سے تھے۔

اس قصّہ کی شہرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِسے آسان عبارت میں لکھنا ضروری تھا چونکہ میں اس سے قبل مندرجہ ذیل قصص کو بھی چند اہم تبدیلیوں کے ساتھ آسان عبارت میں لکھ چکا ہوں جو عوام میں بیحد مقبول ہوئے ہیں اور جو احباب اُن کا مطالعہ کر چکے ہیں ان میں سے متعدد حضرات کا اصرار تھا کہ قصہ طوطا مینا کو بھی اُن ہی کی طرز پر آسان عبارت میں لکھا جائے۔

۱	گُلِ بکاوٗلی	۲	گُلِ صنوبر	۳	طوطا کہانی
۴	شاہ بہرام	۵	بیربل نامہ	۶	حاتم طائیؑ

قصّہ طوطا مینا کو آسان عبارت میں لکھنے کے علاوہ اصل قصّہ میں بہت زیادہ تبدیلیاں کی ہیں محض اسے زیادہ دلچسپ بنانے کے خیال سے اور اکثر کرداروں کے نام بھی بدل دیئے ہیں چونکہ مجھے پسند نہیں تھے۔ مثلاً "عیار دم"۔ مہر رشک پری۔ صاحب بخت۔ صاحب فطرت۔ خورشید رُو۔ احمد فارسی وغیرہ۔ ان کی جگہ میں نے جو نام لکھے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

"عیار شہباز"۔ نورِ قمر پری۔ اعجاز بخت۔ اقبال فرحت۔ گلنار۔ کاظم رضا۔ اسی طرح اور بھی کئی نام ہیں۔ بہرحال میں نے اِس قصّہ کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور نصیحت آموز بنانے کی کوشش کی ہے۔ خدا کرے کہ یہ آپ کو بھی پسند آئے۔

غیاث اقبالؔ

۲ر دسمبر ۱۹۶۵ء

طوطا کہانی غیاث اقبالؔ کے قصّہ "طوطا کہانی" کو جو شہرت حاصل ہوئی ہے بیان سے باہر ہے' بہرحال اس کی خوبیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مقامی پبلشر نے اس قصّہ کی عبارت میں کہیں کہیں کسی کسی لفظ کی تبدیلی کے بعد ایک غیر معروف شخص کے نام سے منسوب کر کے شائع کیا ہے غیاث اقبالؔ کے قصہ میں عنوانات اور مضامین میں تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی اس لئے انہیں نہیں چھیڑا گیا ہے جس کے بعض لوگ ایسی چوریاں کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ لہٰذا قصّہ کی کتاب خریدنے سے قبل یہ دو نام دیکھنے بے حد ضروری ہیں ورنہ آپ کو چوری کا مال ملے گا۔ پہلا نام — غیاث اقبالؔ — دوسرا نام ایچ ایم سعید کمپنی ناشرانِ و تاجرانِ کتب، پوسٹ بکس ۱۷۶۸ آرام باغ روڈ کراچی نمبر ۱۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی شب

وہ رات بے حد تاریک تھی۔
شہر پر اداسی چھائی تھی، گھر گھر خاموشی تھی۔ چھوٹے بڑے دعا مانگنے میں مصروف تھے ادھر مسجدوں میں بھی لوگ قرآن خوانی کر رہے تھے۔ شاہی محل میں لیمپ اور فانوس کی تیز اور شفاف روشنی سے در و دیوار جگمگا رہے تھے۔ شاہ افروز، اُسکے وزیر، امیر اور معزز عہدیدار غرض سب ہی اس روشنی میں موجود تھے لیکن خاموشی اور اُداسی یہاں بھی تھی۔ شاہ افروز کا چہرہ پیلا۔ اور بے رونق تھا۔ وزیروں امیروں اور عہدیداروں کی صورتیں بھی اُتری ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے طبیب کتابیں کھولے۔ انگشت بدنداں۔ کسی گہری سوچ میں کھوئے نظر آرہے تھے۔

شاہ افروز نے یکایک ایک ٹھنڈا سانس لیا اور آسمان کی طرف حسرت بھری نگاہ سے دیکھا۔ اسوقت وہ بھی سیاہ نظر آرہا تھا۔ دور دور تک کسی ستارے کا نام و نشان نہ تھا پھر اُس نے دبی زبان میں کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی اب زیادہ دن تک ساتھ نہ دے سکے گی"۔

اطبائے حاذق نے ایک اُچٹتی نگاہ اُس پر ڈالی مگر لبوں کو حرکت نہ دے سکے۔ وہ سخت پریشان تھے کہ اُن کی تدبیریں کارگر ثابت کیوں نہ ہو سکیں وہ حیران تھے کہ وہ دوائیں جو دوسرے مریضوں کو موت کے منہ سے واپس لے آئیں شاہ افروز کیلئے مفید کیوں ثابت نہیں ہوئیں۔ اُدھر شاہ کی نگاہ میں اُن کا علم اُن کی کتب بلکہ ان کا وجود ہی بے معنی ہو چکا تھا۔

ایک وزیر بولا: "عالم پناہ! خدا رحیم و غفور ہے۔ اُسکی رحمتیں ضرور آپ پر نازل ہوں گی۔ آپ مایوس نہ ہوں"۔ شاہ کہنے لگا: "سب کچھ درست ہے لیکن کیا کہوں زندگی کے آثار نظر نہیں آتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا اپنی امانت واپس لینا چاہتا ہے"۔

وزیر نے کہا: "عالم پناہ! موت اور زندگی کا خیال دل سے نکال دیجئے اور خوش رہنے کی کوشش کیجئے۔ وزیر کی بات سُن کر شاہ افروز کے خشک ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کہنے لگا: میری خوشیوں۔ اب سامان کہاں باقی رہے ہیں اگر سامان مہیا بھی

ہو جائیں تو دل میں وہ جوش اور وہ ولولے کہاں ہیں"۔

وزیر بولا "عالم پناہ! اکثر بزرگوں کے بارے میں سُنا ہے کہ وہ علالت کی صورت میں قصّے سُنا کرتے تھے اور بہت جلد صحت یاب ہو جاتے تھے۔ اگر اجازت ہو تو اس تدبیر کو بھی آزما دیکھیں"۔

شاہ افروز نے کہا "وزیر! تم نے غور نہیں کیا۔ جس روز سے ہماری حالت غیر ہوئی ہے چاند ستاروں نے بھی مُنہ چھپا لیا ہے۔ شہر کی رونق اور گہما گہمی پر بھی اوس پڑ گئی ہے۔ کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ ہمارے لیے جو تدبیر اختیار کی جائے گی وہ اُلٹی ہو کر رہے گی"۔

وزیر بولا "عالم پناہ! قدرت کی منشاء کے سامنے سب کچھ ہیچ ہے میرا مقصد تو یہ تھا کہ اِک آخری تدبیر جو ذہن میں آئی ہے اگر اُسے بھی آزما لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے"۔

بادشاہ نے کہا "مگر قصّہ گو ہمارے دربار میں کہاں جو اس تدبیر کو عمل میں لائے"۔

وزیر بولا "عالم پناہ! عجائب خانہ میں ایک طوطا اور ایک مینا دونوں ایک مدت سے پنجرے میں بند ہیں۔ اِن کے بارے میں سُنا ہے کہ دنیا کے بیشتر واقعات انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور قدرت نے انہیں زبان بھی عطا کی ہے۔ لہٰذا اِن سے بہتر قصّہ گو اور کون ہو سکتا ہے"۔

بادشاہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اور وہ بولا "ایسے پرندوں کو عجائب خانہ میں رکھنا مناسب نہیں۔ انہیں فوراً ہمارے حضور میں پیش کیا جائے"۔

وزیر دوڑتا ہوا گیا اور دونوں کے سنہری پنجرے اُٹھوا کر لے آیا۔

بادشاہ نے طوطے کے پنجرے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "میاں مٹھو! کیا یہ بات سچ ہے کہ خدا نے تمہیں بولنے کی قوت عطا کر رکھی ہے اور تم کو دنیا کے بے شمار واقعات کا علم ہے؟"

طوطے نے ابھی پر پھڑپھڑا کر اردگرد کا جائزہ بھی نہ لیا تھا کہ دوسرے پنجرے سے مینا چلائی: "جو زمانہ جلنے وہ کیا سمجھے یہ دنیا کیا ہے اور دُنیا والے کیا کر رہے ہیں"۔

طوطا غضبناک ہو کر بولا: "ثنائے خود بخود کردن نہ زیبد مردِ دانا را۔ کالی کلوٹی، کل مُوئی تو کیا جانے کہ میں نے اس دنیا میں کیا کیا دیکھا ہے اور ان کے کیسے کیسے نقش میرے سینہ پر موجود ہیں۔ سُلطان عالم پناہ! مجھ حقیر ناچیز سے متوجہ تھے کہ اپنی چونچ کھول بیٹھی۔ وہی بات ہوئی کہ تو کون! میں خواہ مخواہ"۔

مینا کہنے لگی "کم عقل۔ بے مروّت، بے وفا۔ تو نے جو کچھ دیکھا اُسے سمجھنے کی صلاحیت بھی ہے تجھ میں۔ دوسروں کی محبت پر ہنسنا۔ دوسروں کے اتفاق کا مذاق اُڑانا تیرا شعار ہے

معنی: لہ جوش۔ خروش، اُمنگ ۲ہ بیماری سے چل بیں گھسیٹ کر رہا: ۳ہ قصہ کہنے والا ۴ہ جانچنا۔

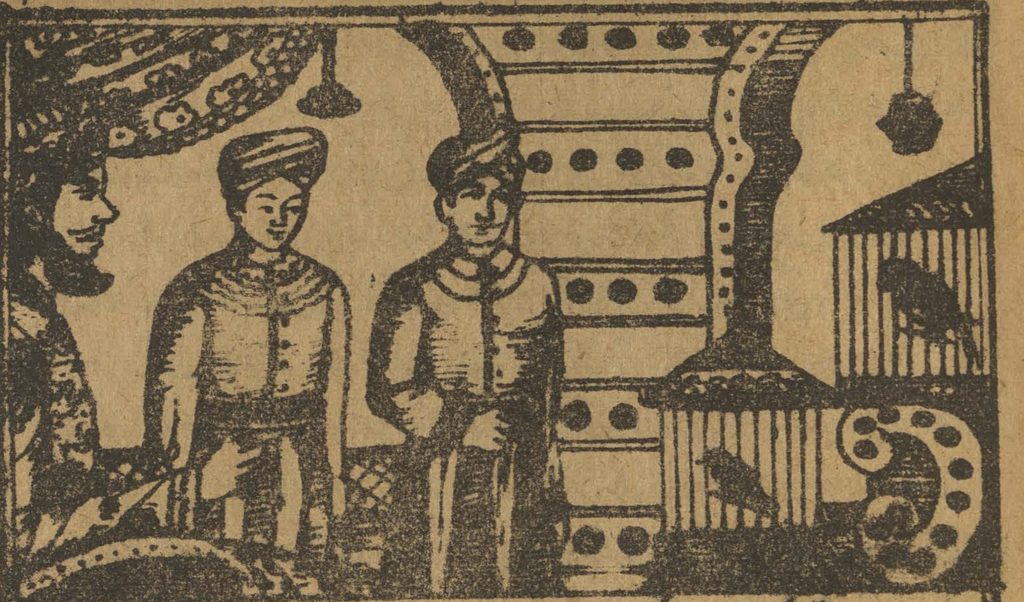

رہاہے۔ اِس وقت کیا بڑھ چڑھ کر بول رہاہے۔"

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے مینا سے کہا: "بی مینا! ہمارا مقصد یہ نہیں تھا کہ طوطا تمہارے مقابلہ میں زیادہ تجربہ کار ہے۔ تم ناراض نہ ہو۔ ہم اُس کی سُننے کے بعد تم سے بھی بہت کچھ سُنیں گے۔"

مینا بولی: "سلطان عالم پناہ! گستاخی معاف۔ آپ نے اِس کو مجھ پر ترجیح دی ہے" شاہ نے کہا "نہیں مینا! یہ بات نہیں ہے۔ ہم تم دونوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ تم تھوڑی دیر خاموش بیٹھی رہو۔ ہمیں ذرا طوطے میاں کی زبانی کوئی دلچسپ واقعہ سُن لینے دو۔"

مینا بولی: "عالم پناہ! آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے ورنہ اِس کل مُوئے کی کیا مجال ہے جو میرے سامنے ایک لفظ بھی اپنی ٹیڑھی ترچھی چونچ سے نکال سکے۔"

طوطے نے کہا: "ٹھیک کہتی ہو کلّو جہاں! مگر سنو گی تو محو حیرت رہ جاؤ گی۔"

بادشاہ بولا: "بھئی! یہ آپس کے جھگڑے بعد میں چکا لینا۔ اس وقت تو ہمیں میاں مٹھو، کوئی دلچسپ واقعہ سُنا دو۔" طوطا سنبھل کر بیٹھا اور کہنے لگا: "اس وقت مجھے ایک شہزادے کا واقعہ یاد آیا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ اس کا نام شہزادہ زین العابدین تھا۔ وہ بہت خوبصورت اور سجیلا جوان تھا۔ بے حد نڈر اور دلیر تھا۔ سیر و شکار کا دلدادہ تھا۔ ایک صبح کا ذکر ہے کہ اُس کی آنکھ کھلی تو مسجد سے اذان کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے اُٹھ بیٹھا اور دریچہ میں آ کر کھڑا ہو گیا! اس وقت کیا سُہانا منظر تھا۔ ننھے ننھے پرندے اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل کر چہچہا رہے تھے۔ اُن کی خوش الحانی۔ ماشاءاللہ۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل

رہی تھی۔ نمازی تیز تیز قدم اٹھاتے مسجد کی جانب جا رہے تھے۔ آسمان پر بہت مدھم سی سفیدی نمودار ہونی جاری تھی شہزادہ اس نظارے میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک اُسے خیال آیا کہ اے بندۂ خدا صبح کا وقت ہے۔ ابھی تجھے دن گذارنا ہے۔ اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے سر بسجود کیوں نہیں ہوتا۔ شہزادہ زین الجہان قدرے سنبھلا مگر دوسرے ہی لمحہ اس کے دل نے کہا۔ اے شہزادے۔ خدا تو تجھ سے ویسے ہی خوش ہے۔ اگر وہ خوش نہ ہوتا تو تجھے دنیا کی یہ نعمتیں اور یہ عزت و مرتبہ کیوں عطا کرتا۔ تجھے کیا ضرورت ہے جو تو سجدہ کرے۔ پھر اُس نے سوچا کہ آج کا دن شکار میں کیوں نہ گذارا جائے۔ شکار کا خیال آتے ہی وہ دریچہ سے ہٹ گیا اور غلام کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً شکار کا سامان تیار کیا جائے۔ تمام شکاری دوستوں کو بُلوا لیا جائے اور سپاہیوں سے کہہ دیا جائے کہ وہ ضروری ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر ساتھ چلنے کے لئے فوراً تیار ہو جائیں۔ غلام اپنے آقا کا حکم سنتے ہی دوڑتا بھاگتا گیا اور دوسرے غلاموں کو بھی چاروں طرف دوڑا دیا۔ ادھر شہزادہ خود بھی شکار پر روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگا۔

مینا بولی: "سلطان عالم پناہ۔ یہ طوطا من گھڑت قصہ بیان کر رہا ہے۔ اگر یہ ایک حقیقت ہے تو کیا طوطا بیان کر سکتا ہے کہ اُس وقت وہ کہاں تھا؟"

طوطے نے کہا: بی مینا درمیان میں بول کر تم مجھے بہکانے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں پہلے واقعہ سُن لو۔ اس کے بعد میں یہ بھی عرض کر دوں گا کہ اس وقت میں کہاں تھا اور ان سب باتوں کا مجھے کیسے علم ہوا۔

مینا بولی: ہماری نگاہ کے سامنے ایک لڑکا دوڑتا جا رہا ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک لڑکا دوڑ رہا ہے لیکن ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کہاں جا رہا ہے کیوں جا رہا ہے اور اس کے دل میں کیا بات ہے۔ اب تم ہی کہو کہ تمہیں شہزادے کے دل کا حال کیسے معلوم ہوا؟

شاہ افروز کہنے لگا۔ بی مینا: اگر تم خاموش رہو تو بہتر ہے چونکہ جو سوال تم کر رہی ہو اس کے سبب مزا کرکرا ہوا جا رہا ہے۔ تم اپنے سوالات آخر میں کرنا۔

طوطا بولا۔ سلطان عالم پناہ! میں عرض کر رہا تھا کہ شہزادہ خود بھی شکار پر روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد شکاریوں کا ایک لشکر تیار ہو گیا۔ اس لشکر میں شکاریوں کے علاوہ خونخوار چیتے باز شکرے اور کتے بھی تھے شہزادہ بڑی آن بان سے محل کے صدر دروازے پر پہنچا اور چند دوستوں کے ہمراہ سامان کا معائنہ کیا۔ جب اطمینان ہو گیا تو ایک شمک

معشوق غدار عیار سے دو گنا تیز رفتار

رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور ساتھیوں کو روانگی کا اشارہ کیا۔

جنگل میں پہنچ کر اس لشکر نے شکار تلاش کیا لیکن افسوس شکار کا دُور دُور پتہ نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگل کے تمام جانور اس فوج کو دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ یہ ان کے لئے موت کا پیغام لاری ہے اور وہ پناہ گاہوں میں جا کر چھپ گئے تھے شکار تلاش کرتے کرتے سورج سر پہ آگیا اور گرمی کی شدت سے ہر شخص کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔ پانی نہ ساتھ لائے تھے اور نہ جنگل میں کہیں نظر آرہا تھا۔ اتفاق سے ایک بھولا بھٹکا سیاہ گوش ایک جانب سے آیا اور لشکر پہ نگاہ کو دیکھ کر زین الجہاں کے سامنے سے گزرتا ہوا دوسری جانب بھاگ گیا۔ شہزادے نے اُسکے تعاقب میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ طلبوس نامی ملازم بھی اُس کے پیچھے ہو لیا۔ باقی لوگوں میں ان دونوں کا ساتھ دینے کی ہمت نہ تھی۔ اس لئے وہ وہیں ٹھہر گئے۔

شہزادہ سیاہ گوش کا تعاقب کرتا رہا لیکن وہ بھی بلا کا چالاک اور ہوشیار تھا۔ ہوا سے باتیں کرتا دوڑ رہا تھا۔ کئی میل دُور نکل جانے کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا شہزادہ اور طلبوس نے بہت تلاش کیا لیکن بے سُود۔ آخر وہ تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔

شہزادہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا، حلق خشک ہو چکا تھا۔ سانس پھول رہی تھی اور طبیعت پریشان تھی۔ وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا "طلبوس! کیا اس جنگل میں کہیں پانی نہیں ملے گا؟"

طلبوس نے سر جھکاتے ہوئے عرض کی: "پانی تو کیا حضور والا کے لئے جان بھی حاضر ہے" پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جانب روانہ ہو گیا اور شہزادہ اسی جگہ درخت سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ طلبوس تھوڑی دیر کے بعد پانی لے کر حاضر ہوا اسوقت شہزادہ بے حال ہو رہا تھا اس نے صراحی اس کے ہاتھ سے لے کر نہایت بے صبری کے ساتھ پانی پینے لگا۔

طلبوس بولا "حضور! پانی بے حد شیریں ہے۔" شہزادے نے کہا "بہت پیاسا تھا اور پانی ملنے کی کوئی اُمید نہیں تھی لیکن تم نے نہایت شیریں اور سرد پانی لا کر ہمارے بدن میں ایک نئی رُوح پھونک دی!" طلبوس کہنے لگا: "مگر حضور! کنواں بہت گہرا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی تہہ میں ایک روشنی تھی جیسے وہاں ایک مشعل روشن تھی"۔

شہزادہ بولا: یہ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو کنوئیں کی تہہ میں روشنی اور وہ بھی مشعل کی عجب نادانی کی بات ہے شاید سُورج کا عکس دیکھا ہے تم نے!

طلبوس بولا: اگر حضور کو یقین نہیں تو ہمراہ تشریف لے چلئے اور اپنی نگاہ سے خود

ملاحظہ فرمایئے۔" شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا اور نہایت پھرتی سے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے بولا، "چلو! آج یہ نظارہ بھی دیکھ ہی لیں۔" طلبوس بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ شہزادہ زین الجہاں کو اپنے ہمراہ اس کنوئیں پر لے گیا جس کی تہہ میں اس نے روشنی دیکھی تھی۔ شہزادے نے گھوڑے سے اتر کر کنوئیں میں جھانکا اور کہنے لگا: "درحقیقت روشنی ہے لیکن یہ مشعل نہیں ہے۔" طلبوس بولا: "حضور پھر کیا ہے؟" شہزادے نے کہا: "مگر یہ کیا۔ تہہ میں ایک بارہ دری بھی نظر آ رہی ہے۔ میں جا کر دیکھتا ہوں کہ آخر کیا راز ہے؟"

طلبوس یہ بات سن کر گھبرا گیا اور کہنے لگا: "حضور! کنواں بہت گہرا ہے ایسا غضب نہ کیجئے۔ اس وقت ہمارے تمام ساتھی ہم سے دور ہیں اگر خدانخواستہ ایسی ویسی کوئی بات ہو گئی تو مدد کے لئے کون آئے گا۔" شہزادہ مسکراتے ہوئے بولا "بے وقوف! رسّی نکال کر مجھے دو! میں اپنی کمر سے باندھ کر کنوئیں میں اتر جاتا ہوں۔ اگر یہ پانی ہے اور بارہ دری اور یہ روشنی نظر کا دھوکا ہے تو میرے اشارے پر مجھے اوپر کھینچ لینا اور اگر تہہ میں حقیقتاً بارہ دری موجود ہے تو میں رسّی کھول کر اس کی سیر کروں گا۔"

طلبوس اس خطرناک کنوئیں میں اترنے کا ارادہ نہیں بدل سکتا تھا، چونکہ اسے معلوم تھا کہ زین الجہاں ضد کا پکا تھا اور جو اس کے دل میں سما گئی کر گزرتا تھا۔ مجبوراً اس نے تھیلے سے رسّی نکال کر اس کا ایک سرا اپنے ہاتھوں سے زین الجہاں کی کمر کے گرد لپیٹ کر نہایت مضبوطی سے باندھ دیا۔ شہزادہ کنوئیں کی مینڈ پر بیٹھ کر دیوار کا سہارا لیتا لٹکتا ہوا نیچے اتر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے دونوں پاؤں زمین پر لگ گئے اور اس نے خوش ہو کر کمر سے رسّی کھول دی۔ وہ ٹہلتا ہوا سیڑھیوں کی جانب گیا تو اس نے دیکھا کہ بارہ دری مختلف رنگوں کی روشنیوں سے جگمگا رہی ہے اور درمیانی محراب کے نیچے ایک بیش قیمت لعل اور سونے کی زنجیر میں ایک چابی رکھی ہے۔ اس نے جھک کر چابی اٹھائی اور دروازے میں پڑا ہوا قفل کھولنے لگا۔ عین اسی وقت ایک پہریدار خادمہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی: "حضور حضور! یہ کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔"

شہزادہ بولا: "میں کوئی چور تو نہیں۔ سیر کی غرض سے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر میں چلا جاؤں گا۔" خادمہ نے کہا: "آپ چور تو نہیں معلوم ہوتے مگر حضور! بلا اجازت کسی کے مکان کا قفل کھولنا بھی تو مناسب نہیں۔" شہزادے نے کہا: "اگر آپ ناراض ہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں ورنہ بات یہ ہے کہ اگر بارہ دری میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تو اس کے قفل کی

معنی: ۱؎ وہ خوبصورت مکان جس کے بارہ دروازے ہوں۔

چابی اس طرح کیوں رکھی گئی ہے۔ چابی کو اس طرح رکھنے کا صاف مقصد یہ ہے کہ جو یہاں آئے قفل کھول کر بارہ دری کی سیر کرے اور واپسی پر قفل لگا کر چابی اسی جگہ واپس رکھ دے۔"

خادمہ مسکرانے لگی۔ پھر بولی "حضور ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ قفل کھول لیجئے اور جی بھر کر بارہ دری کی سیر کیجئے۔" زین الجہاں نے قفل کھولا پھر خادمہ کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔

بارہ دری کی زیب و زینت اور اس کے سامنے خوشنما باغ دیکھ کر شہزادہ بولا: ۔

"اگر فردوس بر روئے زمین است ❊ ہمیں است وہمیں است وہمیں است

اور اچانک اُس پر غشی کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ فرش پر گر پڑا۔ اُس کے گرنے کی آواز سُن کر "نور قمر پری" دوڑتی ہوئی آئی اور خادمہ حسن فریفتہ سے بولی: "کھڑی شکل کیا دیکھ رہی ہے جا دوڑ کر گلاب پاش اور بید مشک اُٹھا لا۔ خدا جانے کون ہے کہاں کا باشندہ ہے اور یہاں کیسے پہنچ گیا۔" حسن فریفتہ دوڑتی بھاگتی گئی اور گلاب پاش و بید مشک لے آئی۔ نور قمر نے اپنے ہاتھوں سے اُس کے چہرے پر گلاب چھڑکا اور دامن سے ہوا کی۔ پھر کہیں شہزادہ ہوش میں آیا۔ اس نے آنکھوں کو ملتے ہوئے نور قمر کی طرف دیکھا تو وہ بولی: "آدم زاد! غنیمت ہے جو تو ہوش میں آگیا۔ ورنہ دیو کے منہ کا نوالہ بن جاتا۔ اب تو یہاں سے فوراً چلا جا چونکہ اس بارہ دری اور اس باغ کا مالک دیو آنے والا ہے وہ تجھے دیکھتے ہی چٹ کر جائے گا۔"

شہزادہ نے کہا: "یہ سچ ہے کہ مہمان نوازی اگر کوئی سیکھے تو آدم زادوں سے۔ آپ نے تو نہ نام دریافت کیا اور نہ یہاں آنے کا مقصد پوچھا۔ آپ تو آتے ہی نکالنے لگیں۔"

نور قمر بولی: "مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں خود اسیری کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ قہر آلود دیو نے طلسم کے زور سے کنوئیں کی تہہ میں اپنے لئے یہ تفریح گاہ بنائی ہے اور اسی نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔ ایسی صورت میں آپ کی میں کیا خاطر کر سکتی ہوں۔"

خادمہ حسن فریفتہ نے نور قمر کو اشارہ کیا اور وہ گھبرا کر بولی: "آدم زاد! وہ قہر آلود دیو آپہنچا ہے۔" شہزادہ بھی گھبرا گیا اور کہنے لگا: "اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ وہ تو آتے ہی مجھے منہ میں رکھ لے گا۔" نور قمر نے ایک انگوٹھی اُسے دیتے ہوئے کہا: "اسے اُنگلی میں ڈال لو یہ ایک بزرگ کا نظر بند عطیہ ہے اسے پہننے کے بعد تم سب کو دیکھتے رہو گے لیکن تمہیں کوئی نہ دیکھ سکیگا۔" شہزادے نے لرزتے کانپتے ہاتھ سے انگوٹھی اُنگلی میں ڈالی اور سہم کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت دیو نازل ہوا اور لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے بولا: "نور قمر جان من! اس وقت یہاں کسی

آدم زاد کی بُو آ رہی ہے"۔

نور قمر پری بولی: "کسی آدم زاد کی کیا مجال ہے جو یہاں قدم رکھ سکے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ باغ کے مشرقی کونے میں جو انسانی ہڈیاں پڑی ہیں اُن سے بُو آ رہی ہو"۔

دیو نے کہا: "ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کل ان ہڈیوں کو صاف کرا دینا چاہیئے۔ خیر۔ چھوڑو ان باتوں کو اور یہ بتاؤ آج ہمارے ساتھ چل رہی ہو؟"

نور قمر بولی: "چلنے سے تو انکار نہیں لیکن صبح سے بدن میں سخت درد ہے جو طبیعت کو بے چین کئے ہوئے ہے"۔ دیو نے کہا: "بہتر ہے جا کر آرام کرو۔ پھر کسی دن تمہیں ساتھ لے جاؤں گا" اور وہ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر رخصت ہوا۔ اس کے جاتے ہی شہزادے نے انگوٹھی اتاری اور بولا

؎ کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو ٭ کہ بے خلل مکاں ہو بس میں ہوں اور تو ہو

نور قمر نے کہا: "اجنبی! پہلی ہی ملاقات میں تو عرضِ مدعا[۵] کر بیٹھا۔ کیسا نادان ہے، کتنا نا سمجھ ہے۔ میرے عشق کا دم نہ بھر ورنہ بے موت مارا جائے گا"۔

شہزادہ بولا: "اب تک ہزاروں چہرے نظر سے گزرے ہیں مگر تم جیسا ایک نہیں دیکھا، پھر تم نے بھی تو پہلی ہی ملاقات میں مجھ پر مہربانی کی ہے انگوٹھی دے کر میری جان بچائی ہے۔ دیو کو بہکا کر چلتا کیا ہے۔ ایسی ہی باتیں تو دل میں گھر کر جاتی ہیں۔ اب اگر جان جاتی ہے تو جائے پر تم سے دُور نہیں جاؤں گا"۔

نُور قمر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی: "اگر یہ بات ہے تو سُن لے اگر مجھے حاصل کرنا چاہتا ہے تو جا کر "طلسم شکن" لے آ۔ چونکہ اس کے بغیر تو کامیاب نہیں ہو سکتا"۔

شہزادے نے پوچھا: "طلسم شکن کیا چیز ہے اور وہ کہاں ملے گی؟" اس نے جواب دیا: "شہر جنوں آباد میں گنبد ہفت رنگ ہے اسی میں وہ خنجر ملے جو طلسم شکن کہلاتا ہے۔ وہ خنجر ایک بُت کے ہاتھ میں ہے اور اس کے اِردگرد مسلسل دو سال سے آگ روشن ہے اور قہر آلود دیو اپنا زیادہ تر وقت اسی آگ کے سامنے گزارتا ہے"۔ شہزادہ بولا: "اس گنبد میں داخل ہونے کیلئے راستہ تو ہوگا؟" اُس نے کہا: "یہ مجھے معلوم نہیں ہے چونکہ میں اب تک وہاں نہیں گئی۔ اس وقت بھی قہر آلود مجھے اپنے ہمراہ لیجانا چاہتا تھا لیکن میں نے بہانہ کر کے ٹال دیا۔ وہاں پہنچ کر سب کچھ معلوم ہو جائے گا"۔

شہزادہ بولا: "ہمت مرداں مدد خدا۔ میں آج ہی روانہ ہو جاتا ہوں اور ہر قیمت پر طلسم شکن حاصل کر کے تمہاری خدمت میں پیش کرتا ہوں"۔

معنی: [۵] دل کا مقصد بیان کر دینا

نور قمر نے کہا: "راہ میں دشواریاں تو بہت پیش آئیں گی مگر ان سے ہرگز نہ گھبرانا۔ اب تم جا سکتے ہو مگر

اک بات میں کہتی ہوں ذرا کان میں رکھنا ؛ وہ بات یہ ہے مجھ کو ذرا دھیان میں رکھنا

شہزادہ ہنس کر بولا: "جو کر پہ آنکھ نہ ڈالے کبھی سے شیدا تیرا"

نور قمر نے کہا: "بہ سلامت روی و باز آئی' خدا حافظ"۔

شہزادہ زین الجہاں واپس اُسی جگہ گیا جہاں رسی لٹک رہی تھی۔ اس نے اس کو کمر کے گرد لپیٹ کر مضبوطی سے باندھا پھر زور زور سے جھٹکے دیے تو طلبوس نے جلدی جلدی پوری قوت سے اُسے اُوپر کھینچ لیا۔ وہ کہنے لگا: "طلبوس! ہم نے بہت دیر میری واپسی کا انتظار کیا"۔ طلبوس بولا: "کیا عرض کروں حضور! میرے تو ہاتھ پاؤں سرد ہی پڑ چکے تھے اگر آپ تھوڑی دیر تک نہ آتے تو میں ٹھنڈا ہو چکا ہوتا"۔ شہزادے نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا: "شاباش! تم جیسا وفادار اور ہمدرد شاید ہی کوئی دوسرا ہو"۔ پھر اُس نے گھوڑے کی پیٹھ پر پھیرا اور کہنے لگا: "طلبوس! اس وقت مجھے ایک سفر درپیش ہے اور وہ سفر میں تنہا کروں گا لہٰذا تم میرے گھوڑے کو بھی اپنے ہمراہ لے جاؤ اور تمام لشکریوں سے کہہ دینا کہ شکار کا خیال دل سے نکال کر واپس چلے جائیں"۔

طلبوس گھبرا کر بولا: "مگر حضور! بادشاہ سلامت کو ہم کیا جواب دیں گے؟" اُس نے کہا: "کہہ دینا کہ ہم نے بہت روکا، بہت سمجھایا لیکن وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے اور اپنا گھوڑا بھی چھوڑ گئے"۔

طلبوس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر حکم حاکم۔ زبان ہلانے کا مقام نہیں۔ وہ شہزادے کا گھوڑا لے

معنی: لہ شاباش دینا۔ حوصلہ افزائی کرنا۔

کی نگاہیں بچا کر لشکریوں کی جانب روانہ ہوا اور شہزادہ زین الجہاں انجانی منزل کی طرف۔

شہزادہ جنگل طے کرتا ایک صحرا میں جا پہنچا۔ اگرچہ تھکان سے اس کا بدن چور چور ہو رہا تھا مگر ایک لگن تھی ایک دھن تھی جو اُسے کھینچے لئے جا رہی تھی۔ پاؤں سوج گئے تھے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے اور طبیعت پریشان تھی مگر پھر بھی وہ چلا جا رہا تھا۔ ایک مقام پر پہنچ کر اُس کے کانوں میں ایک آواز گونجی یہ آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس آواز سے اُسکے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور وہ بیقرار ہو گیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا آواز کی طرف چلا۔ اور دل میں کہنے لگا کہ نجانے کون مصیبت کا مارا ہے جو اس صحرا میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔ کاش میں اس کی مدد کر سکوں۔ وہ چلتے چلتے اسکے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جوگن ہے جو زمین پر بیٹھی سسکیاں بھر رہی ہے۔ اسکا یہ حال دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور وہ کہنے لگا "جوگن! رونے کا سبب کیا ہے۔ اگر ہو سکے تو اپنا حال بیان کرو شاید میں تمہارے کسی کام آسکوں"۔

جوگن آنسو پونچھتے ہوئے بولی "تم میری کیا مدد کرو گے میں قسمت کی ماری اپنی بدنصیبی پر آنسو بہا رہی ہوں۔ ایک مدت کے بعد میں نے انسان کی صورت دیکھی ہے ورنہ تنہا بھٹکتی پھرتی ہوں"۔

شہزادے نے کہا "مجھے اپنا درد بتاؤ۔ ممکن ہے میں تمہاری مدد کر سکوں آخر انسان ہی انسان کے کام آتا ہے" جوگن کہنے لگی: "کیا بیان کروں۔ میں ایران کے ایک سوداگر کی بیٹی ہوں اور خورشید رو میرا نام ہے۔ میرے والد بزرگوار نے یہ عہد کیا تھا کہ جو شخص اُن کے تین سوالوں کے جواب دیگا وہ اسی سے میرا بیاہ کریں گے اور جو شخص سوالوں کے جواب دینے کا دعویٰ کرے گا لیکن ناکام ہوگا تو وہ اس کی پیشانی پر داغ دیں گے۔ غرض بے شمار نوجوان اُن کے سوالوں کا جواب دینے آئے لیکن پیشانی پر داغ کھا کر واپس لوٹ گئے آخر ایک دن ایک شہزادہ جان جہاں آیا اور اس نے انکے تینوں سوالوں کے جواب دے دیئے اور مجھے بڑی آسانی سے جیت لیا۔

میرے والد نے بیاہ کے وقت اسے اس بات پر بھی راضی کر لیا کہ وہ ہمارے ساتھ رہے گا اور اپنے وطن واپس نہیں جائیگا۔ شب عروسی میں نے جو اُس کی صورت دیکھی تو دل کھو بیٹھی چونکہ وہ بہت خوبصورت تھا اور ایسا نوجوان میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں اُس پر دل و جان سے فریفتہ رہی اور وہ مجھ پر۔ غرض ہم پیار بھری زندگی گذارنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن وہ اداس نظر آیا تو مجھے فکر دامنگیر ہوئی اور میں نے اُس سے دریافت کیا کہ خاموشی اور اُداسی کی وجہ کیا ہے تو وہ نہایت غمگین ہو کر بولا: "بیگم! مجھے اپنے عزیزوں اور اقرباء سے بچھڑے کئی ماہ گذر گئے ہیں آج صبح ہی سے اُن کی یاد

معنی: ملہ نامعلوم۔ جس کے بارے میں کچھ بھی علم نہ ہو۔

ستا رہی ہے۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو دو چار دن کے لئے چلا جاؤں۔ ملاقات کر کے لوٹ آؤں گا۔"
میں نے کہا: "تمہارے بغیر میں ایک پل بھی نہ رہ سکوں گی۔" وہ کہنے لگا: "یہی میرا حال ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلو مگر اپنے والد صاحب کو خبر نہ کرنا ورنہ وہ جانے نہ دیں گے۔"

میں اس بات پر بھی راضی ہو گئی اور رات کو تقریباً بارہ بجے ہم دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ہماری منزل مُلک ہندوستان میں تھی لیکن زیادہ دور نہ تھی۔ ہم کئی روز کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک جنگل میں پہنچے اور ایک درخت کے نیچے اُتر گئے۔ گھوڑوں کو چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی یکایک شمال کی طرف سے طوفانِ گرد و غبار آیا اور ہر طرف سیاہی سی پھیل گئی۔ بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ کر گر پڑے۔ پتھر بھی لڑھکنے لگے یہ حال دیکھ کر شہزادہ گھوڑوں کو پکڑنے کے لئے دوڑا۔ وہ تھوڑی دُور تک تو مجھے دکھائی دیا مگر اس کے بعد نظر نہیں آیا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد طوفان کا زور کم ہوا تو میں نے دُور دُور تک شہزادے کو دیکھا مگر کہیں نظر نہ آیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے میں اس کی تلاش میں سرگرداں و پریشاں ہوں اور اسی کو یاد کر کے روتی اور آنسو بہاتی ہوں۔"

زین الجہاں اس پُردرد واقعہ کو سُن کر بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا: "تمہاری مدد کرنا میرا فرض ہے۔ میں اُسے ہر قیمت پر تلاش کر کے رہوں گا۔ تم اسی جگہ میری واپسی کا انتظار کرنا۔"
جوگن بولی: "نہیں! میں آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گی۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔" زین الجہاں نے کہا: "تم چونکہ عورت ہو تمہارا میرے ساتھ ہونا مناسب نہیں۔" جوگن بولی: "اگر آپکے پاس کپڑے ہوں تو مجھے دیدیجئے۔ میں مردانہ لباس میں آپ کے ہمراہ چلوں گی۔" شہزادہ زین الجہاں نے تھیلے

میں سے کپڑے نکال کر دیئے اور اس نے اپنے کپڑے اتار کر اسکے پہن لیے۔ زین الجہاں بولا: ماشاءاللہ تم تو سچ مچ ایک شہزادے کی مانند نظر آنے لگیں اب کسی کو شک بھی نہیں ہوگا۔"

غرض وہ دونوں روانہ ہو گئے۔ راستہ میں جنگلی پھل اور میوے کھاتے۔ پیاس لگتی تو چشموں کا پانی پیتے۔ جوگن اگرچہ عورت تھی لیکن ایک نے ایک مرتبہ بھی تھکن کا ذکر نہیں کیا۔

"ہم کہاں صحرا نوردی یہ کہاں ؎ کھینچ لیکن عشق کے آزار نے"

ڈھائی ماہ کے بعد وہ ایک شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے لوگوں کی زبانی اس شہر کے بادشاہ کی بہت تعریف سُنی۔ ہر ایک نے کہا کہ وہ نہایت سخی اور مسافر نواز ہے اس کے پاس جلو گے تو سرائے میں ٹھہرانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

وہ دونوں جیسے ہی شاہی محل کے نزدیک پہنچے تو مُلازمان شاہی نے آگے بڑھ کر خوش آمدید کہا اور انہیں شاہی مہمان خانہ میں لے گئے اور خوش وضع کمرے میں تخت پر بٹھا کر دسترخوان چنا اور انواع اقسام کے کھانے لاکر رکھے۔ وہ دونوں ایک عرصے سے کھانے کو ترس رہے تھے اس لئے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اُدھر ملازمان شاہی نے دو تھال زر و جواہر کے تیار کئے اور ان سے کہا "یہ حکم شاہی کے بموجب آپکی نذر ہیں۔" زین الجہاں بولا "میں تو دل سے آپ کے عالیجاہ شاہ اور آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ صاحبان نے ہم غریب الوطن اور آفت رسیدہ مسافروں پر وہ احسان کیا ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی ہم کو دور دراز کا سفر طے کرنا ہے اس لیے ہمیں اس نذرانہ سے معاف فرمائیں۔ اگرچہ یہ کفرانِ نعمت* ہے لیکن مجبوری بھی ساتھ ہے۔"

مُلازمان شاہی بولے: "اگر آپ اسے قبول نہیں فرمائیں گے تو آپ کو شاہ کے حضور میں چلنا ہوگا۔" خورشید رُو بولی: "ہمارے حلیے سفر کے سبب اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ ہمیں شاہ کے رُوبرو جاتے ہوئے شرم آتی ہے اس کے علاوہ نہ ہم چور ہیں نہ ڈاکو۔"

مُلازمان شاہی بولے "نہیں نہیں۔ ہمارے دل میں ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ شاہ کا دستور ہے کہ جو مسافر یہاں آتا ہے اُسے ملاقات کئے بغیر ہرگز نہیں جانے دیتا۔"

زین الجہاں اور خورشید رُو سوچنے لگے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اُسی وقت ایک چوبدار آیا اور کہنے لگا "شہنشاہ گیتی شاہ آپ صاحبان کو یاد فرما رہے ہیں۔" زین نے خورشید سے کہا "مجبوری ہے اب تو چلنا ہوگا۔" پھر دونوں مسافر چوبدار کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے جاتے ہی جھک کر سلام عرض کیا تو بادشاہ نے جواب دے کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور کہنے لگا: "آپ کس

* یعنی اللہ کی ہر طرح معصیت کرنا یا نعمت کی ناشکری۔

ملک کے باشندہ ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے؟"
زین الجہاں نے جواب میں عرض کی: "عالم پناہ! ہم لوگ تبرستان سے آئے ہیں اور شہرِ جنوں کا رُخ ہے۔ بادشاہ بولا: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری طرح تم بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جو ایسے پُر خطر طلسمات کی جانب جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ میں نے بزرگوں کی زبانی سُنا ہے کہ جو شخص وہاں گیا ہمیشہ کے لئے وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اب میں بطور ہمدردی سمجھاتا ہوں کہ وہاں ہرگز نہ جانا بلکہ اپنے وطن کی جانب واپس لوٹ جاؤ۔"
زین الجہاں نے کہا: "یہ سُن کر تعجب ہوا کہ آپ بادشاہ ہو کر بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔"
بادشاہ نے ایک آہ سرد بھرتے ہوئے کہا: "مصیبت سے کون محفوظ رہتا ہے" پھر وہ گردن جھکا کر یوں بیٹھ گیا جیسے اُسے کوئی خاص واقعہ یاد آگیا ہے۔ یہ حال دیکھ کر زین الجہاں بولا "اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو کیا یہ بندۂ ناچیز دریافت کر سکتا ہے کہ وہ کونسی مصیبت ہے جس نے آپ کو اس درجہ پریشان اور ملول [1] کر رکھا ہے؟"
بادشاہ کہنے لگا: "میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ ایک روز وزیر زادے نے باتوں باتوں میں کہا کہ ملک سیستان کے ایک سوداگر کی بیٹی بے حد حسین ہے اور اُسے سینکڑوں شہزادے اور بڑے بڑے سوداگر حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن سوداگر نے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ شادی کے خواہشمند نوجوانوں میں سے جو اس کے تین سوالوں کے جواب دے گا۔ اُسی سے وہ اپنی اکلوتی بیٹی کا بیاہ کریگا۔ اس شرط کو سنتے ہی بے شمار شہزادے گئے مگر تین میں سے دو سوالوں کے جواب تو اکثر نے دیدیئے لیکن تیسرے سوال کا جواب کوئی بھی نہ دے سکا چونکہ وہ بے حد مشکل سوال ہے یہ بات سُن کر میرا خون جوش میں آیا اور میں فوراً ہی زر و جواہر لے کر سیستان کی جانب روانہ ہو گیا۔ راستہ کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتا وہاں پہنچا اور سوداگر کے پاس جا کر اُس کے سوال دریافت کئے۔ زین الجہاں نے کئی بار گل خورشید رُو کو اشارہ کیا کہ یہ تمہاری ہی داستان بیان کر رہا ہے مگر وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ زین الجہاں کو تینوں سوال سُننے کا بھی شوق تھا اس لئے وہ کہنے لگا "عالم پناہ! بے جا نہ ہوگا اگر آپ سوداگر کے سوال اور اپنے جواب بھی ہمیں سُنا دیں۔ ہم ڈھائی مہینے تک جنگلوں کا راستہ طے کرتے یہاں پہنچے ہیں انسانوں کی صورتیں دیکھے اور ان سے گفتگو کئے یہ مدت گذاری ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ کچھ وقت آپ سے آپ کی آپ بیتی سُننے میں گذارا جائے۔ اس سے معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور کچھ نہ کچھ

[1] معنی: ملول = اُداس، رنجیدہ۔

سبق بھی حاصل ہو گا۔"

بادشاہ مسکراتے ہوئے بولا۔"داستان بہت بڑی ہے خیر سناتا ہوں۔ سوداگر نے پہلے تو میری خوب خاطر تواضع کی پھر نصیحت کے طور پر سمجھانے لگا کہ تم میرے تینوں سوالوں کے جواب نہیں دے سکو گے اور بلا وجہ اپنی پیشانی پر بدنما داغ لے کر یہاں سے جاؤ گے۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ اپنا ارادہ ترک[1] کر دو اور واپس چلے جاؤ۔ مگر میں ضدی تھا میں نے ان باتوں پر توجہ نہیں دی۔ آخر اس نے کہا کہ میرا پہلا عجیب و غریب سوال یہ ہے کہ تین دوست تھے ان میں ایک اور شریک ہوا لیکن وہ بادشاہ تھا اس لئے یہ پھر تین رہ گئے۔ لہٰذا بتلاؤ کہ وہ جدا کیوں ہوا اور تین دوست تھے تو تین ہی کیوں رہے؟"

میں نے جواب دیا کہ جناب والا! یہ واقعہ بہت پرانا ہے سنئے! تین آدمی تھے ایک دھوبی ایک بڑھئی اور ایک رسالدار۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ تینوں ہر روز ملتے، گھنٹوں باتیں کرتے سیر کو جاتے اور ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے۔ اگر کسی روز کسی کو دیر ہو جاتی تو باقی دو بےچین ہو کر فوراً ہی اس کی تلاش میں نکل جاتے۔

ایک روز اتفاق سے بڑھئی کی ملاقات دھوبی سے نہیں ہوئی شام تک وہ اس کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ آخر بےچین ہو کر وہ اس کی تلاش میں نکلا۔ راستہ میں کوتوال شہر کی صاحبزادی چاندنی میں سیر کر رہی تھی اس نے جو بڑھئی کو جاتا دیکھا تو اسے روک کر بولی: "راہگیر! تو کون ہے اور اس وقت کہاں جا رہا ہے؟"

بڑھئی نے جواب دیا۔"آج صبح سے اپنے دوست کو نہیں دیکھا تھا اسلئے میں اسکے مکان پر جا رہا ہوں۔" وہ کہنے لگی: "بڑا گہرا دوست ہے ایسے شخص کو تو میں بھی دیکھوں گی۔" بڑھئی بولا: "نہیں حضور! آپ عورت ذات۔ ادھر میں ایک غیر مرد۔ میرے ساتھ جانا حضور کو زیب نہیں دیتا۔" وہ کہنے لگی: "گستاخ! مجھے ساتھ لے جانے سے انکار کرتا ہے۔ میں ابھی اباجی سے کہتی ہوں کہ یہ آدمی چور ہے۔" بڑھئی گھبرا کر بولا: "نہیں حضور! ایسا نہ کیجئے۔ میں بے موت مارا جاؤں گا۔ آپ شوق سے چلئے" اور وہ اس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

دھوبی اس وقت سو رہا تھا لیکن اس کی بیوی نے اسے جگا دیا اور وہ آنکھیں ملتا باہر آیا پہلے تو بڑھئی سے بغلگیر ہوا پھر نازنین بیگم کو اس کی بیوی سمجھ کر گھر میں لے گیا اور اپنی بیوی کے پاس بٹھا دیا۔ بڑھئی اس سے قبل اپنی بیوی کو کبھی اس کے ہاں نہیں لے گیا تھا اسلئے دونوں میاں بیوی

[1] معنی: چھوڑ دو۔

بہت خوش تھے اور انہوں نے فوراً ہی طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں اُنکے سامنے دسترخوان پر چُن دیں لیکن ناز بیگم نے کھانے سے انکار کیا۔ دھوبن بولی: "آپ کھانا کیوں نہیں تناول کرتیں۔ کیا اسکو اپنا گھر نہیں سمجھتیں۔ خدا کی پناہ! کتنا پرہیز کرتی ہو۔ ہاں بہن! آپ کے پسند یہ کھانے کیوں آئیں گے"۔ ناز بیگم نے جواب دیا: "آپ کے سر کی قسم۔ ابھی سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ اگر آپ پرہیز تصور کرتی ہیں تو میں ایک سیب کھا لیتی ہوں۔ کیا سیب موجود ہے!"

دھوبن بولی: "کیا خوب! ایسی چیز طلب کی ہے جس کے ایک ایک دانہ پر بادشاہی مُہر ہے۔ لیکن خیر۔ بغیر کھلائے جانے نہیں دوں گی میں تمہارے بھائی کو بادشاہ کے باغ میں بھیجتی ہوں"۔

دھوبن نے دو اشرفیاں دھوبی کو دیتے ہوئے کہا: "آپ بہت جلد شاہی باغ سے ایک تازہ سیب لے آیئے۔ باغبانؔ اُس کی جو قیمت بھی طلب کریں انہیں دینے سے انکار نہ کیجئے گا"۔

دھوبی دوڑتا ہوا گیا اور باغبانوں کو کچھ رقم دے کر ایک سیب لے آیا اور ناز بیگم کی نذر کیا۔ وہ سیب دیکھ کر حیران رہ گئی اور چھری اُٹھا کر اُسے تراشنے لگی۔ اتفاق سے اُس کے ہاتھ کو لغزش ہوئی اور جس ہاتھ میں سیب تھا چھری سے کٹ گیا۔ معمولی سا خون نکلا لیکن وہ اس طرح تڑپنے لگی جیسے بغیر پانی کے مچھلی۔ دھوبن گھبرا گئی اور کہنے لگی: "بہن کیا ہوا۔ کچھ کہو تو سہی۔ کیا ایسی نازک ہو کہ دو چار قطرے خون کے نکلتے برداشت نہیں کر سکتیں۔ اے بہن! اس سے زیادہ خون تو بچوں کا نکل جاتا ہے اور وہ اُف بھی نہیں کرتے"۔ پھر وہ دوڑتی بھاگتی کپڑے کی دھجی پانی میں بھگو کر لائی اور بیٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑا تاکہ زخم پر پٹی باندھ دے مگر جیسے ہی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا وہ سرد معلوم ہوا۔ پھر اس نے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی سرد تھا۔ دھوبن گھبرا گئی۔ اس نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ دل خاموش تھا۔ "ہائے یہ تو مر گئی۔ اللہ کو پیاری ہو گئی دوسری دُنیا کو سدھار گئی۔ اب کیا ہوگا"۔ یونہی بڑبڑاتی دھوبی کے پاس گئی اور اس سے کہنے لگی: "بڑھئی کی بیوی تو مر گئی۔ معمولی سا خون نکلا تھا اسے دیکھ کر ایسی سہمی کہ اس دُنیا ہی سے چل بسی"۔

دھوبی نے جا کر بڑھئی سے کہا: "دوست! غضب ہو گیا۔ تمہاری بیوی چل بسی"۔ بڑھئی بولا، "دوست! وہ میری بیوی نہیں تھی۔ وہ تو کوتوال کی بیٹی ناز بیگم تھی۔ زبردستی میرے ساتھ یہاں آگئی تھی۔ اب کیا ہوگا۔ کوتوال تو زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

دھوبی نے کہا: "گھبراؤ نہیں دوست! میں ابھی اس لاش کو ٹھکانے لگا دیتا ہوں"۔ پھر اس نے لکڑی کا ایک صندوق صاف کر کے اس میں میلے کچیلے کپڑے رکھے اور ان پر لاش کو رکھ

معنی: ۱۔ مالی۔ باغ کی دیکھ بھال کرنے والا۔

کر بولا: "اب میں اس صندوق کو شہر سے باہر پھینک آتا ہوں"۔
بڑھئی خاموش بیٹھا رہا اور دھوبی اس صندوق کو بیل کی پیٹھ پر رکھ کر لے گیا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد واپس آیا اور کہنے لگا: "اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔
رات زیادہ ہو گئی تھی اس لئے بڑھئی اُس سے بغلگیر ہو کر رخصت ہوا اور گھر جا کر اطمینان سے پاؤں پھیلا کر سو گیا۔ اُدھر رات گئے تک ناز بیگم گھر نہ پہنچی تو کوتوال اور اس کی بیوی کو سخت تشویش ہوئی، انہوں نے سپاہیوں کو چاروں طرف دوڑایا مگر صبح تک وہ اُسے تلاش نہ کر سکے۔ آخر کوتوال خود گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔
وہ جیسے ہی شہر سے باہر پہنچا اُسے ایک صندوق پڑا ہوا نظر آیا اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے کھول کر دیکھو اس میں کیا ہے۔ اُنہوں نے جیسے ہی اسے کھولا وہ چلّائے کہ حضور! اس میں تو ایک خوبصورت لڑکی کی لاش ہے۔ کوتوال کے ہوش وحواس جاتے رہے وہ فوراً ہی صندوق کے پاس گیا دیکھا تو اس کی نوجوان بیٹی ناز بیگم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکا اور اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سپاہی اُسے اور صندوق کو اُٹھا کر اس کے مکان پر لے گئے، جہاں پہلے تو کوتوال کو ہوش میں لایا گیا، پھر ناز بیگم کے مرنے پر افسوس کیا گیا۔
کوتوال صندوق اُٹھوا کر بادشاہ کے پاس لے گیا اور رو رو کر کہنے لگا: "عالم پناہ! اس بے قصور کو کسی ظالم نے قتل کر دیا ہے"۔ بادشاہ نے جاسوسوں کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کا کیا اندازہ ہے کہ اسے کس نے قتل کیا ہوگا؟
جاسوسوں کے سردار نے صندوق کا معائنہ کرنے کے بعد کہا: "یہ کام کسی دھوبی کا ہے چونکہ اس میں لاش کے نیچے میلے کپڑے رکھے ہوئے ہیں"۔
بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر کے سارے دھوبیوں کو گرفتار کر کے ہمارے رُوبرُو پیش کرو۔ تعمیلِ حکم کے لئے سپاہی روانہ ہو گئے اور دوپہر تک تمام دھوبیوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا: "تم لوگ اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو قاتل کو ہمارے سامنے پیش کر دو۔ ورنہ سب کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔ بڑھئی کا دوست دھوبی آگے آیا اور کہنے لگا: "بادشاہ سلامت! اس لڑکی کی لاش کو میں نے صندوق میں بند کر کے شہر سے باہر پھینکا تھا۔ میں ہی قصوروار ہوں"۔
بادشاہ نے دوسرے تمام دھوبیوں کو رخصت کر دیا اور اس دھوبی کو قید خانے میں بھجوا دیا۔ پھر کوتوال سے کہا: "تم جا کر اس کی تجہیز و تکفین کرو۔ خونی کو ہم سزائے موت دیں گے"۔

کوتوال صندوق لے کر چلا گیا اور بادشاہ بہت دیر تک سوچتا رہا کہ آخر اس دھوبی کو کوتوال سے کیا دشمنی تھی جو اس نے نازبیگم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ رات ہوتے ہی اُس نے ایک سپاہی کا بھیس دھارا۔ اور قید خانہ پر جا کر پہریدار سپاہی سے کہا، "تم چھٹی کرو۔ میں یہاں ٹھہروں گا"۔ سپاہی چلا گیا اور وہ اس کی جگہ کھڑا ہو گیا۔

اُس نے تھوڑی دیر کے بعد دھوبی سے کہا، "بھیا! ایک بات تو بتاؤ تم نے ایسا کونسا جرم کیا تھا جو اس کی سزا میں یہاں قید ہوئے ہیں"؟

دھوبی نے سارا واقعہ کہہ سُنایا اور بولا: "لڑکی کو اگر میں قتل کرتا تو اس کے بدن پر کسی جگہ تو زخم ہوتے لیکن اس کا سارا جسم صاف تھا" سپاہی کہنے لگا، "کہتے تو درست ہو۔ وہ اپنی ہی موت مری تھی تم بے قصور ہو"۔ دھوبی بولا: "بھائی! جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں ہم تینوں دوستوں کو ایک دوسرے سے بڑی محبت ہے اِک آج کا دن ایسا منحوس آیا ہے کہ میں ان سے ملاقات نہیں کر سکا۔ کیا تم مجھے ان تک نہیں لے چلو گے"؟

سپاہی نے کچھ سوچ کر کہا: "چلو میں تمہیں لئے چلتا ہوں" اور اس نے قفل کھول کر دھوبی کو باہر نکال لیا اور اپنے ہمراہ بڑھئی کے مکان پر لے گیا۔ بڑھئی اس وقت بیٹھا خدا کی عبادت میں مصروف تھا اور دھوبی کے حق میں دعا کر رہا تھا۔ دوست کی آواز سُن کر بے چین ہو گیا اور فوراً باہر آ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ پھر سپاہی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "بھیا! تم نے اپنی نوکری کو خطرے میں ڈال کر میرے دوست کو مجھ سے مِلایا ہے۔ خدا تمہیں اس کا اجر[۲] دے گا"۔

بڑھئی نے دونوں کو بٹھا کر تواضع کی پھر وہ تینوں رسالدار کے پاس گئے۔ وہ بھی اُس وقت عبادت میں مصروف تھا دوست کی آواز سُن کر فوراً باہر آیا اور بغلگیر ہوا۔ اُسے جیسے ہی علم ہوا کہ پہریدار سپاہی اُسے لایا ہے تو اُس نے بھی سپاہی کا شکریہ ادا کیا اور تینوں کو گھر میں بٹھا کر دودھ پلایا اور کچھ مٹھائی کھلائی اس کے بعد سپاہی کہنے لگا: "ایک پہر رات باقی رہ گئی ہے اب ہمیں اجازت دیجئے ورنہ مجھے سخت سزا ملے گی چونکہ قیدی کو باہر لے جانا بڑا سنگین جرم ہے"۔

رسالدار اور بڑھئی گلے مل کر روئے اور دعائیں دیتے ہوئے جُدا ہوئے۔ سپاہی نے جا کر اُسے پھر قید خانہ میں بند کر دیا اور خود دوسرے سپاہی کو مقرر کر کے محل کی جانب روانہ ہوا۔

بادشاہ نے صبح ہوتے ہی کوتوال اور دھوبی کو اپنے رُوبرو بلوایا اور کوتوال سے کہا: "تمہارا خیال غلط ہے تمہاری بیٹی اپنی موت مری ہے۔ اگر یہ دھوبی اس کا خون کرتا تو اس کے بدن پر

معنی: [۱] اختیار کیا۔ [۲] ثواب۔

زخم یا خراشیں ضرور ہوتیں۔ اس کے علاوہ رات کو میں نے خود بھیس بدل کر سُراغ نکالا اور اسی نتیجہ پر پہنچا کہ دھوبی قطعی بے قصور ہے۔" کوتوال خاموش ہو کر چلا گیا اور دھوبی بادشاہ کے قدموں میں گر پڑا۔ "بادشاہ سلامت! مجھے علم نہ تھا کہ رات کو سپاہی کے بھیس میں حضور تھے۔"

بادشاہ نے دھوبی کو اپنے قریب بُلایا اور اس سے بولا: "ہمیں تم تینوں کی دوستی، سچائی اور محبت دیکھ کر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ کیا مجھے بھی اپنے دوستوں میں شریک نہیں کروگے؟" دھوبی نے کہا "بڑے شوق سے شامل ہو جایئے مگر ایک بات ہے ہم تینوں غریب ہیں اور حضور بادشاہ ہیں دوستی قائم بھی رہ سکے گی؟" بادشاہ نے جواب دیا "تم اس بات کی فکر نہ کرو۔ میں تمہارے پاس غریب بن کر ہی آیا کرونگا" غرض بادشاہ بھی ان میں شریک ہو گیا وہ ہر روز ان سے ملاقات کے لئے آتا اور ان کو ان کی غریبی کا احساس نہ ہونے دیتا۔

ایک روز چاروں دوست شکار پر گئے اور سارا دن کی بھاگ دوڑ کے بعد ایک ہرن شکار کیا یہ ہرن رسالدار کے تیر سے زخمی ہوا تھا اس لئے وہ کہنے لگا کہ اس کا گوشت تم تینوں تقسیم کر لو اور کھال مجھے دے دو۔ بڑھئی اور دھوبی تو راضی ہو گئے لیکن بادشاہ بولا نہیں! کھال میرا حصّہ ہے۔ تم اِس کھال کی قدر بھی نہیں کر سکتے' میں تو ملک کا بادشاہ ہوں اس کھال کو بہتر طریقہ سے استعمال میں لاؤں گا۔" یہ بات تینوں کو ناگوار گذری اور وہ بولے "بادشاہ سلامت! آپ سالم ہرن ہی لے جایئے' ہماری آپ کی دوستی برقرار نہیں رہ سکتی چونکہ آپ نے خود کو برترؔ ظاہر کیا اور ہمیں نیچ سمجھا۔ بادشاہ آخر بادشاہ ہوتا ہے وہ جب کمزور پہلو دیکھتا ہے تو بادشاہ ہونے کا رعب ڈال کر اپنا مقصد حل کر لیتا ہے" اور اُسی وقت اُن کی دوستی ختم ہو گئی۔ اس طرح تین دوست تھے وہ تین ہی رہے۔ سوداگر خوش ہو کر بولا: "تم نے میرے پہلے سوال کا صحیح جواب دیا ہے۔"

مینا کہنے لگی: "مٹھو میاں! گستاخی معاف! اتنی لمبی داستان لے کر بیٹھے ہو کہ خدا کی پناہ! اِس وقت رات کے دو بج رہے ہیں سلطان عالم پناہ کے آرام کا وقت ہے اب اپنی چونچ بند کرو" شاہ افروز بولا: "طوطے میاں! تم تو ایک اعلےٰ درجہ کے قصّہ گو ثابت ہوئے ہو۔ جی چاہتا ہے کہ تم سناتے رہو اور ہم سنتے رہیں لیکن رات زیادہ گذر چکی ہے اب سب کو آرام کرنا چاہیئے۔ سوداگر کے دو سوال اور ان کے جواب اگر زندگی رہی تو کل رات سُنیں گے۔"

طوطے نے کہا: "عالم پناہ! میرا حلق بھی خشک ہو گیا ہے لہٰذا باقی کل پر ملتوی کرنا ہی مناسب ہے" پھر محفل برخواست ہوئی اور دونوں کے پنجرے عجائب خانے میں پہنچا دیئے گئے ٭

معنی: ۱ؔ بڑا۔ اونچا

دوسری شب

شاہ افروز نے بقیہ سب بڑے آرام سے گزاری۔ صبح بھی اُس کی طبیعت پہلے کے مقابلہ میں بہتر تھی۔

رات ہوتے ہی امیر، وزیر، درباری اور دوسرے تمام لوگ آموجود ہوئے ادھر دونوں سنہری پنجرے بھی لاکر رکھ دیئے گئے۔ شاہ افروز نے مسند پر بیٹھتے ہی طوطے سے کہا: "میاں مٹھو! سوداگر کا دوسرا سوال کیا تھا؟"

طوطا کہنے لگا: "سوداگر نے دوسرا سوال کیا کہ وہ کون شخص تھا جو مذہب کے اعتبار سے ہندو پنڈت تھا لیکن مسلمان بادشاہ اس کی بے حد قدرومنزلت کرتا تھا، اُس کی عزت افزائی کا سبب در پردہ اُس کی بیوی اور ایک بیٹی تھی اور خاص خاص واقعات کیا تھے؟

میں نے چند لمحے دماغ پر زور دیا تو تاریخ کے اوراق سامنے آگئے اور میں نے برملا کہا: "وہ شخص کالپی کے ایک غریب برہمن کا لڑکا مہیش داس تھا جسے جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار میں منصب سہ ہزاری حاصل تھا اور وہ بیربل کے نام سے مشہور تھا۔

سوداگر خوش ہوکر بولا: "شاباش! تمہارا مطالعہ بہت وسیع معلوم ہوتا ہے"۔

میں نے کہا: "اب چند واقعات پیش کرتا ہوں۔ سماعت فرمایئے۔ ایک روز اکبر بادشاہ نے سوال کیا کہ بیربل دنیا میں "حسین غم" کیا ہے اور "حسین خوشی" کیا ہے؟

بادشاہ کے سوال کو سُن کر سارے درباری ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے لیکن بیربل ذرا نہ گھبرایا اور کھڑے ہوکر ادب کے ساتھ بولا: "مہابلی! دوسروں کا غم کھانا حسین غم ہے اور دوسروں کو خوش کرکے خوش ہونا حسین خوشی ہے"۔

بادشاہ کو بیربل کی ذہانت اور قابلیت کا اعتراف تھا اور وہ دن رات ایسے سوال سوچتا رہتا تھا کہ جن کا جواب دینا بیربل کے لئے ممکن نہ ہو لیکن وہ جواب ایسا دیتا کہ بادشاہ حیران رہ جاتا۔ ایک روز دسترخوان پر بینگن کا سالن رکھا ہوا تھا اور بیربل دسترخوان پر موجود تھا۔ اکبر نے کہا: "بیربل! بینگن کوئی اچھی سبزی نہیں ہے"۔ بیربل بولا: "بالکل نہیں مہابلی۔ اس کا اصل نام ہے "بے گن"۔ لوگ بے گُن کہتے کہتے بینگن کہنے لگے ہیں کتنا اچھا نام تھا۔ بے گُن۔ یعنی اس سبزی کے کھانے سے کوئی فائدہ نہیں"۔

ایک ہفتہ کے بعد پھر دسترخوان پر بیربل بھی موجود تھا اور بینگن کا سالن بھی۔ اکبر بیربل کو آزمانے کے خیال سے کہنے لگا: "بیربل! بینگن تو کوئی بُری سبزی نہیں ہے"۔

معنی: ہلہ ورق کی جمع اوراق — ایک ورق کا ہر رُخ ایک صفحہ کہلاتا ہے، ایک ورق میں دو صفحے ہوتے ہیں۔

بیربل نے عرض کی: "مہابلی! حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام دوسری سبزیوں میں افضل ہے"۔
اکبر نے ہنستے ہوئے کہا: "گذشتہ بار تو تم کہہ رہے تھے کہ بینگن کوئی اچھی سبزی نہیں اور اس کے کھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں اور آج کہہ رہے ہو کہ یہ دوسری سبزیوں میں افضل ہے۔ آخر صحیح بات کیا ہے؟" بیربل نے جواب دیا: "بندہ پرور! پہلے جواب میں بینگن کے اوصاف بیان کئے تھے اور دوسرے جواب سے مقصد یہ ہے کہ بینگن ہی ایک وہ سبزی ہے جس کے سر پہ قدرت نے تاج رکھا ہے اور تاج اسی کے سر پہ رکھا جاتا ہے جو دوسروں سے افضل ہو"۔

اکبر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس نے بیربل کو انعام واکرام سے نوازا۔

ایک روز بادشاہ نے بیربل سے کہا: "بیربل ہمیں بیل کا دودھ درکار ہے۔ کیا تم لا سکتے ہو؟" بیربل نے ایک ہفتہ کی مہلت حاصل کی اور گھر پہنچ کر بیوی سے کہنے لگا: "آج طبیعت بہت زیادہ پریشان ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا" بیوی نے گھبرا کر کہا: "کیا بات ہے کچھ کہو تو سہی"۔ وہ بولا: "بادشاہ نے بیل کا دودھ مانگا ہے اور ایک ہفتہ کی مہلت دی ہے"۔

بیوی نے کہا: "فکر کیا ہے ایک ہفتہ گھر میں آرام کریجئے آٹھویں دن میں دودھ مہیا کردوں گی" بیربل خاموش ہو گیا۔ آٹھویں دن بیربل کی بیوی نے اعلیٰ درجہ کے کپڑے زیب تن کئے اور زیور پہنے۔ پھر میلے کپڑوں کی گٹھری اٹھا کر دریائے جمنا کے کنارے جا بیٹھی اور کپڑے دھونے لگی وہ اس جگہ بیٹھی تھی جہاں اکبر بادشاہ ہر صبح چہل قدمی کے لئے آتا تھا۔ بادشاہ اپنے مقررہ وقت پر آیا تو ایک خوبصورت اور امیر عورت کو میلے کپڑے دھوتے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور کہنے لگا: "اے رئیس زادی! تجھ پر ایسی کیا بپتا[1] پڑی ہے جو میلے کپڑے دھو رہی ہے"؟

وہ بولی: "حضور! کیا عرض کروں۔ ملازم ہے نہیں۔ شوہر کے بچہ ہونے والا ہے اب یہ کام میں نہ کروں تو اور کون کرے گا"؟

بادشاہ حیران ہوتے ہوئے بولا: "کیا مطلب! تمہارے شوہر کے بچہ ہونے والا ہے"؟ وہ کہنے لگی: "جی حضور! میرے شوہر کے"۔ بادشاہ نے کہا: "کیا بہکی بہکی باتیں کرتی ہو کہیں کسی مرد کے بھی بچہ ہوا ہے"؟ وہ بولی: "جس شہر میں بیل دودھ دے سکتے ہیں اس میں اگر مردوں کے بچے ہونے لگیں تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے"؟

اس جواب کو سنتے ہی اکبر سمجھ گیا کہ یہ عورت بیربل کی بیوی ہے اور مجھے جواب دینے آئی ہے۔ وہ ہنس کر بولا: "میں سمجھ گیا۔ اب تم جا کر بیربل کو بھیج دینا"۔

معنی: [1] کس مصیبت کا سامنا پڑ گیا۔

بیربل کی بیوی نے گھر جا کر اُسے سارا قصہ سُنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور پگڑی سر پہ رکھ کر اکبر کے پاس گیا۔ اکبر اسے دیکھتے ہی ہنسنے لگا۔ "تمہاری عقل کی داد نہیں دی جا سکتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ساری عقل تم ہی کو عطا کر دی ہے۔"

اکبر بادشاہ نے ایک روز سوال کیا: "کہتے ہیں کہ تنگ نظر اور مُتعصب لوگوں میں رہنا بڑا مشکل ہے کیا یہ سچ ہے۔" بیربل فوری طور سے اس کا جواب نہ دے سکا اور اُس نے چوبیس گھنٹے کی مُہلت حاصل کر لی۔ گھر پہنچ کر اُس نے اس سوال کا ذکر کیا تو بیوی "بات توسچ ہے۔ اگر ایک نیک اور سچے انسان کے اردگرد تنگ نظر اور مُتعصب لوگ ہوں تو زندگی دُوبھر ہو جائے۔" بیربل خاموش ہو گیا۔ صبح جب وہ دربار کی طرف جانے کی تیاری کر رہا تھا تو اس کی بیٹی نے قریب آکر دھیمی آواز میں کچھ کہا اور بیربل اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر چلا گیا۔ دربار میں پہنچتے ہی بادشاہ نے سوال کیا: "بیربل! کیا سچ ہے کہ تنگ نظر اور متعصب لوگوں میں رہنا بڑا مشکل ہے؟" اس نے جواب دیا: "جی نہیں۔ وہ ایسے لوگوں میں اسی طرح خوش رہتا ہے جیسے کانٹوں کے درمیان پھول"۔

بادشاہ بہت خوش ہوا لیکن اُسے کیا معلوم کہ یہ جواب بیربل کی بیٹی نے دیا ہے۔

سوداگر اپنے دونوں سوالوں کے جواب پاکر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: "اب تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ وہ کونسا سوداگر تھا جو مال و اسباب ہونے کے باوجود مُفلس ہو گیا تھا لیکن بعد میں پھر پہلے جب تو انگر بن گیا؟"

مین نے جواب دیا: "حضورِ والا شان! وہ تھا سوداگر عرفان بن طیس۔ وہ شہر کے تمام سوداگروں میں مالدار تھا۔ اگرچہ اُس کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور اولاد میں صرف ایک بیٹا نعمان تھا مگر وہ دن رات محنت کرتا اور خوب دولت کماتا۔

اُس کی حویلی کا دروازہ ہر وقت بند رہتا۔ حاجتمند، فقیر، غریب اور بے کس لوگ اُمیدیں لئے دروازے پر آتے لیکن اُسے بند دیکھ کر مایوس لوٹ جاتے۔ ایک روز اتفاق سے دروازہ کُھلا تھا اور عرفان سوداگر باہر ٹہل رہا تھا کہ ایک ضعیف العُمر آدمی لاٹھی کا سہارا لیتا اِس کے قریب آیا اور سلام عرض کر کے بولا: "خدا حضور کو عُمر دراز عطا کرے۔ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میری ضعیفی کا سہارا ایک بیٹا تھا جو دو ماہ ہوئے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اب دو چھوٹی چھوٹی بچیاں ہیں اور ان کی ناتواں والدہ۔ میرے بازوؤں میں دم نہیں

آنکھوں میں بینائی نہیں۔ محنت مشقت کے لائق نہیں۔ اگر بندہ نواز! مجھ غریب پر نظرِ عنایت ہو جائے تو مجھے بہت سے غموں سے نجات مل جائے اور حضور کے لئے عاقبت کا کچھ سامان ہو جائے۔" سوداگر عرفان تڑخ کر بولا: "بڑے میاں! اگر کھانے کھلانے کو نہیں ہے تو گھر پھونک کر اس میں کیوں نہیں جل مرتے۔ میں نے دن رات محنت کرکے جو دولت جمع کی ہے اس کی قدر میں خود ہی جانتا ہوں۔ اسے تم جیسے کنگلوں میں تقسیم نہیں کر سکتا۔"

غریب بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ سر جھکائے خاموشی سے چل دیا۔ اسوقت آنسو اس کی کمزور آنکھوں سے بہہ رہے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا دل بھی رو رہا تھا۔ بوڑھے کی اب جرأت نہیں تھی جو وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا یا کسی سے سوال کرتا سوائے اس معبودِ حقیقی کے جس نے سب کو پیدا کیا اور جو سب کا رازق ہے۔ وہ ایک درخت کے پیچھے بیٹھ کر رونے اور گڑگڑانے لگا۔ خدا کی شان کہ اس طرف سے ایک رئیس کا گذر ہوا اور وہ بوڑھے کے حال پر ترس کھا کر بولا: "بڑے میاں! بہت دکھی معلوم ہوتے ہو؟"

وہ دبی زبان میں کہنے لگا: "کیا عرض کروں۔ میرا جوان بیٹا دو ماہ ہوئے کہ چل بسا۔ اب دو بچیاں اور ان کی ماں گھر میں ہے۔ ایک ایک کوڑی کو ترستا ہوں۔ فاقے کرتے کرتے اب بدن میں جان نہیں رہی۔ ایک سوداگر سے سوال کیا تو وہ کہتا ہے کہ اگر کھانے کھلانے کو نہیں ہے تو گھر پھونک کر اس میں کیوں نہیں جل مرتے۔"

رئیس نے ایک تھیلی نکال کر اُسے دی اور کہنے لگا: "تم فکر نہ کرو اور جا کر فاقہ توڑو"۔
بوڑھا اُسے ہزار دعائیں دیتا روانہ ہوا۔ رئیس بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ تقریباً تین فرلانگ کے فاصلہ پر اس کا ایک کچا مکان تھا وہ جب اس میں داخل ہوا تو رئیس لوٹ آیا۔
بات یہ تھی کہ وہ رئیس اس وقت زکوٰۃ اور خیرات کی رقم لئے یتیم خانے کی طرف جا رہا تھا اس نے جب بوڑھے کی درد بھری کہانی سنی تو اُس نے اسی کو جائز حقدار سمجھ کر وہ رقم اسے دے دی سنا ہے کہ وہ بعد میں بھی اس کے گھر جا کر اس کی مدد کرتا رہتا تھا۔
سوداگر عرفان ایک بہت بڑی کوٹھری میں تجارت کا مال و اسباب اور کمائی ہوئی دولت رکھتا تھا۔ خدا کی قدرت کہ اُسی رات آگ لگ گئی اور نہ مال بچا نہ دولت۔ اور وہ صبح تک تہی دست[1] ہو کر رہ گیا۔ وہ سر پکڑ کر روتا رہا لیکن اب رونے سے کیا حاصل تھا۔
دوسرے سوداگروں کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ عرفان بن طیس کا مال جل گیا ہے تو ان میں سے وہ سوداگر اس کے پاس آئے جنہوں نے تجارت کا سامان خریدنے کے لئے پیشگی رقمیں دے رکھی تھیں اور اس سے فوری ادائیگی کا مطالبہ کیا۔
عرفان بولا "میرے پاس اب پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے میں تم لوگوں کو رقم نہیں دے سکتا۔"
سوداگر بگڑ گئے اور انہوں نے جا کر کوتوال سے فریاد کی۔ اس نے فیصلہ دیا کہ عرفان بن طیس کی جائداد اور سارا سامان نیلام کر کے تم لوگوں کی رقم کی واپسی کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ اس فیصلہ کو سُن کر عرفان بہت رویا گڑگڑایا لیکن کسی کو بھی اس کے حال پر رحم نہیں آیا۔ اور اس کی جائداد وغیرہ نیلام کر دی گئی۔
عرفان بن طیس کے پاس بدن کے کپڑوں کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ دو روز فاقے کرنے پڑے آخر اپنے اکلوتے بیٹے کو ایک سوداگر کے پاس دس اشرفیوں کے عوض چھوڑ دیا اور اُسے دے دیا کہ وہ اس لڑکے سے جو چاہے کام لے۔ اُسے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔
سوداگر نے لڑکے کو خرید و فروخت کے گُر سکھائے پھر تھوڑا سا مال دے کر بازار میں فروخت کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ نفع کما کر واپس آیا تو وہ بہت خوش ہوا پھر اس نے اور زیادہ مال اس کے سپرد کیا۔ اس مرتبہ بھی وہ نفع کما کر آیا۔ اور سوداگر کو یقین ہو گیا کہ لڑکا محنتی، ہوشیار اور ایماندار ہے، لہٰذا وہ اُسے دوسرے شہروں میں پھر غیر ممالک میں بھی بھیجنے لگا۔ اسی طرح اس لڑکے کی عمر تقریباً بیس سال کی ہو گئی۔

معنی: [1] خالی ہاتھ، نادار۔

ایک مرتبہ نعمان ایک دوسرے ملک میں تجارت کا سامان فروخت کر کے واپس لوٹ رہا تھا کہ راستہ میں ایک بارات نظر آئی۔ وہ ایک طرف کھڑے ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ یکایک دو چار آدمی اس کے قریب آئے اور کہنے لگے: "ہمیں تم سے ایک کام ہے" وہ بولا: "فرمائیے! میں حاضر ہوں"۔

انہوں نے کہا: "ہمارا دولہا سیاہ فام ہونے کے علاوہ بدصورت بھی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہیں لڑکی والے اس کی صورت دیکھ کر شادی سے انکار نہ کر دیں لہٰذا تم اس جگہ دولہا بن کر چلو، واپسی میں ہم تمہیں اسی جگہ چھوڑ دیں گے اور ایک ہزار اشرفیاں انعام دیں گے"۔

نعمان راضی ہو گیا اور دولہا بن کر چلا گیا۔ نکاح کے بعد اُس کے خُسر نے ایک ہیرا اُسے سلامی میں دیا۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی اشرفیاں۔ موتی۔ اور بہت سی قیمتی چیزیں سلامی میں دیں۔ تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد جب وہ واپس لوٹے تو اصل نوشہ[1] کے رشتہ داروں نے اُسے وعدے کے مطابق ایک ہزار اشرفیاں دے کر رخصت کر دیا۔

حُجلہ عروسی میں دُلہن مہروش نے اپنے شوہر کی صورت دیکھی تو وہ حیران رہ گئی کہ یہ کون بھوت ہے چونکہ آرسی مصحف نمائی کے وقت تو شوہر اُجلے رنگ کا خوبصورت نوجوان تھا اور اس وقت سیاہ فام اور بدصورت آدمی ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ اُسے دھوکا دیا گیا ہے لہٰذا وہ رونے اور ہائے ہائے کرنے لگی۔ نندیں دوڑتی ہوئی آئیں اور رونے کا سبب دریافت کرنے لگیں۔ وہ مکر کئے ہوئے یہی کہتی رہی: "مجھے دردِ گردہ کا دورہ پڑ گیا ہے ہائے مری جاتی ہوں کیا کروں" وہ صبح تک روتی اور چلاتی رہی اُدھر سارا گھر جاگتا رہا۔ صبح ہوتے ہی مہروش بولی: "خدارا مجھے میرے گھر پہنچا دو، نہیں تو میں مر جاؤں گی" اس کا مکر کوئی نہ سمجھ سکا اور مجبور ہو کر اُسے اُسکے میکہ پہنچا دیا گیا وہاں جا کر اُس نے والدین کو سارا حال کہہ سُنایا جسے سُن کر انہیں بہت غصہ آیا اور انہوں نے ان لوگوں سے جو مہروش کو چھوڑنے آئے تھے۔ کہا: "ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ جس نوجوان سے لڑکی کا نکاح پڑھوایا گیا تھا یہ اسی کی بیوی بن کر رہے گی اور تم لوگ اسے جس کے ساتھ رکھنا چاہتے ہو یہ ہرگز نہیں رہے گی۔ وہ لوگ اپنا سا مُنہ لے کر چلے گئے۔

وہ اُجلے رنگ کا خوبصورت نوجوان کون تھا جو دولہا بن کر آیا تھا اُسے بہت تلاش کیا گیا لیکن وہ نہ مل سکا۔ آخر ایک سال کے بعد وہ نوجوان نعمان تجارت کا سامان لے کر پھر اس شہر میں آیا تو وہ سوچنے لگا کہ اس لڑکی کا حال کسی سے دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے یا نہیں۔ یہ سوچ کر وہ اس کے مکان پر گیا اور ایک ملازم سے سلسلہ گفتگو قائم کرنے لگا

معنی: [1] دُولہا۔

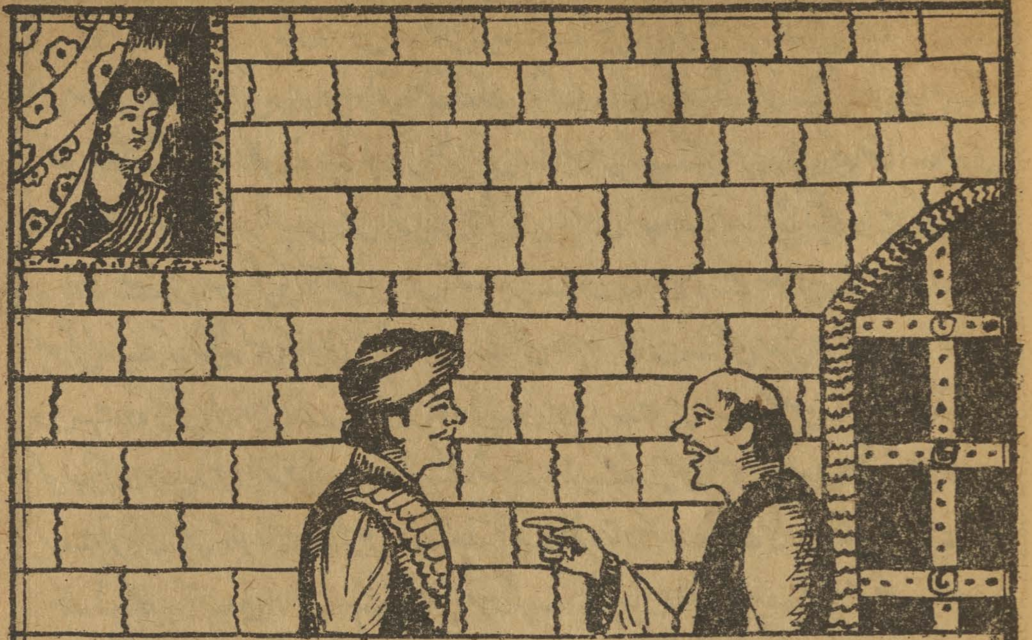

اس وقت اتفاق سے مہروش کھڑکی میں کھڑی تھی وہ نعمان کو دیکھتے ہی پہچان گئی اور دوڑتی ہوئی اپنی والدہ کے پاس گئی اور اُسے بتلانے لگی کہ وہ نوجوان آیا ہے اور ملازم سے گفتگو کر رہا ہے اس کی والدہ نے فوراً ہی خادموں کو دوڑایا اور مہروش کے والد اللہ داد کو بُلوایا۔

اللہ داد نے خود جاکر نعمان سے ملاقات کی اور عزت کے ساتھ مکان میں لے آیا۔ اس کی خاطر مدارات کی پھر اس سے شادی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے تمام واقعات سچ سچ بیان کر دیئے جسے سُن کر سب حیران رہ گئے۔ دوسرے دن اللہ داد نے نعمان سے کہا: "قاعدے کے مطابق میری بیٹی تمہاری بیوی ہے اور تمہیں ساتھ لے جانا چاہیئے۔ نعمان راضی ہوگیا اور اس نے ضروری سامان، زیور کپڑے اور ہزاروں اشرفیاں دے کر دونوں کو رخصت کر دیا۔

راستہ میں نعمان ہر شہر میں ٹھہرتا اور تجارت کا سامان خرید لیتا۔ دوسرے شہر میں اسے فروخت کر کے نفع کماتا اور وہاں سے پھر اور سامان خرید لیتا۔ اس طرح تین ماہ کے بعد وہ خوب دولت کما کر اپنے وطن واپس پہنچا اور اپنے والد عرفان بن طیس سے ملاقات کر کے ایک مکان کرایہ پر لیا اور مہروش کو معہ ساز و سامان اور کمائی ہوئی دولت کے باپ کے پاس چھوڑا اور خود سوداگر کے پاس چلا گیا اُسے اس کے سامان کا حساب دیا اور جو رقم کما کر لایا تھا وہ اُس کے حوالے کی۔

دوسرے دن عرفان بن طیس نے اس سوداگر کو کھانے پر مدعو کیا اور کہلوا بھیجا کہ اپنے ہمراہ آپ دس آدمی اور لیتے آئیں چونکہ تنہا تشریف لانا مناسب نہیں۔

دوسرے دن سوداگر نو دوستوں اور نعمان کو ساتھ لے کر عرفان بن طیس کے ہاں پہنچا تو اس نے ان سب کی خاطر تواضع کی۔ انواع و اقسام کے کھانے کھلائے پھر کہنے لگا: "میں نے گردش ایام کے ہاتھوں تنگ آ کر اپنے اکلوتے بیٹے کو دس اشرفیوں کے عوض آپ کے پاس رہن رکھا تھا اب میری حالت سنبھل گئی ہے لہٰذا آپ کی دس اشرفیاں پیش کر رہا ہوں اب آپ میرا بیٹا مجھے واپس کر دیں۔"

یہ بات سنتے ہی سوداگر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ بولا: "مجھے نعمان سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ شاید کسی کو اپنی حقیقی اولاد سے بھی نہ ہو۔ نعمان نے بھی میری جو خدمت انجام دی ہے وہ بے مثل اور قابلِ قدر ہے لیکن وہ آپ کی اولاد ہے میں اُسے چھین نہیں سکتا آپ کو مبارک ہو۔ یہ دس اشرفیاں دے کر مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ ایسی ایسی لاکھوں اشرفیاں نعمان پر سے قربان ہیں"۔ عرفان بن طیس نے کہا: "آپ کا فرمانا درست ہے لیکن اشرفیاں لینے سے انکار نہ کیجئے یہ آپ کی امانت ہے" غرض سوداگر نے اشرفیاں اٹھا کر چند لمحے ہاتھ میں رکھیں پھر نعمان کو دیتے ہوئے بولا: "بیٹا! تم انہیں غریبوں میں تقسیم کر دینا"۔

سوداگر آنسو بہاتا چلا گیا اور نعمان اپنے باپ سے گلے مل کر اس کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک روز اس نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ میں اُن دس اشرفیوں کا راز نہیں سمجھ سکا تو اس نے سارا واقعہ بیان کیا۔ پھر بولا: "میرے مال میں جو آگ لگی تھی وہ یقیناً غریب بوڑھے کے دل کو ٹھیس پہنچانے کی سزا ملی تھی مصیبتوں میں گرفتار ہونے کے بعد میں ہمیشہ غریبوں کی مدد کی اور آئندہ کے لئے توبہ کی۔ تم بھی ہمیشہ احتیاط رکھنا اور ہرگز کسی کا دل نہ دکھانا"۔

سوداگر نے اٹھ کر مجھے گلے سے لگا لیا اور کہنے لگا: "خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تم نے کمال کر دیا میرے تینوں سوالوں کے صحیح جواب دیئے ہیں پھر اس نے شرط کے مطابق میری شادی اپنی بیٹی سے کر دی۔ لیکن اس شرط کیساتھ کہ میں اسی کے ہاں زندگی بسر کروں گا تین چار ماہ کے بعد مجھے اپنے عزیز و اقربا کی یاد نے بے چین کیا تو میں اپنی بیوی کو ساتھ لے کر ملک سیستان کی سرحد سے نکل آیا۔ ایک جگہ سستانے کیلئے بیٹھے ہی تھے کہ گرد و غبار کا طوفان آیا اور میں گھوڑوں کی تلاش میں نکل گیا ادھر طوفان زور پکڑتا گیا۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ بہت دیر کے بعد طوفان تھما تو کوشش کے باوجود مجھے میری بیوی خورشید رُو نہ مل سکی۔ میں واپس سیستان جا نہیں سکتا تھا چونکہ میں نے اپنے خسر سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان ہی کے ساتھ زندگی بسر کروں گا اور ان کی بیٹی کو لے کر اپنے وطن نہیں جاؤں گا لیکن میں نے وعدہ خلافی کی تھی اس لئے رو پیٹ کر یہاں

اپنے وطن میں آ گیا۔ افسوس! میں نے زندگی کا ایک اچھا ساتھی کھو دیا۔"

زین الجہاں بولا: "آپ کی داستان سُن تو لی ہے لیکن سخت افسوس ہے کہ آپ نے وفا نہیں کیا۔ وہ غریب عورت ذات تنہا کہاں جاتی، اُسے جہاں آپ چھوڑ کر گھوڑوں کی تلاش میں گئے تھے وہ اسی جگہ بیٹھی آپ کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ مگر آپ واپس اُس جگہ نہیں گئے"۔

بادشاہ نے کہا۔ ممکن ہے میں بھٹک گیا ہوں لیکن میں نے جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔"

زین الجہاں بولا: یہ بھی غلط ہے۔ بندہ نواز! دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اگر آپ کے دل میں محبت اور کشش ہوتی تو آپ اس کے پاس پہنچ ہی جاتے"۔

بادشاہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولا" زین الجہاں: زخموں پر نمک پاشی نہ کرو۔ میں اس کی جُدائی کا غم زیادہ عرصہ برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے کئی بار تخت و تاج کو لات مار کر جنگل لینانے کا ارادہ کیا لیکن امرائے سلطنت کے مجبور کرنے پر رُک رُک گیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے مجبور کر ہی دو گے کہ میں شہر چھوڑ کر چلا جاؤں"۔

زین الجہاں نے کہا "حضور! میں نے جنگل میں ایک جوگن کو دیکھا تھا جو پتھروں سے سر ٹکراتی جگہ جگہ کی مٹی سونگھتی اور بادِ نسیم کے جھونکوں سے پوچھتی پھر رہی تھی کہ خدارا! یہ تو بتاؤ کہ جانِ جہاں کو بھی کہیں دیکھا ہے۔ مجھے اُس کے حال پر بیحد ترس آیا لیکن میں یہ سوچ کر یہ کوئی دیوانی ہے وہاں سے چلا آیا"۔

بادشاہ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ زین الجہاں بولا: "آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟" وہ کہنے لگا: "تم سچ کہتے ہو وہ دیوانی یا جوگن نہیں ہے وہ میری خورشید رو ہے وہ ضرور ہوا کے جھونکوں سے میرا پتہ دریافت کرتی ہے۔ آج دوپہر سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ مجھ سے بہت قریب ہے۔ تم یقین کرو ہوا کے جھونکے اُسکی بُو اپنے ساتھ لا رہے ہیں میں اِسی وقت اُس کی تلاش میں جاؤں گا"۔

خورشید رو جو مردانہ لباس میں سر جُھکائے سامنے بیٹھی تھی اب برداشت نہ کر سکی اور دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپا کر رونے لگی۔ اس کی سسکیوں کی آواز سُن کر جانِ جہاں بے چین ہو گیا اور کہنے لگا: "تمہارے ساتھی کو کیا ہوا۔ یہ کیوں رونے لگا"۔

زین الجہاں ہنستے ہوئے بولا: "دیوانہ پن ہے اور کچھ بھی نہیں" جانِ جہاں نے کہا: "نہیں ایسا نہ کہو۔ ضرور کوئی بات ہے"۔ زین نے جانِ جہاں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا" آپ ہی ذرا تسلی دیجئے" جانِ جہاں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر جیسے ہی چہرے

معنی: نمک پاشی = نمک چھڑکنا

سے ہٹائے اُسے خورشید رُو کا چہرہ نظر آیا۔ وہ بے اختیار ہو کر لپٹ گیا۔ اور اُسے فوراً ہی محل میں لے گیا۔ پھر واپس آ کر زین الجہاں کو گلے سے لگایا اور بولا: "تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ تم انسان نہیں فرشتہ ہو، مجھے تمہارے اس سلوک پر ہمیشہ فخر رہے گا" اور اس نے زین کو زبردستی مہمان ٹھہرا لیا ؛

زین الجہاں نے چوتھے دن جان جہاں سے کہا: "اب آپ مجھے اجازت دیجئے چونکہ میرا شہر جنوں جانا بہت ضروری ہے"۔ جان جہاں بولا: "اتنی جلدی اور یہ اضطرابی سے

جانے کا ذکر تو نے کیا آج ہم نشین! ؛ اک تیر میرے سینہ پہ مارا کہ ہائے ہائے

حضرت! آمدن بارادت، رفتن بہ اجازت۔ یعنی آنا اپنے ہاتھ اور جانا پرائے ہاتھ۔

زین الجہاں نے کہا: "میرے دل پر کیا گذر رہی ہے اور میں کس طرح ایک ایک لمحہ بسر کر رہا ہوں یہ آپ نہیں سمجھتے" پھر اُس نے نور قمر سے ملاقات اور اسے حاصل کرنے کی شرط کے بارے میں سب کچھ بتایا جسے سُن کر جانِ جہاں بولا: "دوست! محبوب کی جُدائی میں دل پر کیا گذرتی ہے اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہے۔ لہٰذا اب میں تمہیں یہاں مزید رکھنے پر ہرگز مجبور نہ کروں گا۔ لیکن ایک بات ہے کہ میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا" میں بھی ہمراہ چلوں گا۔

زین نے کہا: "نہیں، میری خاطر آپ خود کو مصیبت میں نہ ڈالئے۔ میں تنہا جاؤں گا" وہ کہنے لگا: "ہرگز نہیں! تم میرے محسن ہو، میں تمہارے احسان کو مرتے دم تک فراموش نہیں کر سکتا اور سب کچھ جانتے ہوئے تمہیں کسی آزمائش میں تنہا نہیں پڑنے دوں گا"

زین الجہاں نے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانا۔ آخر وہ اُسے ہمراہ لے جانے پر راضی ہو گیا اور دونوں روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ ....

مینا بولی: "طوطے! تم چُپ کیوں ہو گئے۔ کہو نا کہ پھر کیا ہوا؟"

طوطا کہنے لگا: "بی مینا! سلطان عالم پناہ کے آرام کا وقت ہو گیا ہے۔ اب زین الجہاں کے سفر کا حال کل سُن لینا۔" شاہ افروز بخت نے کہا: "جی تو چاہتا ہے کہ سونے سے پہلے سفر کا حال بھی سُن لیا جائے لیکن مٹھو میاں ٹھیک کہتے ہیں کہ اب سب کے آرام کا وقت ہو چکا ہے۔"

مینا بولی: "میرا تو خیال تھا کہ طوطے میاں کورے ہیں مگر انہوں نے تو غضب کا قصہ چھیڑا ہے میری تو نیند بھی اُڑ گئی ہے۔" طوطا کہنے لگا: "ابھی سُننا تو سہی۔ نیند اُڑی ہے بھوک پیاس بھی اُڑ جائے گی اور پھر ایک دن وہ آئے گا کہ تم بھی اُڑتی نظر آؤ گی ؛

تیسری شب

تیسری شب طوطے نے کہنا شروع کیا:——
سفر کی تیاری میں جب کافی رات گذر گئی اور دونوں تھک کر چور ہو گئے تو جانِ جہاں نے کہا، "دوست! اب آرام کرنا ضروری ہے ورنہ صبح سویرے اُٹھنا ممکن نہ ہوگا۔"

زین الجہاں بولا، "میں بھی بہت تھک گیا ہوں اب آرام کرنا ہی بہتر ہے۔" اُسی وقت خورشید رُو بھی کمرے میں آ گئی اور اُس کے پیچھے پیچھے ایک خادمہ مرغ کی گرم گرم یخنی لئے حاضر ہوئی۔ زین بولا: "یخنی کی کیا ضرورت تھی؟" وہ کہنے لگی: "یہ آپ کی کھوئی ہوئی طاقت کو واپس لے آئے گی۔"

زین الجہاں، جانِ جہاں اور خورشید رُو تینوں بیٹھ کر یخنی پینے لگے۔ چند لمحے کمرے میں خاموشی رہی پھر خورشید رُو نے اس مہرِ سکوت کو توڑا، "آپ اگر شہرِ جنوں کا سفر نہ کریں تو بہتر ہے۔"

جانِ جہاں بولا، "انہیں کون سمجھائے میں ایک مرتبہ شکار پر گیا تھا کہ بھولے سے اُس راہ پر جا نکلا جو شہرِ جنوں کو جا رہی تھی۔ بس کیا بیان کروں، زندگی ہی تھی جو واپس پہنچ گیا۔ جب اُس راہ کی مصیبتیں یاد آتی ہیں تو رُواں رُواں کانپ اُٹھتا ہے اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ شہرِ جنوں میں داخل ہو کر تو نجانے کیا حال ہوتا ہوگا۔" خورشید کہنے لگی، "آپ نے تو کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔" وہ بولا، "اتنی مہلت ہی کہاں نصیب ہوئی۔ خیر۔ اِس وقت بیان کر دیتا ہوں۔"

زین نے کہا، "بہت خوب! گویا آپ اس شہر کی راہ سے واقف ہیں۔"

جانِ جہاں بولا، "سنیئے، ایک روز میں شکار کھیلتا ہوا ایک سُنسان ویران اور ہیبت ناک علاقہ میں پہنچ گیا۔ یہاں ہر جانب ہُو کا عالم تھا، کہیں درخت نظر آتے نہ کہیں جھاڑیاں۔ البتہ دور ایک عالیشان محل دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ اس ویرانی میں کس شخص نے یہ محل بنوایا ہے اور وہ اِس علاقہ میں کس طرح زندگی کی دلچسپیاں اور رنگینیاں حاصل کرتا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ چل کر دیکھنا تو چاہیئے کہ یہ محل آباد بھی ہے یا نہیں۔ یہ سوچ کر میں گھوڑے کو دوڑا اُس کے صدر دروازے پر جا پہنچ گیا۔ وہاں کوئی دربان یا پہریدار نہیں تھا البتہ ایک کونے میں ہڈیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا اس لئے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ اندر جانے کے لئے کوئی اور راستہ بھی ہے یا نہیں تو اوپر سیڑھی کا ایک دروازہ نظر آیا۔ یہ بہت پتلا تھا اور اس میں سے صرف ایک ہی آدمی گذر سکتا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اس تک پہنچا اور اندر داخل ہوا۔ ابھی میں نے پہلی سیڑھی پر ہی پر قدم رکھا تھا کہ دفعتہً زینہ کا تختہ اٹھا اور ایک تیر میرے قریب سے گذر گیا

یہ تیر ایک محراب میں لگا، میں نے اس کی جانب دیکھا تو محراب پر یہ عبارت لکھی نظر آئی:۔

"اے نادان! تو بلا اجازت یہاں کیوں آیا ہے۔ اگر سلامتی چاہتا ہے تو فوراً واپس چلا جا۔ لیکن تو کیوں جائے گا۔ تو تو اپنی جان سے عاری ہے۔ اچھا! اوپر جا۔ مگر دیکھ! وہاں ایک حسین پری بے خبر سو رہی ہے اور اس کے چہرے پر دوپٹہ کا آنچل پڑا ہے۔ اُسے ہرگز نہ ہٹانا۔ بلکہ ہاتھ بھی نہ لگانا۔ بس دیکھ کر واپس آجانا ورنہ تیری ہڈیاں بھی اسی ڈھیر میں شامل ہوں گی جسے تو دیکھ آیا ہے۔"

اس عبارت کو پڑھ کر مجھے اشتیاق ہوا کہ اس پری کو ہر قیمت پر دیکھنا چاہیئے اور میں آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔ اوپر پہنچتے ہی طرح طرح کی خوشبوؤں سے دماغ معطر ہو گیا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا قدم اٹھا رہا تھا۔ ہوا کے لطیف جھونکے تھے خوشبو کی لپٹیں تھیں لیکن کوئی ذی حس نہ تھا۔ کہیں ایک ننھی چڑیا بھی نظر نہ آتی تھی۔ چلتے چلتے میں ایک بڑے دالان میں داخل ہوا۔ یہاں لوبان کی خوشبو پھیل رہی تھی لیکن لوبان جلنے سے جو دھواں پیدا ہوتا ہے وہ کہیں نہ تھا۔ دالان سے گذر کر ایک بڑے کمرے میں قدم رکھا تو وہ پری ایک شاندار مسہری پر نرم و گداز اور بیش قیمت بستر میں لیٹی نظر آئی۔ دوپٹہ کا آنچل اس کے چہرے پر پڑا تھا اور حسن اُس میں

سے جھانک رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اُس کا چہرہ دیکھنے کے لئے آنچل ہٹا دیا۔ اسی لمحہ تیز ہوا چلی اور میرا سر چکرا گیا۔ چند لمحوں کے بعد ہوش آیا تو دیکھا کہ میرے چاروں طرف وحشتناک جنگل ہے اب نہ وہ خوشبو ہے نہ کمرہ اور نہ وہ حُسن و جمال کا پیکر ہے

یہ نہ جانے کیسی ہوا چلی کہ بساطِ عیش اُلٹ گئی
نہ وہ بام و در کی ہیں رونقیں نہ وہ رنگ و رامش دلبری

میں اس جنگل میں پھرتا رہا۔ تین دن گذر گئے۔ اس عرصہ میں کوئی پرند چرند جن و بشر نظر نہیں آیا وہاں درخت اور پودے بیشمار تھے لیکن پھل یا میوے کا نام و نشان نہ تھا۔ میں بھوکا پیاسا رہا اور چوتھے دن بدن میں طاقت ہی نہ رہی۔ مجبور ہو کر ایک درخت کے نیچے گر پڑا۔ خدا کی قدرت کہ ایک بزرگ کا اس جانب سے گذر ہوا اور مجھے دیکھ کر بولے "تو کون ہے؟"

میں نجانے کس خیال میں تھا کہہ بیٹھا کہ

ہم عشق کی وادی کے ہیں سیاح ازل سے ÷ تنہا کبھی پھرتے ہیں کبھی موت کے ہمراہ

بزرگ نے مُسکراتے ہوئے کہا "نادان! تیرے سر میں شہر جنون کی سیاحی کا سودا معلوم ہوتا ہے لیکن ابھی سے تیرے چہرے پر مُردنی چھاگئی ہے حلق خشک ہو چکا ہے اور آنکھوں کی چمک مدھم پڑ رہی ہے" پھر انہوں نے بیٹھ کر مشکیزے میں سے تھوڑا سا پانی دیا اور کھانے کے لئے ایک روٹی اور دو کباب۔ میرا بھوک پیاس سے بُرا حال تھا۔ فوراً ہی کھانے لگا۔ پیٹ کی آگ بُجھتے ہی کچھ ہوش آیا اور میں اس قابل ہوا کہ انہیں آپ بیتی سُنانے بیٹھ گیا÷

بزرگ نے سارا حال سننے کے بعد کہا "یہاں یہ درخت، پودے اور تمام دوسری چیزیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے صرف جادو کا اثر ہے۔ وہ پری، اسکا کمرہ اور سب کچھ جادو تھا۔ اس مقام سے آگے اور بھی کئی مکان ہیں۔ ان میں بھی ایک سے ایک عجیب چیز موجود ہے ان مکانوں کے بعد ایک شہر ہے جو دُور دُور جنوں آباد کے نام سے مشہور ہے وہاں جادوگروں کی قیام گاہیں اور دیو پریزادوں اور جنات کے ٹھکانے ہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے امکانات قطعی نہیں ہیں چونکہ راہ میں جو مکان بنائے گئے ہیں ان کا مقصد ہی یہ ہے کہ جنوں آباد کا رُخ کرنے والا ان مکانوں سے گذرتے گذرتے ہی راہی مُلک عدم ہو جائے۔ لہٰذا میری نصیحت ہے کہ واپس چلا جا۔

میں نے عرض کی "اے بزرگوار! خدا کے لئے مجھے راستہ دکھا دیجئے تاکہ میں ہر عذاب سے نجات حاصل کر سکوں" بزرگ نے جواب دیا "دائیں راستے پر چلے جاؤ۔ راہ میں کسی جگہ نہ ٹھہرنا، نہ ٹھہرنا اور

نہ کسی آواز پر توجہ دینا۔ اور یہ دُعا پڑھتے رہنا۔ "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ"

بزرگ نے ابھی دعائیہ کلمات کو دو چار بار دُہرایا ہی تھا کہ بزرگ غائب ہو گئے۔ میں فوراً ہی سجدہ میں گر پڑا اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ یا معبودِ حقیقی! تو نے ایک فرشتہ کو میری حفاظت اور رہنمائی کے لئے بھیج کر میرے حال پر بڑا کرم کیا۔ واقعی تو رحیم و غفور ہے۔

میں اُسی وقت دائیں راستے پر روانہ ہو گیا۔ میری زبان پر دعائیہ کلمات تھے اور میں سیدھا چلا آرہا تھا۔ ایک مقام پر مجھے آواز سنائی دی "اے نوجوان! میں کب سے تیری راہ دیکھ رہی ہوں مگر تو مجھے چھوڑ کر جا رہا ہے" لیکن میں نے توجہ نہ دی۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے شیر دھاڑتا ہو میری جانب آرہا ہے۔ اُس کے بعد ایسا شور و غل سنائی دیا جیسے بیسیوں آدمی حملہ کرنے آرہے ہیں مگر میں دعا پڑھتا قدم اُٹھاتا رہا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں گھوڑا چر رہا تھا۔"

شہزادہ زین الجہاں بولا: "یوں کہئے کہ بزرگ نے جو دعائیہ کلمہ آپ کو بتایا اُسکی برکت سے واپسی پر کسی کا سحر آپ پر نہ چل سکا۔ اب مجھے یقین ہے کہ میں تنہا شہر جنوں آباد تک پہنچ جاؤنگا"

جانِ جہاں نے کہا: "جو واقعہ میں نے بیان کیا اُس سے تم پر کوئی اثر نہیں ہوا دوستا! اپنی قابلِ رشک جوانی کو طلسمات سے مقابلہ کرنے میں ضائع نہ کرو۔"

زین الجہاں نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا: "آپ نہیں سمجھتے حضور! بالکل

جن کے دل پر بیت رہی ہے اُنکے دل کی بات نہ پوچھ
کون کسی کے درد کو سمجھے سب کہنے کی باتیں ہیں

خورشید رُو بولی: "آپ سچ کہتے ہیں اگر آپ کے دل میں نورِ قمر کو حاصل کرنے کا جذبہ نہ ہوتا اور آپ کو اُس کی دُوری کا احساس نہ ہوتا تو آپ ہرگز میری مدد نہ کرتے۔ آپ کو ضرور جانا چاہیئے ان کے پیشِ نظر تو صرف وہ پری تھی جو چہرے پر دوپٹہ کا آنچل ڈالے سو رہی تھی اس لئے گھبرا کر واپس چلے آئے مگر آپ تو خنجرِ طلسم شکن حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

زین الجہاں بولا: "میرا تو عقیدہ ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے وہ اس سے پہلے ہرگز نہیں آتی لہٰذا موت سے ڈرنا ہمت والوں کا کام نہیں۔ ایک مرتبہ میرے ایک کرم فرما بزرگ نے مجھے ایک منظوم نصیحت نامہ عطا فرمایا تھا اُسے پڑھ کر تو مجھے ایک نیا ولولہ اور نئی قوت حاصل ہو گئی" پھر اس نے نصیحت نامہ جیب سے نکال کر جانِ جہاں کو دیا۔

معنی: سحر رشی۔

نصیحت نامہ

اے دلِ غم جہاں میں تو کس لیے پھنسا ہے ۔ گر فکر عاقبت کا جو چاہے کچھ بھلا ہے
دیرِ فنا میں دائم ہرگز نہ کوئی رہا ہے ۔ ہر جو زمیں پہ آیا، آخر کو وہ فنا ہے
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

مت کر خیال اپنا کچھ مال و زر کے اوپر ۔ صابر اگرچہ ہو تو ہے سنگ و زر برابر
کر شکر اُس خدا کا تجھ کو یہی ہے بہتر ۔ سب کچھ پڑا رہے گا اک لحظہ پل کے اندر
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

ہیں اِس جہاں میں جو یہ شاہانِ بخت یاور ۔ رکھتے ہیں جاہ و حشمت اور مال فوج و لشکر
دیکھو تو قبر میں ہیں شاہ و گدا برابر ۔ دارا کدھر سدھارا ہے اور کس طرف سکندر
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

جس خوابِ غافلی میں اے دل تو سو رہا ہے ۔ اصلی تو گھر کا تجھ کو کچھ ڈر نہ ہو رہا ہے
حرص و ہوس میں اپنی کیوں عمر کھو رہا ہے ۔ ہر ایک یہاں زندگی سے ہاتھ دھو رہا ہے
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

کیا چین اور خوشی سے کرتا ہے نوش بادہ ۔ بھولے گا سب یہ جس دم آئے اجل کا پیادہ
لیکن ہر ایک شے کا باندھا ہوا ہے وعدہ ۔ قسمت میں جو ہے لکھا کم ہو نہ کچھ زیادہ
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

پیک اجل کا جس دم لینے تیرے کو آوے ۔ سنگ اور سنگاتی اس دم کوئی نہ ساتھ جاوے
مادر پدر برادر کتنا ہی غل مچاوے ۔ بجز نام یادِ رب کے کوئی نہ کام آوے
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

گر بیکسوں پہ اس جا جو تو ستم کرے گا ۔ خوفِ خدا سے ہرگز کچھ تو نہیں ڈرے گا
آخر کو یاد رکھ تو اک روز تو مرے گا ۔ پھر یار عاقبت میں اپنا کیا بھرے گا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

کر ترک تو محبتِ دُنیا۔ یہ بے وفا ہے ۔ ہرگز ملا کسی کو اس سے نہیں بھلا ہے
کر فکر کچھ وہاں کا جو عالمِ بقا ہے ۔ اب کوچ کا نقارہ ہر دم یہ بج رہا ہے
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

لازم ہے دور کرنا دنیا کا غم گھیرا
اب دیکھو غور کر کے اس جا ہے کون تیرا
طائر کے طور پر ہم کرتے ہیں یاں بسیرا
کر نام یاد رب کا کیا شام اور سویرا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

مت کر غرور گر ہے تجھ پاس مال دنیا
ہرگز نہیں کرے گی تجھ کو نہال دنیا
معلوم ہے سبھی کو ہے جائے زوال دنیا
ہے لحظہ اور پل کا یہ خواب و خیال دنیا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

دنیا میں آن کر کے شاہ و گدا کھاتا
جاہ و عمارت اپنے مقدور بھر بناتا
یہ پانچ دن کی نوبت ہر ایک ہے بجاتا
دیکھا نہیں نے کسی کو لے کر قبر میں جاتا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

شداد نے بہت سا اپنے تئیں بچایا
پیک اجل نے آکر لحظہ میں اس کو کھایا
دوزخ بہشت کر دوں شمس و قمر بنایا
یا دیکھیے کہ ہرگز وہ دیکھنے نہ پایا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

خواہش میں زندگی کے کتنا پھرا سکندر
کس کس جگہ سے ڈھونڈا آب حیات اوپر
قسمت سے مل گیا پھر اس کو خضر سا رہبر
قطرہ نہ ایک پیا اس کو ہوا میسر
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

دنیا کی نعمتوں کو کرتے ہو پیار گیا
دولت جوڑ کرکے مت نام بھول ایسا
راہ خدا میں دے دو کوڑی نہ جوڑ پیسا
جیسا کہ کر گیا ہے قارون ایسا تیسا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

حق نے جہاں میں دیکھو کیا کھیل ہے بنایا
حضرت خلیل کو بھی پھر آگ سے بچایا
موسیٰ کو کوہ طور پر بھی جلوہ ہے اک دکھایا
فرعون خلد راہ کو دریا میں ہے ڈبایا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

کفار ساتھ میں لے کعبہ پر چڑھ کے آیا
ابابیل طائروں نے حکم خدا جو پایا
اور توڑنے کو ہاتھی وہ سینکڑوں ہی لایا
ریزوں سے سنگ کی ہے مٹی میں سب ملایا
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

نصیحت نامہ حضرت شیخ قلندر صاحب مرحوم و مغفور متخلص بہ "مجرم" کے زور قلم کا نتیجہ ہے :-

جو جو تماشے اُس نے ہیں کیا کیوں بنائے | پھر ادنیٰ ایک اعلیٰ پیدا کیے مٹائے
آ کر کے اس جہاں میں شاہ گدا کہلائے | نام و نشان اُن کے ڈھونڈھے بھی تو نہ پائے
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

جب تک زندگی کا وعدہ نہ تیرا آوے | کاٹے نہ سانپ تجھ کو ہرگز نہ شیر کھائے
دارُوئے نوش وقتِ نزع کوئی اگر کھلائے | اے یار حق میں تیرے جو زہر ہو وہ جائے
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

ہے غرق گر ہوا تو بحرِ عماں میں قُلزُم | رکھ نام یاد رب کا ہر دم زبان یہ مُحرم
ثانی نہیں ہے تیرا کوئی جہاں میں مُحرم | وہ پاک کبریا ہے بخشندگانِ مجرم
ہرگز نہیں مٹے گا قسمت میں جو لکھا ہے

جانِ جہاں اس نصیحت نامہ کو پڑھ کر آبدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ واقعی موت سے ڈرنا جوانمردوں کا کام نہیں ہے۔ دوست! میری طرف سے اجازت ہے تم شہر جنوں آباد جا سکتے ہو، میں تمہارے حق میں سلامتی و کامیابی کی دُعا کرتا رہوں گا۔"

شہزادہ زین الجہاں رخصت ہو کر اس کٹھن[1] سفر پہ روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ بھی اسی محل کے دروازے پر جا پہنچا جہاں ہڈیوں کا انبار لگا تھا مگر اُس نے پروانہ کی اور اوپر چلا گیا جب اس کمرے میں داخل ہوا جس میں پری چہرے پر آنچل ڈالے بے خبر سو رہی تھی تو اس نے پری کا چہرہ دیکھنے کی بجائے خدا کے حضور میں دعا مانگی: "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا" پھر اُس نے دُعا مانگی: "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ"

دُعا کا مانگنا تھا کہ سارے طلسم غائب ہو گئے اور اُسے چاروں طرف ویران میدان نظر آیا۔ وہ اُس وقت سجدہ میں گر پڑا۔ پھر آگے روانہ ہوا۔ دوسرے طلسمات میں داخل ہوتے ہی اُس نے ایک ایسا دریا دیکھا جس میں دو رنگ کا پانی بہہ رہا تھا زرد اور سُرخ پانی دیکھنے میں بہت اچھا معلوم دے رہا تھا۔ اُس نے جھک کر زرد پانی میں ہاتھ ڈالا، اُسی وقت پانی کا رنگ زردی سے اپنے اصلی رنگ میں آنا شروع ہوا اور زرد رنگ کا ایک بھیم شحیم ڈراؤنی صورت والا دیو نمودار ہو گیا۔ زین الجہاں پہلے تو بھاگا پھر ایک درخت کی آڑ لے کر جیب سے وہ انگوٹھی نکالی جو نور قمر کے پرنے "قہر آلود دیو" کی آمد کے وقت اُسے دی تھی اس نے فوراً انگوٹھی اپنی انگلی میں ڈال لی، اب دیو اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا وہ طلسمات میں چاروں طرف دوڑنے

[1] دشوار۔ سخت۔

اور بھاگنے لگا مگر زین الجہاں اُسے نظر نہ آیا۔ اِدھر زین نے سرخ پانی میں جیسے ہی ہاتھ ڈالا پانی جوش کھانے لگا پھر آگ کے شعلے پانی کے فوارے کی طرح اوپر اُٹھنے اور دریا کے کنارے پر گرنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر زین نے دُعائیہ کلمات پڑھنے شروع کر دیے۔ اُنکی برکت سے وہ خود تو محفوظ رہا لیکن درخت گھاس اور پودے نذرِ آتش ہو گئے۔

زین الجہاں اس دریا سے ہٹ کر آگے چلا تو ایک طرف سے سسکیوں کی آواز سُنائی دی اس آواز کو سنتے ہی اس نے انگوٹھی انگلی سے اُتار کر جیب میں رکھ لی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک پری پریشان حال روتی چلی آرہی ہے۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھہر گیا۔

پری کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور سانس پھول رہی تھی وہ قریب آتے ہی اُسکے قدموں میں گر پڑی۔ زین نے اُسے اُٹھاتے ہوئے کہا "کیوں مجھ غریب کو گنہگار کر رہی ہو۔ رونے کا سبب بیان کرو۔" وہ ایک لمحہ کے لئے دل میں کہنے لگی کہ یہ نوجوان میرا حال سُن کر کہیں میری مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھا بیٹھے اور مجھے پچھتانا پڑ جائے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ نہیں یہ آدم زاد ہے اشرف المخلوقات ہے یہ ایسا نہیں کرے گا۔

زین بولا: "کیا سوچ رہی ہو؟" وہ کہنے لگی: "کیا عرض کروں۔ بڑی مشکل میں ہوں۔ آج سے کچھ ماہ قبل میں گھومنے سے جنوں آباد کے نزدیک سیر کی غرض سے اُتر گئی۔ مجھے علم نہ تھا کہ وہاں دیو دُل کا مسکن ہے۔ میں بے فکری سے چہل قدمی کر رہی تھی کہ ایک قوی ہیکل دیو نے آکر مجھے دبوچ لیا اور اُٹھا کر اپنے مکان میں لے گیا۔ میں نے اُسکی منت سماجت کی، ہاتھ جوڑے، پاؤں پکڑے، روتی رہی فریاد کرتی رہی لیکن وہ ظالم تھا کہ ذرا نہ پسیجا اور مجھے اپنی ہوس کا شکار بنانے کے لئے تیار ہو گیا، خدا کی قدرت کہ اُسی وقت ایک اور دیو آگیا اُسے دیکھ کر اس نے مجھ سے کہا، اگر تُونے اس دیو کے سامنے ایک بات بھی منہ سے نکالی تو تجھے زندہ نہیں چھوڑونگا اور اگر تُونے میری عزت رکھ لی تو میں چھ مہینے تک تجھ سے کچھ نہ کہوں گا۔ غرض میں خاموش رہی اور وہ دیو تھوڑی دیر باتیں کر کے چلا گیا۔ میں پھر کانپنے لگی اور دل میں کہنے لگی کہ اگرچہ اس کمبخت نے وعدہ تو کیا ہے مگر پھر کہیں نیت خراب نہ کر بیٹھے لیکن ایسا نہیں ہوا اور وہ مجھے پکڑ کر یہاں طلسمات میں چھوڑ گیا اور کہہ گیا کہ اب میں چھ ماہ کے بعد آؤں گا اس عرصہ میں تو خوب غور کر لے یا تو مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لے ورنہ مجھے اختیار ہو گا جو چاہے سلوک کروں اور جب تک میری خوشی ہو تجھے اپنے قبضہ میں رکھوں۔" وہ چلا گیا اور میں یہاں اس اُمید میں دن گذارتی رہی کہ کوئی ایسا شخص

آجائے جو مجھے اس قید سے رہا کرا دے لیکن کوئی نہیں آیا۔ آج چھ ماہ کی مدت ختم ہو گئی ہے اور وہ سنگدل بدکردار آنے والا ہے۔ میں نے جو آپ کو دیکھا تو مدد کے لئے دوڑتی چلی آئی۔ اب آپ مجھے اس ظالم کے پنجہ سے بچائیے۔" زین بولا "خدا رحم کرے۔ مگر تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ میں ایک قوی ہیکل دیو کا مقابلہ کر سکوں گا" وہ کہنے لگی "اس طلسمات میں پہنچنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں ہے جو آتا ہے وہ پہلے ہی طلسمات میں مر جاتا ہے یہاں تک بہادر۔ دلیر اور جری آدمی ہی پہنچ سکتا ہے پھر میں کیوں نہ کہوں کہ آپ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

زین الجہاں ابھی جواب دینے بھی نہ پایا تھا کہ وہ دیو آ پہنچا۔ اس نے جیسے ہی زمین پر پاؤں رکھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہے۔ اس نے قریب آتے ہی پری کی کلائی پکڑ لی اور کہنے لگا: "کیا فیصلہ کیا تو نے؟" شہزادہ زین الجہاں نے چلاتے ہوئے کہا "بدکردار، بیہودہ۔ چھوڑ دے اس کی کلائی۔" دیو اس کی کلائی چھوڑ کر زین کے پاس آیا اور اس کے گال پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ وہ چکر کھا کر زمین پر گر پڑا مگر اس نے حوصلہ نہ ہارا اور فوراً ہی دعائیہ کلمہ پڑھنے لگا۔ اسکے اثر سے دیو سو گز دور چلا گیا۔ اب تو وہ گھبرایا کہ یہ آدمی ہے یا کوئی آفت ہے اور وہ اڑ کر اپنے دربار میں پہنچا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی ایک ہلچل پیدا ہو گئی چونکہ وہ بے حد مغرور دیو تھا اور کبھی سالار وہاں نہیں جاتا تھا۔ سردار بھی اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور کہنے لگا: "شعلہ زن دیو! آج چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟" وہ بولا "سردار! آج دوسرے طلسمات میں ایک آدم زاد دیکھا ہے اگرچہ وہ ہمارے منہ کا ایک حقیر لقمہ ہے لیکن اس کے پاس کچھ ایسا طلسم ہے کہ اس کے زور سے اس نے مجھے سو گز کے فاصلہ پر پھینک دیا۔" سردار بولا: "اگر تم جیسے طاقتور دیو کی اس نے یہ درگت بنائی ہے تو پھر محل جادو دیو ہی اسے قابو میں کر سکتا ہے۔" پھر اس نے محل جادو کو طلب کر کے حکم دیا: "جاؤ اور دوسرے طلسمات سے آدم زاد اور پری کو گرفتار کر کے لے آؤ۔" اس نے سردار کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور فوراً ہی پرواز کر گیا۔ اسے آتا دیکھ کر زین الجہاں نے انگلی میں انگوٹھی پہن لی تاکہ وہ دیکھ نہ سکے کہ آنے والا دیو پری کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ محل جادو دیو نے جیسے ہی زمین پر پاؤں رکھے پری نے خوف کھا کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ دیو نے نزدیک پہنچتے ہی اپنی گرجدار آواز میں پوچھا: "وہ آدم زاد کہاں ہے؟" پری نے جواب نہیں دیا لیکن زین الجہاں نے تلوار کا ایک وار اسکے چہرے پر کیا اور وہ لہولہان ہو کر تڑپ اٹھا اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وار کرنے والا نظر نہیں آیا۔ اسکی ناک اور گال پر گہرے زخم آئے تھے زین نے دوسرا وار بہت قریب سے اسکی گردن پر کیا اور وہ اسی

معنی: ۱۔ بے چین ۲۔ عظیم ۳۔ بہادر ۴۔ گھبراہٹ۔

وقت جہنم میں داخل ہو گیا۔ زین الجہاں نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی اتار کر جیب میں رکھ لی۔

پری نے اس کے دونوں ہاتھ چوم لیے اور کہنے لگی: "آپ نے تو کمال کر دیا ورنہ آج میری خیر نہیں تھی۔" زین بولا: "یہ سب کچھ قدرت کی منشاء کے مطابق ہوا ہے ورنہ میں کیا اور میری حیثیت کیا۔ اب تم فکر نہ کرو اگر دشمن تمہیں نقصان پہنچانا بھی چاہے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ تم پر خدا کا فضل و کرم رہیگا۔ سارفیہ کا قصہ تو تم نے سنا ہی ہو گا وہ بہت سے گواہ ہونیکے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی صرف اسلئے کہ وہ سچی راہ چھوڑ کر مکر و فریب اور جھوٹ کی بندی ہو گئی تھی۔" پری نے کہا: "جی ہاں! مجھے علم ہے اور غریب ساجدہ پر اللہ نے کیسا کرم کیا تھا۔ سبحان اللہ۔"

شہزادہ زین الجہاں بولا: "مجھے اس طلسمات کی حد کا علم نہیں ہے اگر تمہیں معلوم ہے تو مجھے بتاؤ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" پری نے کہا: "یہاں سے تقریباً دس میل کا فاصلہ ہے لیکن آپ دو میل تک میرا ساتھ دے دیجئے اس کے بعد میں ہر خطرے سے آزاد ہو جاؤں گی۔"

مینا چلانے لگی: "بس بس۔ مٹھو میاں! پہنچا چکے پری کو۔ پہلے سارفیہ کا قصہ تو بیان کرو۔"

طوطا کہنے لگا: "سارفیہ کا قصہ سن کر کیا کرو گی۔ شہزادہ زین الجہاں کا حال سنو۔"

افروز بخت بولا: "نہیں! مٹھو میاں! مینا ٹھیک کہتی ہے ذرا ہم بھی تو سنیں کہ وہ کون تھی اور غریب ساجدہ کے ساتھ وہ کیا برتاؤ کرنا چاہتی تھی۔"

طوطے نے کہا: "سلطان عالم پناہ! حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عرض ہے کہ ایک شہر میں ساجدہ

نامی ایک غریب عورت رہتی تھی، شوہر کے انتقال کے بعد وہ بے حد پریشان رہنے لگی چونکہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اُس نے سوچا کہ میں امیروں کے گھر جا کر کام کاج کر کے کچھ پیسے کیوں نہ کما لایا کروں لیکن اس کیلئے ایک رکاوٹ تھی۔ اس کی گود میں ایک سال کا بچہ تھا۔ وہ اتنے چھوٹے سے بچہ کو گھر میں تنہا چھوڑ کر جا نہیں سکتی تھی اور اسے ساتھ لے جاتی تو وہاں کام کاج کرتی یا بچہ کی دیکھ بھال۔ ایک روز اس نے اپنی پڑوسن سارفیہ سے ان باتوں کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگی کہ بہن! خدا نے مجھے تو اولاد دی نہیں اور میں سارا دن اُداس رہتی ہوں۔ تم اپنے بچہ کو میرے پاس چھوڑ جایا کرو۔ میں اس سے اپنا دل بہلاتی رہا کرونگی۔ ساجدہ راضی ہو گئی۔ دوسرے دن سے وہ اپنے ننھے سے بچہ کو سارفیہ کے سپرد کر کے کام پر جانے لگی۔ دو سال کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ ایک رئیس آدمی نے اُسکا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور اب اُسے کسی کے ہاں ملازمت کرنے کی ضرورت نہ رہی، لہٰذا وہ خوشی خوشی سارفیہ کے گھر گئی اور کہنے لگی: "بہن! رئیس نے تو میرا وظیفہ مقرر کر دیا اب میں کل سے اپنا گھر چھوڑ کر کسی کے ہاں نہیں جاؤنگی" سارفیہ بولی: "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے خدا تمہیں مبارک کرے"۔ ساجدہ نے کہا: "اب میرا بیٹا ایک پل کیلئے بھی مجھ سے جُدا نہ ہوگا اور تمہیں بھی سارا سارا دن اُسکی دیکھ بھال نہیں کرنی پڑے گی"

سارفیہ کہنے لگی: "کیا مطلب؟ یہ تو میرا بیٹا ہے، میں تمہیں ہرگز نہیں دونگی"۔ ساجدہ بولی: "تمہارا بیٹا کہاں سے آیا؟" وہ تیوری پر بل لا کر بولی: "تجھے اس سے کیا مطلب کہ کہاں سے آیا۔ چل دفع ہو یہاں سے" غرض بات بڑھتی گئی اور جھگڑے کی صورت اختیار کر گئی۔ پاس پڑوس کی عورتیں بھی جمع ہو گئیں اور یہ جھگڑا قاضی کی عدالت میں پہنچ گیا۔ ساری عورتوں نے سارفیہ کے حق میں گواہی دی چونکہ وہ مکار عورت تھی اور اس نے مکر و فریب کی باتیں کر کے تمام عورتوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔

قاضی سخت پریشان ہوا کہ انصاف کس طرح کرنا چاہیئے۔ آخر اُس نے جلاّد کو طلب کیا اور اُسے حکم دیا کہ اس بچہ کو سامنے تخت پر لٹا کر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دو۔ ان میں سے ایک ٹکڑا سارفیہ کو اور دوسرا ساجدہ کو دے دو۔

سارفیہ تو جی میں خوش تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر بچہ مجھے نہیں ملتا تو اس چڑیل کو بھی نہیں ملنا چاہیئے۔ اچھا ہے کہ یہ اس طرح ختم ہوے گا۔

جلاّد نے بچہ کو جیسے ہی تخت پر لٹایا۔ ساجدہ دھاڑیں مار مار کر رونے اور چلاّنے لگی کہ خدارا بچہ کو قتل نہ کرو۔ یہ بچہ سارفیہ کو دے دو۔ میں اسے دیکھ کر ہی اپنی ماتما کو ٹھنڈا کرتی رہونگی۔ قاضی نے دیکھا کہ سارفیہ کے چہرے پر ذرہ برابر بھی اُداسی نہ تھی اور وہ خاموش کھڑی زیر لب

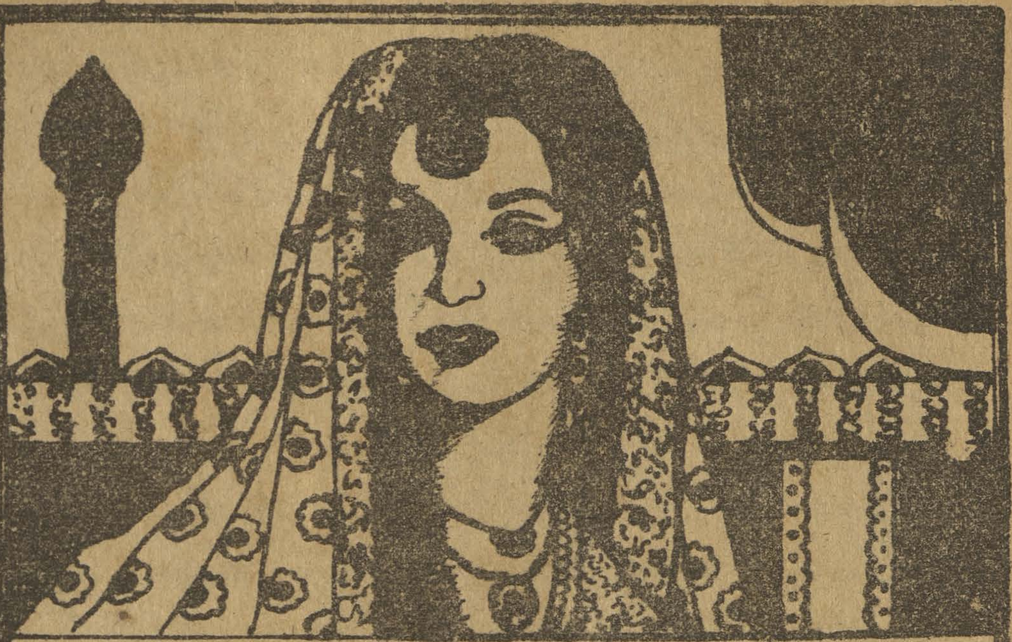

مسکرا رہی تھی۔ قاضی سمجھ گیا کہ یہ بچہ درحقیقت ساجدہ کا ہے سارفیہ کا نہیں لہٰذا اس نے فیصلہ دیا کہ سارفیہ اور اس کی ساتھی عورتوں نے غلط دعویٰ کیا تھا اس لئے سارفیہ کو ایک ماہ تک شاہی یتیم خانہ میں رہ کر بچوں کے کپڑے دھونے پڑیں گے اور گواہ عورتیں صبح شام جا کر روٹیاں پکایا کریں گی اور بچہ ساجدہ کا ہے اُس کے پاس رہے گا۔ ساجدہ تو بچہ کو کلیجے سے لگا کر اُس کا مُنہ چومتی ہنسی خوشی اپنے گھر واپس گئی، سارفیہ کو شاہی یتیم خانہ میں بھیج دیا گیا اور گواہ عورتیں آنسو بہاتی اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ انہوں نے عہد کیا کہ آئندہ کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیں گی۔ سارفیہ اپنے گھر سے دُور یتیم خانہ میں سینکڑوں کپڑے ہر روز دھوتی اور دل ہی دل میں افسوس کرتی کہ ہائے میری عقل پہ کیسا پردہ پڑ گیا تھا کہ میں نے شانتا کے ساتھ پیش آئے واقعہ سے بھی سبق نہیں لیا لیکن اب پچھتانے سے کیا حاصل تھا۔

سلطان عالم پناہ! اب شہزادہ زین الجہاں اور پری کے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ......"

مینا بات کاٹتے ہوئے بولی: "اے نادان! شانتا کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ تو بیان کر۔" طوطے نے کہا: "زین الجہاں کا قصہ سنو۔ شانتا کے بارے میں پھر سُننا!"

مینا شاہ افروز بخت سے مخاطب ہو کر بولی: "سلطان عالم پناہ! میاں مٹھو تو رٹا ہوا قصہ سُنا رہے ہیں۔ انہیں اور کچھ یاد نہیں۔ ان کی حالت بھی ازغاقی طوطے جیسی ہے کہ اس نے ایک ہی جملہ رٹ رکھا تھا۔ کوئی بات ہوتی وہ کہتا "دریں چہ شک"

شاہ افروز نے کہا: "ازغاقی طوطے کا قصہ کیا ہے ہم نے تو کبھی نہیں سُنا۔ مینا! ذرا بیان

نوکرو۔ مینا بولی، حضور! غور فرمایئے۔ ایک مرتبہ ایک اذغانی نے ایک طوطے کا بچہ خرید کر اس کی پرورش کی۔ جب وہ بچہ ہوشیار ہوا تو اس نے یہ جملہ پڑھایا "دریں چہ شک" ایک مہینہ میں بچہ یہ جملہ بولنے لگا اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ نہائت صاف آواز میں اس جملہ کو ادا کرنے لگا۔ اذغانی نے ایک روز ایک خوبصورت پنجرہ میں اسے بند کیا اور بازار میں فروخت کرنے کیلئے چلا گیا۔ ایک امیرزادے نے طوطے کو دیکھ کر اذغانی سے دریافت کیا، "اس کی قیمت کیا ہے؟"

اذغانی بولا، "قیمت کیا عرض کروں۔ یہ انمول طوطا ہے چونکہ فارسی بولنے میں ماہر ہے بہرحال آپ اس کی قیمت ایک ہزار دینار ادا کر دیجئے۔" امیرزادے نے کہا: "یہ قیمت تو بہت زیادہ ہے" اذغانی بولا: "اب قیمت کا فیصلہ طوطا ہی کر سکتا ہے۔" لہٰذا امیرزادے نے طوطے سے کہا، "طوطے میاں! تمہاری قیمت ایک ہزار دینار کیا مناسب ہے؟" اس نے جواب دیا، "دریں چہ شک"۔

امیرزادہ فارسی میں جواب پا کر بہت خوش ہوا اور ایک ہزار دینار کے عوض خرید کر خوشی خوشی گھر آیا اور سب کو بتایا کہ یہ طوطا فارسی میں گفتگو کرتا ہے۔ یہ بات سن کر اسکا باپ بولا، "میاں مٹھو! مزاج شما خوش است؟" اس نے جواب دیا، "دریں چہ شک"۔ امیر بھی خوشی سے پھولا نہ سمایا کہ یہ طوطا تو بہت اچھا ملا۔ اس نے بیوی کو بتایا کہ ہمارے صاحبزادے ایک طوطا خرید کر لائے ہیں جو فارسی میں گفتگو کرتا ہے۔ وہ بھی بہت خوش ہوئیں اور طوطے کے پاس جا کر اس سے بولیں، "مزاج شما خوش است" اس نے جواب دیا، "دریں چہ شک"۔ انہیں بھی بہت خوشی ہوئی اور وہ طوطے کی خوب خاطر تواضع کرنے لگیں۔ پاس پڑوس کی عورتوں میں بیٹھ کر وہ طوطے کی خوب خوب تعریفیں کرتیں۔ ایک روز چند عورتیں جو

فارسی داں تھیں امیر کے گھر آئیں اور اُن میں سے ایک نے سوال کیا: "میاں مٹھو! تو چہ کار کردی؟" اس نے جواب دیا: "دریں چہ شک"۔ پھر دوسرا سوال کیا اس کا بھی وہی جواب ملا۔ اب تو سب کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔ امیر کی بیوی بولی: "کیوں بہنو! باتیں کرتا ہے نا؟"

وہ کہنے لگیں: "اے بی بی! تم تو اس مُوئے طوطے کی اس قدر تعریفیں کرتی تھیں لیکن یہ تو سوائے 'دریں چہ شک' بولنے کے اور کچھ بھی نہیں بولتا۔ امیر کی بیوی بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے جا کر اپنے شوہر اور بیٹے کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور اس سے کہنے لگا: "میں نے اتنی بڑی رقم دے کر تمہیں خریدا، یہ بڑی حماقت ہوئی"۔

طوطے نے جواب میں کہا: "دریں چہ شک"

امیرزادہ ہنسی کو ضبط نہ کر سکا اور ہنس کر اس نے پنجرے کی کھڑکی کھول دی اور طوطا اُڑتا چلا گیا۔ دُور۔ بہت دُور۔!

طوطا بولا: "واہ بی مینا! کیا قصہ بیان کیا ہے۔ سبحان اللہ! لیجئے اب شانتا کا قصہ بھی سن لیجئے ایک شخص کی دو بیویاں تھیں شانتا اور اُوشا۔ شانتا اولاد والی تھی اور اُوشا بے اولاد۔ اُنکا شوہر اوشا کو زیادہ چاہتا تھا اس لئے شانتا نے اپنے بچہ کو قتل کر کے اُوشا پر الزام لگا دیا اور خوب رونے پیٹنے لگی۔ مقدمہ قاضی کی عدالت میں گیا لیکن وہ شناخت[۱] نہ کر سکا کہ اصل مجرم کون ہے۔ انتہ وہ تمام گواہوں کی موجودگی میں دونوں کو اندھے غار پر لے گیا۔ اس غار کی یہ صفت تھی کہ اگر اسمیں مجرم اور ملزم دونوں کو اتار دیا جاتا تو مجرم کے پاؤں زمین پکڑ لیتی اور اس وقت تک نہ چھوڑتی جب تک وہ خود اقبال جرم نہ کر لیتا۔ لیکن ان دونوں کے معاملہ میں غار سے ایک آواز آئی: "ان دونوں عورتوں میں سے جو کپڑے اتار کر یعنی مادر زاد برہنہ ہو کر غار کے منہ کے قریب رقص کرے گی وہی بے گناہ قرار دے جائے گی"۔ شانتا نے فوراً کپڑے اتارے اور رقص کرنے لگی لیکن اُوشا ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اسی وقت غار سے آواز آئی: "بے حیائی اور بے شرمی تو دیکھو کہ سب کی موجودگی میں برہنہ ہو کر رقص کر رہی ہے جو بے گناہ ہے اسمیں حیا بھی ہے اور شرم بھی۔ اپنے معصوم بچہ کا قتل ایک بے حیا عورت ہی کر سکتی ہے لے جاؤ اس ذلیل کو پکڑ کر۔ قاضی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ شانتا کو گرفتار کر کے لے چلو اسے سزا دی جائے گی اور اُوشا کو قاضی کے علاوہ تمام لوگوں نے بھی مبارکباد دی"۔

شاہ افروز بخت نے تالی بجاتے ہوئے کہا: "بہت خوب بہت خوب! اب محفل کل رات تک کے لئے برخواست کی جاتی ہے۔ کل انشاء اللہ تعالیٰ شہزادہ زین الجہاں کا قصہ سُنا جائے گا۔"

معنی: [۱] فارسی بولنے اور سمجھنے والی [۲] پہچان نہ سکا۔

چوتھی شب

شاہ افروز بخت نے تخت پر بیٹھے ہوئے طوطے سے کہا: "میاں مٹھو! سب لوگ زین الجہاں کا قصہ سننے کے منتظر ہیں۔ لہٰذا شروع کرنا چاہیئے۔"

مینا بولی: "مختصر سی ہے سرگذشتِ حیات ؛ ہے جوانی سحر تو پیری شام۔ لیکن اسی میں کتنے معرکے اور کتنے فتنے فساد پیش آتے ہیں۔ ذرا بیان تو کرو میاں طوطے۔"

طوطا برانگیختہ ہو کر بولا: "اے کالی کلوٹی کل مُوئی۔ اپنی چونچ کو بند رکھ، سلطان عالم پناہ کے ارشادِ عالی کے بعد تجھے بولتے شرم نہیں آتی۔ بے ادب"

شاہ افروز بخت نے ہنس کر کہا: "میاں مٹھو! مینا کی باتوں پر توجہ نہ دو۔ تم تو قصہ سناؤ۔"

طوطا کہنے لگا: "شہزادہ زین الجہاں پری کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں انہیں کسی نے نہیں ستایا۔ چلتے چلتے وہ ایک مختصر سی آبادی میں پہنچے تو شہزادہ بولا: "ہمیں رات اس بستی میں گذارنے کے لئے جگہ تو مل جائے گی" پری جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ایک چبوترے پر بیٹھی چار عورتوں کی گفتگو سُن کر وہ خاموش رہی۔

ایک عورت بولی : ———— "وہ چلا"

دُوسری نے کہا : ———— "وہ نہ ہوگا"

تیسری نے کہا : ———— "وہ نہیں تو وہ بھی نہیں"

چوتھی کہنے لگی : ———— "اے بہن! کچھ ہو نہ ہو میں تو جا کر سوتی ہوں"

زین الجہاں نے بھی یہ عجیب و غریب گفتگو سنی اور اس نے حیران ہوتے ہوئے پری سے کہا: "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" والی بات ہے، خاموشی سے چلی چلو۔"

پری بولی: "اب ٹانگوں میں دم باقی نہیں رہا۔ کسی جگہ آرام کرنا چاہیئے۔" زین نے کہا: "واپس چلو راستہ میں تناور درختوں کے درمیان اونچے اونچے ٹیلے دیکھے تھے ان ہی میں سے کسی ایک پر رات بسر کریں گے" پھر وہ واپس گئے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر لیٹ گئے۔ پری کہنے لگی: "ان عورتوں نے کچھ عجیب الفاظ میں ایک دوسری سے کچھ کہا تھا کہیں وہ ہمارے ہی بارے میں تو گفتگو نہیں کر رہی تھیں؟" زین بولا: "صبح یہاں سے جاتے ہوئے ان سے دریافت کریں گے۔"

ساری رات وہ اس ٹیلے پر لیٹے رہے۔ نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی چونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ طلسمات میں ہیں اور کسی وقت بھی کوئی نہ کوئی مصیبت سامنے آسکتی ہے۔

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر اسی بستی میں جا پہنچے۔ وہ چاروں عورتیں اپنے مکان کے چبوترے پر بیٹھی گیہوں صاف کر رہی تھیں دونوں کو دیکھ کر وہ باتیں کرنے لگیں

پہلی نے کہا: ——— "دہی ہیں"۔

دوسری بولی: ——— "اُن کے تو وہ ہوتے ہیں"۔

تیسری نے کہا: ——— "بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں"۔

چوتھی کہنے لگی: ——— "کیسے ہی ہوں میں تو اپنے گھر جاتی ہوں"۔

شہزادہ اور پری دونوں اُن کے قریب جا کر بولے: "رات ہم اس جگہ پہنچے تو تم لوگوں نے کچھ اسی قسم کی باتیں کہی تھیں۔ کیا ہمیں ان کا مطلب بتا سکتی ہو"۔

چاروں عورتیں قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں۔ پری بولی "بہنو! یہ ہنسی کی بات نہیں۔ ہم نے چونکہ اس سے پہلے کبھی ایسی باتیں نہیں سُنی تھیں اس لئے حیرانی سی ہے"۔

ایک عورت کہنے لگی: "بات یہ تھی کہ چراغ گل ہو رہا تھا۔ لہٰذا میں نے کہا: "وہ چلا۔" مطلب تھا کہ چراغ گل ہونے والا ہے۔ دوسری نے کہا کہ وہ نہ ہوگا یعنی تیل ختم ہو گیا ہوگا۔ تیسری بولی کہ وہ نہیں تو وہ بھی نہیں یعنی تیل نہیں ہے تو بتی بھی نہیں ہوگی اور چوتھی نے کہا کہ اے بہن کچھ ہو نہ ہو میں تو جا کر سوتی ہوں۔ مطلب ظاہر ہے کہ جب چراغ میں نہ تیل ہے نہ بتی تو اندھیرے میں جاگنے سے کیا حاصل جا کر سو رہنا ہی بہتر ہے۔ اب کہئے معمہ آیا سمجھ میں"۔

شہزادہ اور پری دونوں کھلکھلا کر ہنسنے لگے پھر پری بولی: "اور ابھی ابھی جو باتیں ہم نے سُنی تھیں ان کا کیا مطلب تھا؟"

وہ بولی: "اس نے کہا کہ "دہی ہیں"۔ مطلب تھا "بیل" اور بیل ہمارے ہاں بیوقوف کو کہتے ہیں۔ اسے سُن کر دوسری نے کہا کہ "اُن کے تو وہ ہوتے ہیں"۔ یعنی سینگ ہوتے ہیں تو تیسری بولی کہ "بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں" مطلب یہ کہ بغیر سینگ کے بھی ہوتے ہیں۔ آخر میں میں نے کہا کہ کیسے ہی ہوں میں تو اپنے گھر جاتی ہوں۔ مراد یہ کہ یہ عقلمند ہوں یا بے وقوف مجھے کیا واسطہ میں تو اپنے گھر جا رہی ہوں"۔

زین الجہاں بولا: "ہم تو ڈر ہی گئے تھے کہ شاید ہم پردیسی لوگوں کو گرفتار کرانے کیلئے خفیہ زبان میں صلاح مشورے ہو رہے ہیں"۔ ایک نے کہا "تمہیں جانا کہاں ہے"؟

زین نے کہا "طلسمات سے باہر جانا ہے" وہ ہنس کر کہنے لگی "ہم نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ

ڈھیں ہیں" - زین بولا، یعنی بیل گویا بے وقوف - ہاں صاحب! ہم بے وقوف نہ ہونگے تو اور کون ہوگا" وہ عورت کہنے لگی، یہ بے وقوفی کی بات نہیں تو اور کیا ہے کہ طلسمات کی حد سے باہر کھڑے ہو اور کہتے ہو کہ ہمیں طلسمات سے باہر جانا ہے"۔

پری خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی، "کیا سچ مچ" اس نے جواب دیا "جی ہاں! سچ مچ"۔

ایک بولی: ——— لکڑی لادے۔

دوسری نے کہا: ——— وہ تو کڑوی ہے۔

تیسری بولی ——— بانس دکھا دے

چوتھی کہنے لگی: ——— مجھے تو بھوک لگی ہے میں تو اپنے گھر جاتی ہوں۔

زین الجہاں اس گفتگو کو سن کر ہنسنے لگا: ایک نے کہا: "فکر نہ کرو۔ بات یہ ہے کہ دایاں راستہ پرخطر ہے جیسا کہ دوسری نے بتایا کڑوی ہے البتہ بایاں راستہ صاف، سیدھا اور ہر بلا سے محفوظ ہے جیسے بانس کہ درخت کی مانند اگتا ہے لیکن کانٹوں اور پتوں سے پاک صاف ہوتا ہے"۔

زین اور پری سلام کرکے رخصت ہوئے اور تھوڑی دور چلنے کے بعد زین بولا: "اچھا! اب تم اپنے وطن روانہ ہو جاؤ۔ میں واپس طلسمات میں جاتا ہوں چونکہ ابھی میرا مقصد پورا نہیں ہوا ہے"۔ پری نے اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور ہوا میں اڑتی چلی گئی:

شہزادہ واپس اسی مقام پر آیا جہاں دیو محل جادو مردہ حالت میں پڑا تھا پھر شہر حبوں کی طرف چل دیا۔ راستہ میں اس نے دیکھا کہ سینکڑوں دیو اڑتے چلے آرہے ہیں وہ سمجھ گیا کہ یہ سب محل جادو کی لاش پر ماتم کرنے اور اسے ٹھکانے لگانے کی غرض سے آرہے ہیں لہٰذا اس نے انگوٹھی جیب سے نکال کر انگلی میں پہن لی تاکہ اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ دیو اس کے سر پر سے اڑتے چلے گئے اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی منزل کی جانب چلتا رہا۔ جب دوسرے طلسمات کی حد پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دیو بھاری بھاری گرز اٹھائے پہرہ دے رہے ہیں اور چند ایک ادھر ادھر ٹہل رہے ہیں۔ چونکہ اس جگہ ایک بڑا پھاٹک تھا اور اسکے ساتھ ساتھ فصیل تھی۔ پھاٹک کا آہنی دروازہ بند تھا اس لئے تیسرے طلسمات میں اس دروازے سے گذرے بغیر داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ انگوٹھی کی وجہ سے دیو اسے تو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن فصیل کی دوسری طرف جانے کے لئے دروازہ کھولا جاتا تو وہ ضرور انہیں نظر آجاتا اور وہ حیران ہو کر پھاٹک میں جمع ہو جاتے۔ اس لئے زین الجہاں نے سوچا کہ ان تمام پہریداروں کو اس جگہ سے ہٹانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا اور ایک انگلی زبان

پر رکھ کر زور زور سے چلایا "تم پر لعنت ہزار بار۔ لشہ بازو۔ دوڑو بھاگو۔ آدم زادوں نے پہلے طلسمات کو فتح کر لیا ہے۔ انہوں نے محل جادو کے ٹکڑے کر کے پھینک دیے ہیں۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو سب متفق ہو کر جاؤ اور انہیں ہلاک کر دو۔ سارے دیو گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ آخر وہ آپس میں کہنے لگے "یہ غیبی آواز تھی اس پر عمل کرو۔ ورنہ وہ ظالم آدم زاد جنہوں نے پہلا طلسمات فتح کر لیا۔ ہمیں کب جیتا چھوڑیں گے" پھر وہ سب اپنے اپنے گرز اٹھا کر پہلے طلسمات کی جانب پرواز کر گئے۔ زین الجہاں اپنی کامیابی پر مسکراتا درخت سے نیچے اتر آیا اور نہایت اطمینان سے پھاٹک کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور دروازہ بند کر کے اپنی طرف سے زنجیر لگا دی۔

اس پھاٹک کے سامنے بے شمار درخت تھے اور ان درختوں کے درمیان سے مختلف سمتوں میں گیارہ راستے نکلتے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ ان میں سے کونسا راستہ شہر جنوں آباد پہنچائے گا۔ وہ بہت دیر تک کھڑا سوچتا رہا لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ آخر اس نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور آنکھیں بند کر کے اُسے اچھال دیا اور فوراً ہی آنکھیں کھولیں۔ وہ پتھر جس راستہ کی جانب گرا تھا وہ اسی پر چل دیا۔ اور دل میں کہنے لگا کہ مجھے یقین ہے یہی راستہ جنوں آباد کی طرف جاتا ہے۔

وہ ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلہ پر پہنچا تھا کہ ایک بزرگ صورت انسان کھڑے نظر آئے۔ زین الجہاں نے سلام عرض کیا تو وہ جواب دے کر بولے: "کیا شہر جنوں آباد کی جانب رخ ہے؟" اس نے کہا: "جی بزرگوار!۔ وہ کہنے لگے "کیا تم وہاں جانے کا ارادہ نہیں بدل سکتے؟"

شہزادہ بولا: "گستاخی معاف! میں وہاں ضرور جاؤں گا۔" انہوں نے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اس طرف چلے جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔"

شہزادہ زین الجہاں نے کہا: "کیا یہی راستہ اُس شہر کا ہے؟" بزرگ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا: "خاموش! جو حکم دیا ہے اُس پر عمل کرو" اور وہ یکایک نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

شہزادہ اُن کے بتلائے ہوئے راستہ پر روانہ ہو گیا اور دل میں کہنے لگا: "اب میں بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

وہ دن بھر چلتا اور شام کے وقت کبھی کسی درخت پر اور کبھی کسی پہاڑی پر قیام کرتا۔ اسی طرح سات دن اور سات راتیں گذر گئیں۔ جب کہیں اُسے دُور سے آبادی نظر آئی اور وہ خدا کا شکر ادا کر کے تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ وہ آبادی کے جتنا قریب پہنچتا جا رہا تھا اُسکے دل میں اتنی ہی باتیں پیدا ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہی تیسرا طلسمات ہے اور یہیں وہ

تمام جادوگر آباد ہیں جنہوں نے غیر آباد علاقہ کو طلسمات میں بدل رکھا ہے۔ اب مجھے ان سے اور دیوؤں اور جنات سے مقابلہ کرنا ہے۔ خدا کا کرم شاملِ حال رہا تو میں انشاء اللہ تعالیٰ ان پر فتح حاصل کروں گا اور ممکن ہے خدا میرے ہاتھوں اس ظالم اور بدکردار مخلوق کو نیست و نابود کر دے۔ غرض ایسی ہی باتیں سوچتے سوچتے وہ آبادی میں داخل ہو گیا۔

ایک بڑے چوک پر لوگوں کا اژدھام دیکھ کر زین الجہاں اُسی طرف چل دیا۔ قریب پہنچکر اُس نے دیکھا کہ ایک چبوترے پر سونے کے تھال میں ایک خوبصورت نوجوان کا کٹا ہوا سر رکھا ہے۔ تھال میں تازہ خون پھیلا ہوا ہے اور کٹے ہوئے سر کا یہ حال ہے کہ آنکھیں بھی حرکت کر رہی ہیں اور ناک کے نتھنے بھی۔ ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے کبھی مایوسی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں۔ لوگ بڑی حیرانی سے اُسے دیکھ رہے ہیں اور شاہی چوبدار تھوڑی دیر کے بعد اعلان کر رہے ہیں کہ اِس نوجوان کو تلوار سے قتل کیا گیا ہے اور آج تیسرا دن ہے لیکن اس کا سر ابھی تک گرم ہے اور ہر عضو حرکت میں ہے۔ صرف زبان خاموش ہے۔ کیا آپ لوگوں میں کوئی ایسا نیک انسان نہیں جو اِسے ٹھنڈا کر سکے؟ زین الجہاں نے ایسا واقعہ کبھی دیکھنا تو کہاں سُنا بھی نہ تھا۔ پہلے تو وہ سوچنے لگا کہ یہ شہر جنوں آباد ہے اور یہاں جادوگروں کی آبادی ہے لہٰذا یہ بھی جادو کا کوئی کرشمہ ہے۔ لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ یہاں تو بے شمار لوگ کھڑے ہیں یہ لِے جادو کا کوئی

معنی: لہ بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ۔ کثیر مجمع۔

کرشمہ کیوں نہیں سمجھتے۔ پھر اس نے دل میں کہا: "ممکن ہے یہ لوگ جادوگر نہ ہوں۔"

وہ بہت دیر تک اس سر کو دیکھتا رہا۔ آخر اس کے قریب گیا اور اس سے مخاطب ہو کر بولا: "اے نوجوان! کیا کوئی حسرت باقی ہے؟" اسی وقت آنکھیں ایک جگہ ٹھہر گئیں اور ہونٹوں پر اداسی چھا گئی۔ ناک کے نتھنوں کی حرکت بھی بند ہو گئی۔ یہ کیفیت دیکھ کر فنا ہی فوج کے ایک دستہ نے زین الجہاں کو گھیرے میں لے لیا اور سونے کے تھال کے ساتھ اسے بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ دستہ کے سردار نے عرض کی: "جہاں پناہ! اس نوجوان نے نجانے کیا منتر پڑھا تھا کہ سر نے حرکتیں بند کر دی ہیں۔ اسی لئے ہم اسے حضور میں لے آئے ہیں۔" بادشاہ نے پوچھا کہ "اے نوجوان! تین روز تک اسکی آنکھیں، نتھنے اور ہونٹ حرکت کرتے رہے اور کسی تدبیر سے حرکت بند نہ ہوئی۔ آخر یہ کیا راز تھا اور تو نے اس حرکت کو کیسے بند کر دیا؟" شہزادہ بولا: "عالم پناہ! میں اس راز سے قطعی واقف نہیں ہوں۔ البتہ میں نے بزرگوں سے سنا تھا کہ اگر کسی آدمی کی کوئی حسرت باقی ہو تو اس کا دم بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ اس کا چہرہ دیکھ کر یہی خیال میرے ذہن میں ابھرا اور میں نے اس سے سوال کیا کہ اے نوجوان! کیا کوئی حسرت باقی ہے۔ بس اسی وقت اسکی ساری حرکتیں بند ہو گئیں۔"

بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اسے اپنے نزدیک بٹھاتے ہوئے بولا: "گذشتہ دو ماہ سے میرے سر میں درد رہتا تھا۔ میں اسکا علاج کراتا رہا لیکن بجائے افاقہ[1] کے مرض بڑھتا چلا گیا اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اب چند روز کا مہمان اور ہوں۔ لہٰذا میں نے تمام وزیروں، امیروں اور درباری کارنداروں سے کہا کہ دردِ سر شدت اختیار کر چکا ہے اس کے سبب یادداشت باقی نہیں رہی۔ معمولی سی آواز بھی ہتھوڑے کی چوٹ کی طرح لگتی ہے۔ نیند رات کو آتی ہے نہ دن میں۔ قریب سے گذرتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرے سفرِ آخرت اختیار کرنے کا وقت آپہنچا ہے۔ لہٰذا میں آپ سب سے درخواست کر سکتا ہوں کہ اگر کسی کو مجھ سے شکایت ہو۔ یا کسی کو میری ذات سے کوئی ایذا[2] پہنچی ہو تو وہ مجھے معاف کر دے۔ میری اس بات کو سن کر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ سب لوگ کہنے لگے کہ ایسا نہ کہیے۔ خدا آپ کو ہمیشہ زندہ سلامت رکھے۔ پھر ایک حکیم نے کہا کہ اگر کسی نوجوان کا بھیجہ بھون کر عالم پناہ کو کھلایا جائے تو یہ درد فوراً جاتا رہے۔ مجھے اس بات پر غصہ آ گیا اور میں نے کہا۔ ایک اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے کی جان لینا میرے خیال میں ناقابلِ معافی گناہ ہے اور میں ایسے گناہ کا مرتکب[3] نہیں ہونا چاہتا۔ میرے انکار پر مولوی اور مفتی بولے: "ایک رعیت پرور سلطان کی جان بچانے کے لئے آدمی کی جان

ایسا کوئی گناہ نہیں۔ لیکن میں اس پر بھی راضی نہ ہوا تو دوسرے دن اور بھی مولوی آگئے اور سب نے مل کر مجھے اس بات پر آمادہ کر لیا۔ اور حکیم کے کہنے کے مطابق ایسا نوجوان تلاش کیا گیا جسے کبھی چیچک کی بیماری لاحق نہیں ہوئی تھی جسے غصہ بہت کم آتا تھا اور جو بالکل تندرست اور صحت مند تھا پھر اس کے والدین کو اس کی جان کا معاوضہ دے کر راضی کر لیا گیا کہ وہ دو روز میں اسکا سر میری خدمت میں پیش کر دیں گے۔ اور انہوں نے وعدے کے مطابق میرے پاس نوجوان کا سر بھیجدیا۔ میں نے حسرت بھری نگاہ سے اسے دیکھا تو وہ حرکت کرتا نظر آیا۔"

شہزادہ زین الجہاں اس عجیب و غریب واقعہ کو سُنکر حیران رہ گیا اور بہت دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔ عالم پناہ! کیا اس حقیر کو اس نوجوان کے والدین اور بھائیوں سے ملاقات کرنے کی اجازت مل سکتی ہے؟

بادشاہ نے کہا: "ہم ابھی انکو بُلوا لیتے ہیں"۔ اور اُس نے وزیر کو حکم دیا کہ تم اس نوجوان کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہراؤ اور اس مُردہ نوجوان کے گھر والوں کو فوراً بُلوا کر اس کے پاس بھیج دو۔

وزیر نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زین کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا اور کوتوال کو اس مکان کی جانب روانہ کر دیا جہاں سے اسکو کٹا ہوا سر ملا تھا۔ شہزادہ سفر کی وجہ سے بہت تھکا ہوا تھا اس لیے پہلے تو اس نے گرم پانی سے غسل کیا پھر ناشتہ کرنے کے بعد اس عجیب و غریب واقعہ پر غور کرنے لگا۔

کوتوال تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہوا اور کہنے لگا: "حضور والا۔ جس مکان سے میں سر لایا تھا اس میں نوجوان کے والدین رہتے ہیں دو لڑکیاں اور ایک تو عمر خوبصورت جوان۔ اُن سب کو میں اپنے ہمراہ لے آیا ہوں لہٰذا حکم فرمایئے سب کو ایک ساتھ پیش کیا جائے یا باری باری۔ زین بولا: "پہلے اس کے والدین کو بھیج دو"۔ زین اس وقت کمرے میں ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ مجھے کسطرح بات کرنی چاہیے۔ کوتوال نے دونوں کو کمرے میں بھیج دیا اور وہ سلام کر کے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

زین نے اُن سے آنکھیں نہیں ملائیں بلکہ فرش پر نگاہیں جمائے ہوئے بولا: "بزرگو! میرا علم کہتا ہے کہ آپ نے جو سر بادشاہ سلامت کے ہاتھ فروخت کیا تھا وہ آپکے بیٹے کا ہرگز نہیں ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟" انہوں نے جواب میں خاموشی اختیار کر لی تو زین نے کہا: "یہاں آپ دونوں کے سامنے میں ہوں یا خدا ہے، بادشاہ کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں ایک معمولی آدمی ہوں لیکن مولا کی ذات بڑی ہے وہ ہم سب کو مارنے اور جلانے والا ہے اس سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے اسلئے اپنے دلوں سے مجھسوں کا خوف نکال دیجئے اور جو حقیقت ہے اسے بیان کر دیجئے۔ آپکی سچائی اور صاف گوئی سے خدا خوش ہوگا اور آپ پر اس کا کرم ہوتا رہے گا۔"

اُن دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ کہنے لگے: "آپکا علم سچا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ سر ہمارے بیٹے کا نہیں ہے، ہم نے بادشاہ سے معاوضہ لیا تھا اور ہم اپنے بیٹے کا سر کاٹ کر دینے کے لئے تیار تھے مگر میرے لختِ جگر کو اُس کے کسی دوست نے یہ سر لاکر دیا اور ہم نے تھال میں رکھ کر کوتوال کو دے دیا۔ یہ سر کس کا تھا، یہ ہمیں علم نہیں"۔

زین الجہاں بولا: "اب آپ اپنی دونوں بچیوں کو لے کر گھر چلے جائیے البتہ اپنے صاحبزادے کو میرے پاس چھوڑ دیجئے"۔ وہ کہنے لگے: "میرے بیٹے کو سزا تو نہیں دی جائے گی"؟ زین نے کہا: "یہ دریافت نہ کیجئے"۔ وہ شاید کچھ اور بولتے لیکن زین کے بگڑے تیور دیکھ کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے باہر چلے گئے۔ چند لمحوں کے بعد ان کا بیٹا کمرے میں داخل ہوا اور سلام کرتے ہوئے بولا: "غلام حاضر ہے"؟

زین الجہاں نے کہا: "آپ کے والدین نے بادشاہ سلامت سے آپ کے سر کی قیمت وصول کی تھی لیکن آپ کے کسی دوست نے ایک بے قصور نوجوان کو قتل کر کے اُس کا سر آپ کو دیا تاکہ آپ زندہ رہیں۔ کیا یہ حقیقت ہے"؟

نوجوان بولا: "بے شک۔ ایسا ہی ہوا ہے"۔ زین الجہاں نے کہا: "آپ اپنے دوست کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں"؟ وہ کہنے لگا: "میں نے حقیقت تو بیان کر دی ہے اگر اس جرم کی کوئی سزا دینا منظور ہے تو مجھے دے دیجئے لیکن میرے دوست کے بارے میں کوئی بات دریافت نہ کیجئے"!

زین بولا: "آپ کا خیال ہے کہ دوست کے حالات کی پردہ پوشی سے آپ حقِ دوستی ادا کر رہے ہیں وہ اگر صحیح معنوں میں آپ کا دوست ہے تو اس نے آپ کی جان بچانے کے لئے اپنا سر کیوں نہیں دیا ایک بے قصور نوجوان کو قتل کرنا اور آپ کو بچانا کہاں تک جائز تھا"!

وہ خاموش رہا اور جواب نہ دے سکا۔ زین تھوڑی دیر تک منتظر رہا پھر کہنے لگا: "آپ اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔ اگر آپ معاملہ کو پیچیدہ بنا کر طول دینا چاہتے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ اور آپ کا دوست قتل کے جرم سے ہرگز بری نہ ہو سکیں گے لیکن میرے سوالوں کے جواب دینے کی صورت میں شاید آپ کے لئے بھلائی کی کوئی صورت نکل آئے"۔

وہ کہنے لگا: "اس یقین کے ساتھ کہ آپ میری مدد فرمائیں گے میں سارا واقعہ بیان کرتا ہوں مسعود شادمانی اس شہر کا بڑا سوداگر ہے، خدا نے اُسے ایک حسین و جمیل بیٹی دے رکھی ہے اس کا نام ساجدہ پروین ہے مجھے اُس سے بے پناہ محبت ہے اور وہ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔ اتفاق سے ایک سوداگرزادے نے بھی اُسے دیکھ لیا اور وہ اپنا دل کھو بیٹھا۔ اُس نے

معنی: ۵۔ حالات پر پردہ ڈالنا۔ معاملات چھپانا۔

شادی کے پیغام بھجوائے۔ خود جاکر کوشش کی لیکن مسعود شادمانی نے انکار کر دیا چونکہ اس کی بیٹی کو یہ رشتہ منظور نہیں تھا۔ آخر ناکام سوداگر زادہ ثاقب پرویز مسعود شادمانی کے دروازے پر دھرنا دے کر بیٹھ گیا۔ سوداگر نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن بے سُود۔ پھر اس نے محلہ والوں کو بُلا کر سارا حال سُنایا تو سب لوگوں نے ثابت سے کہا۔ میاں! دیوانے ہوئے ہو۔ یہاں بیٹھ کر کیوں ان کی بدنامی اور رُسوائی کا سامان پیدا کر رہے ہو۔ مگر اس کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ یا تو ساجد پروین سے میرا بیاہ کرو۔ نہیں تو اسی دروازے پر بیٹھے بیٹھے جان دے دوں گا۔ آخر سوداگر نے کئی ملازموں کو مقرر کیا تاکہ وہ اُسے مکان کے پاس نہ بیٹھنے دیں وہ مکان کی پچھلی سمت میں دیوار کے پاس بیٹھنے لگا۔ اس جگہ بیٹھنے سے چونکہ سوداگر پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا اس لئے وہ خاموش ہو گیا۔

بادشاہ سلامت کو ایک روز ایک نوجوان کا سر درکار تھا۔ ان کے نمائندوں نے میرے والد سے میرے سر کا سودا کر لیا اور والد صاحب نے مجھے بتایا کہ صبح تمہیں قتل کر کے تمہارا سر بادشاہ کی خدمت میں پہنچایا جائے گا۔ یہ بات سُن کر میں بہت پریشان ہوا لیکن یہ سوچ کر کہ باپ کی منشا کے خلاف قدم اُٹھانا سعادت مند اولاد کا کام نہیں ہے میں راضی ہو گیا اور وقت مقررہ پر ساجد پروین سے ملاقات کے لئے گیا تو اسے بتایا کہ یہ آخری ملاقات ہے چونکہ صبح سویرے مجھے قتل کر کے میرا سر بادشاہ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ وہ غریب اس خبر کو سُن کر ہوش و حواس کھو بیٹھی اور مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ میں نے اُسے تسلی دی لیکن اس

کے آنسو نہ تھم سکے اور وہ روتی رہی۔ آخر میں اسے الوداع کہہ کر واپس اپنے گھر چلا گیا۔

رات کے پچھلے پہر اس نے آ کر دروازے پر دستک دی تو والد صاحب نے جا کر دروازہ کھولا اور اس نے ایک ٹوکری ان کے سپرد کرتے ہوئے کہا: "یہ ایک نوجوان کا سر ہے صبح بادشاہ کو اپنے بیٹے کے سر کی جگہ پیش کر دینا۔" والد صاحب سخت پریشان ہوئے کہ یہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اسی دوران میں میری آنکھ بھی کھل گئی اور میں بھی ان دونوں کے پاس آ گیا۔ ساجدہ کی صورت دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوئی اور میں نے اس سے سوال کیا کہ تم کس کا سر لے کر آئی ہو؟

اس نے جواب دیا: "رات کو تمہارے چلے آنے کے بعد میں ثاقب پرویز کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ مجھے تمہارا سر چاہیئے کیا تم مجھے عنایت کرو گے۔ اس نے جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہا اور میان سے تلوار کھینچ کر دائیں جانب سے گردن پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر کٹ کر دور جا پڑا۔ یہ اسی کا سر ہے اسے پیش کرنے سے تمہاری جان بچ جائے گی۔"

میرے والد صاحب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ساجدہ کا شکریہ ادا کر کے سر قبول کر لیا اور صبح ہوتے ہی اسے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔"

شہزادہ زین الجہاں نے یہ واقعہ سن کر اسے جانے کی اجازت دے دی اور صبح ہوتے ہی بادشاہ سے عرض کی: "عالم پناہ! نوجوان کے عزیزوں اور رشتہ داروں سے گفتگو کر کے بھی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ پتہ چلا ہے کہ مسعود شاہ نامی سوداگر کی دختر ساجدہ پروین میری اس معاملہ میں مدد کر سکتی ہے لہٰذا التماس ہے کہ آج رات اسے بلوا دیا جائے۔" بادشاہ نے اسی وقت حکم صادر کر دیا۔ اور رات ہوتے ہی کوتوال نے ساجدہ پروین کو شاہی مہمان خانے میں زین الجہاں کے پاس پہنچا دیا۔

شہزادہ زین الجہاں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کس بات سے آغازِ گفتگو کرے کہ ساجدہ بولی: "آپ نے مجھے بادشاہ کے ذریعہ کیوں یہاں بلایا ہے۔" زین نے کہا: "آخر آپ کو اعتراض کیوں ہے؟" وہ کہنے لگی: "میں ایک غیر شادی شدہ اور ایک شریف باپ کی بیٹی ہوں میرے لئے آپ جیسا ایک غیر محرم شخص کے پاس تنہا کمرے میں آنا کیا باعث بدنامی نہیں۔ اگر آپ کو مجھ سے کوئی سوال کرنا تھا تو بھرے دربار میں طلب کرتے یا میرے غریب خانہ پر تشریف لے آتے۔"

زین الجہاں نے کہا: "آپ جو کچھ فرما رہی ہیں درست ہے بجا ہے۔ آپ کو یہاں نہیں بلانا چاہیئے تھا لیکن خاتون! اگر آپ بتا سکتی ہیں کہ ایک رات پچھلے پہر میں آپ والدین کی اجازت حاصل کئے بغیر چوری چھپے ایک نامحرم نوجوان کے مکان پر جب گئی تھیں اس وقت ایسے ہی خیالات

نے آپ کو کیوں نہیں گھیر لیا تھا۔ اس لئے کہ آپ کو اس نوجوان سے محبت ہے پیار ہے۔ کیا ایک غیر مرد سے محبت کا ہو جانا جرم نہیں۔ کیا ایک غیر مرد سے رات کی خاموشی میں اُسکا سر مانگنا قابل تعریف امر ہے۔

ساجدہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی اور زین الجہاں اُسے دیکھتا رہا۔ روتے روتے وہ سسکیاں بھرنے لگی مگر زین الجہاں پھر بھی خاموش رہا۔ اُسکی آنکھیں لال اور رُخسار انار کی مانند سُرخ ہوگئے۔ زین الجہاں نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی تو اُسے ترس آگیا پھر وہ اُٹھ کر پانی لایا اور اُس کے پاس جاکر بولا: "یہ لیجئے" مگر اس کے ہاتھوں کو جنبش[1] نہ ہوئی۔ وہ چلا کر بولا: "پانی پی لیجئے" مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اُس نے کٹورہ اُس کے پتلے پتلے گلابی گلابی ہونٹوں سے لگا دیا مگر اس کے ہونٹوں نے حرکت نہ کی۔ آخر اس نے گھبرا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا کہ اُس کا بدن کہیں سرد تو نہیں پڑ گیا اور اُس حسینہ نے اس کا ہاتھ چوم لیا پھر اسی کے ہاتھ سے پانی پیا۔ زین الجہاں نے اسے تسلی دی اور کہنے لگا: "اب ان باتوں کو چھوڑو اور کوئی ایسا قصہ بیان کرو جو رات آسانی سے کٹ جائے۔"

ساجدہ بولی: "کیا قصے سننے کے لئے مجھے یہاں بُلایا تھا؟" اُس نے جواب دیا: "قصے سننے کے لئے تو نہیں بُلایا تھا لیکن تمہارے رونے کی وجہ سے اب وہ بات کرنے کو دل نہیں چاہتا جس کیلئے تمہیں تکلیف دی تھی" وہ کہنے لگی: "میں قصے تو ایک نہیں ایک ہزار ایک سُنا دیتی لیکن رونے کے سبب دماغ پر کچھ ایسا اثر پڑا ہے کہ اب نہیں سُنا سکتی لہذا آپ ہی سُنایئے۔"

زین یکایک چونک اٹھا چونکہ اس کا ہاتھ ابھی تک ساجدہ کے ہاتھ میں تھا اور اس نے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا: "مسہری پر لیٹ جاؤ۔ تھک گئی ہوگی پھر میں ایک دلچسپ قصہ بیان کرتا ہوں۔"

وہ بولی: "نہیں۔ میرے لیٹنے سے آپ کی شان میں گستاخی ہوگی" اس نے کہا: "یہ گستاخی نہیں میری خواہش ہے کہ تم آرام سے لیٹ جاؤ۔" وہ سر جھکا کر خاموش بیٹھ گئی۔ زین نے اُسکا بازو پکڑ کر اُسے اٹھایا اور لے جاکر مسہری پر بٹھا دیا۔ "اب لیٹ جاؤ۔" اور وہ شرماتی لجاتی لیٹ گئی۔

زین الجہاں مسہری کے مدمقابل[2] بچھے تخت مرصع[3] پر بیٹھ کر کہنے لگا: "نادرہ بیحد حسین تھی۔ ایک شام وہ نہا کر بال خشک کرنے کی غرض سے چھت پر گئی تو برابر کے مکان کی چھت پر خوبرو نوجوان صہبا اختر نظر آیا۔ وہ بازار کی رونق دیکھنے میں محو تھا۔ اُسے خبر نہ تھی کہ حسن و جمال کی دیوی اُسے پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ اسی طرح بہت دیر ہوگئی۔ آخر نادرہ نے اُسے اپنی جانب مخاطب کرنے کے لئے کچھ ایسے انداز میں "اوئی اللہ" کہا جیسے وہ ابھی ابھی ادھر آئی ہے اور غیر مرد کو دیکھ کر بے پردگی کے احساس سے چلائی ہے۔ صہبا اختر نے چونک کر اُسکی جانب دیکھا تو دیکھتا ہی رہ

معنی: [1] حرکت [2] بالکل سامنے [3] جڑاؤ تخت

گیا۔ نادرہ بولی: "ٹکٹکی باندھے کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا:

"تابشِ رُخ پر ظلمتِ گیسو ! ؛ شام و سحر ہیں دست و گریباں"

اور اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ چند لمحے خاموش بُت کی مانند کھڑی رہی پھر دوڑتی سیڑھیوں کی جانب گئی اور نیچے اترتی چلی گئی۔ وہ کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ یقیناً زخم خوردہ حالت میں گئی ہے آئے گی۔ پھر آئے گی۔ آج نہیں تو کل ضرور آئے گی ـــ اور دوسری شام وہ سچ مچ آگئی۔ دونوں میں کچھ اشارے کنائے ہوئے۔ تیسری شام ایک دو باتیں ہوئیں پھر ملاقاتیں بڑھنے لگیں اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں گھڑی دو گھڑی کی ملاقات اور چوبیس گھنٹے کی دُوری کا احساس بے چین کرنے لگا۔

ایک شام صہبا نے اُس کی زلفوں سے کھیلتے ہوئے کہا: "نادرہ! یہ چھپ چھپ کر ملاقاتیں آخر کب تک، یہ ظالم دُنیا دو دلوں کو کبھی ملتا دیکھ نہیں سکتی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں کوئی دیکھ لے اور تم پر پابندیاں عائد کردی جائیں۔" نادرہ دھیمی آواز میں بولی: "پھر کیا کیا جائے اختر؟"

وہ کہنے لگا: "چلو یہاں سے کہیں دُور چلیں" وہ بولی: "جو تمہاری مرضی"۔ پھر انہوں نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا اور رات کی تاریکی میں نادرہ زر و جواہر سے بھرا صندوقچہ اٹھا، دبے پاؤں مکان سے نکل آئی۔ صہبا نے ایک مردانہ جوڑا کپڑوں کا ساتھ لیا اور نادرہ کو گھوڑے پر بٹھا کر ایک سمت روانہ ہوگیا۔ راہ میں انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی گھوڑے کو نہ روکا۔ ساری رات اس شہر سے زیادہ سے زیادہ دُور پہنچ جانے میں گذار دی۔ صبح ایک جنگل میں پہنچ کر وہ گھوڑے سے اُتر گئے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سُستانے لگے تھوڑی دیر کے بعد صہبا اختر نے کھانے کی چیزیں نکالکر سامنے رکھیں، نادرہ بولی: "مجھے تو بھوک نہیں ہے"۔ صہبا نے ایک لڈو اٹھا کر زبردستی اسکے منہ میں دیدیا اور مسکرا کر کھانے لگی۔ ناشتہ کے بعد پیاس لگی تو صہبا بولا: "بڑی بھول ہوئی پانی لانا تو یاد ہی نہیں رہا۔ پھر وہ اٹھا اور کہنے لگا: "میں ابھی کہیں نہ کہیں سے تلاش کرکے لے آتا ہوں"۔ نادرہ بیٹھی رہی اور وہ گھوڑے پر سوار ہوکر پانی کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔ کئی میل کے فاصلہ پر اس نے ایک چشمہ دیکھکر خدا کا شکر ادا کیا اور فوراً گھوڑے سے اُتر کر مشکیزے میں پانی بھرا پھر گھوڑا دوڑاتا واپس روانہ ہوا۔

صہبا اختر ہانپتا کانپتا واپس آیا تو وہ پریشان ہوگیا چونکہ زر و جواہر سے بھرا صندوقچہ اور کھانے کی چیزیں بھی موجود تھیں لیکن نادرہ موجود نہ تھی۔ وہ بے چین ہوکر اُسے پکارنے لگا مگر کسی جانب سے بھی جواب نہیں ملا پھر وہ اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگنے اور دوڑنے لگا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ آخر اُسے خیال آیا کہ شاید اُسے والدین کی جُدائی کا احساس ہوا ہوگا اور وہ واپس

چلی گئی ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ راہ میں اُسے دیکھتا جاتا تھا لیکن وہ تو ایسی غائب ہوئی تھی کہ کہیں نظر ہی نہیں آئی۔ شہر پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ اسکی جدائی میں اُس کے والدین کا بُرا حال ہے اور چاروں طرف اسکو تلاش کیا جارہا ہے۔ وہ مجبور ہوکر واپس لوٹ آیا۔ اور جس درخت کے نیچے بیٹھ کر انہوں نے ناشتہ کیا تھا اس کی ایک شاخ پکڑ کر کھڑا ہوگیا اور دل میں کہنے لگا "جب تک وہ واپس نہیں آئے گی، میں اسی جگہ کھڑا رہوں گا خواہ میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

صبا کو حیرانی اس بات پر تھی کہ اگر چور یا ڈاکو آتے تو زور جواہر بھرا صندوقچہ ہرگز نہ چھوڑتے کوئی درندہ آتا تو وہ اُسے ضرور چیر پھاڑ ڈالتا اور زمین پر لہو نظر آتا اور اگر وہ کہیں روپوش ہوتی تو اس نے گھر سے قدم نکالا ہی کیوں تھا۔ آخر وہ گئی کہاں۔ آسمان نے اُٹھالیا یا زمین نگل گئی مگر کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ وہ اُس کی جدائی کے غم میں آنسوؤں سے رو رہا تھا — اور روتا رہا ۔

شہزادہ زین الجہاں خاموش ہوا تو ساجدہ پروین نے ایک ٹھنڈا سانس لیا مگر بولی نہیں زین نے کہا: "اب تم بھی کوئی قصہ بیان کرو، رات تو بہت باقی ہے"۔

ساجدہ بولی: "ابھی سے گھبرا گئے۔ ابھی تو آپ نے ایک ہی قصہ سنایا ہے"۔ وہ ہنسکر کہنے لگا "بہت خوب بندہ صاحب! ایک اور قصہ حاضر ہے"۔ ایک تھا بادشاہ۔ اُسکی رعایا خوشحال تھی اور وہ خود بھی سُکھ اور چین کی زندگی بسر کرتا تھا چونکہ اُس کے پاس فوج تھی۔ جنگی سامان تھا، آمدنی بہت زیادہ تھی اور دو بیٹیاں اور ایک بیٹا بھی تھا۔ بیٹوں کے نام کیا تھے۔ یہ تو یاد نہیں البتہ شہزادے کا نام گل احمد تھا اور ساری رعایا اُسے شہزادہ گل کہہ کر پکارا کرتی تھی۔

ساجدہ ہنستے ہوئے بولی: "آپ تو اس طرح بیان کر رہے ہیں جیسے آپ اس بادشاہ کے وزیر رہ چکے ہیں اور آج اس کی بیٹیوں کے نام بھول گئے ہیں"۔

زین کہنے لگا: "تم کیا سمجھ رہی ہو کہ میں کوئی من گھڑت کہانی سنا رہا ہوں"۔ ساجدہ بولی: "مجھے تو بچوں کی کہانی معلوم دے رہی ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا: "اچھا صاحب! میں اسکی جوانی کا قصہ بیان کرتا ہوں اُس کے بچپن کی باتیں بچوں کیلئے چھوڑ دیتا ہوں۔ شہزادہ گل کو شکار کا بہت شوق تھا وہ اکثر شکار کھیلنے جاتا۔ روانگی کے وقت بادشاہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو نصیحت کرتا کہ جنگل میں داخل ہوکر ہر طرف شکار کھیلنا لیکن دائیں جانب کے علاقہ میں ہرگز نہ جانا۔ ایک مرتبہ وہ جنگل میں گیا تو اتفاق سے شکار نظر نہ آیا اور وہ پریشان ہوکر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: "میں تو آج دائیں جانب کے حصہ میں جاکر دیکھوں گا کہ وہاں کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے ابا جان ہمیں وہاں جانے سے

رہتے ہیں۔" ساتھیوں نے کہا: "نہیں! ہم ہرگز نہیں جانے دینگے" لیکن اُس نے ایک نہ سُنی اور وہ سب کو چھوڑ کر تنہا چلا گیا۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک وسیع باغ نظر آیا اسے دیکھ کر وہ گھوڑے سے اُتر گیا اور سوچنے لگا کہ یہ باغ کس کا ہے؟ مجھے کوئی ٹوکے گا تو نہیں۔ پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی دربان یا چوکیدار نظر نہیں آیا۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا پھر ہمت کر کے دروازے میں داخل ہوا اس نے دیکھا کہ باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک نہر بہہ رہی ہے انواع و اقسام کے میوے دار درخت کھڑے ہیں قسم قسم کے پھول کھلے ہیں۔ اُس سے نہ رہا گیا اور وہ آگے چل دیا۔ باغ کے درمیان میں ایک خوبصورت حوض تھا اور حوض سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک عالیشان محل تھا۔ وہ حوض کے کنارے بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے کیلئے جُھکا تو پانی میں ایک دوشیزہ کا عکس دیکھ کر محوِ حیرت رہ گیا اس نے ایسی خوبصورتی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی وہ منہ ہاتھ دھونا بھول گیا اور ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنے لگا "تم کون ہو؟" عکس دوشیزہ کے نازک لبوں کو حرکت ہوئی لیکن آواز پچھلی سمت سے آئی اُس نے پلٹ کر دیکھا تو محل کی ایک کھڑکی میں وہ حسن و جمال کا مجسمہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

شہزادہ گل بولا! "میں ایک پردیسی ہوں پیاس بجھانے آیا ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی: "آنکھ کی پیاس، دل کی پیاس یا حلق کی پیاس۔"

اس نے جواب دیا: "مہربان! آنکھ کی پیاس تو بجھا چکا ہوں دل کی پیاس بجھانا چاہتا ہوں"

یہ جواب سُن کر وہ کھڑکی سے ہٹ گئی اور شہزادہ دیکھتا رہ گیا۔

ساجدہ بولی، "کیوں! اس نے جواب نہیں دیا؟" زرینہ نے کہا: "نہیں، وہ شرما گئی تھی شہزادہ کھڑا دیکھتا رہا لیکن وہ چہرہ دوبارہ نظر نہ آیا۔ بہت دیر گذر گئی آخر وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگا ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ آواز آئی: "پہلے سے ہی لوٹ جاؤ گے؟"

شہزادہ رُک گیا آواز آئی: "میری طرف دیکھئے۔" اُس نے مڑ کر دیکھا تو پہلے سے زیادہ حسین نظر آئی۔ اُس نے کپڑوں کا نیا جوڑا پہنا تھا۔ بالوں کو کنگھی سے سنوارا تھا آنکھوں میں کاجل، مانگ میں سیندور اور لبوں پر مستی ملی تھی۔ شہزادہ گل سے نہ رہا گیا اور وہ کہنے لگا:

دیدار تیرا اے دوست تما جلوہ ہے کہ پردہ ہے کیا ہے
کچھ دیکھ رہی ہیں میری آنکھیں پیدا پیدا پنہاں پنہاں

وہ شرما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ شہزادے نے اُس کے قریب آتے ہوئے کہا: "تمہارا نام؟" وہ کہنے لگی: "جو تم کو پسند ہو کہہ دو" گل بولا: "کیوں تمہارا کوئی نام نہیں ہے؟"

معنی: لہ فراق۔

وہ بولی: "میں کہہ تو رہی ہوں جو نام تمہارے مزاج میں ہے وہی لے کر پکار لو۔"

شہزادہ کہنے لگا: "حیران ہوں کہ ؎

میں تم کو پھول کہوں پھول کا نکھار کہوں
تمہیں بہار کہوں نغمۂ بہار کہوں

خبر نہیں تمہیں محبوب یا حبیب کہوں
کہ تم کو اپنی رگِ جاں سے قریب کہوں

شفق کا رنگ کہوں یا سحر کا نور کہوں
کہ تم کو جلوۂ مہتاب کا ظہور کہوں

جہانِ کیف کہوں عالمِ سرور کہوں
کہ اپنے ذوقِ نظر کا نہیں غرور کہوں

شبابِ حسن کہ حسنِ شباب تم کو کہوں
کہ پچھلی رات کا اک کیف خواب تم کو کہوں

تمہیں شباب کا اندازِ والہانہ کہوں
غرورِ عشق کہوں نازِ عاشقانہ کہوں

سوالِ دیدہ و دل کا جواب تم کو کہوں
کہ اپنے شوق کی تعبیرِ خواب تم کو کہوں

وہ گھبرا کر بولی: "ارے تم نے تو کتاب ہی کھول لی بس چپ بھی رہو اچھا اپنا نام تو بتاؤ بھلا کیا ہے؟" شہزادے نے کہا: "مجھے گل کہتے ہیں" وہ بولی: "مجھے بلبل کہہ کر پکار لینا۔"

شہزادہ کہنے لگا: "مگر یاد رکھنا بلبل ہمیشہ گل کا پاسبان رہتا ہے۔" جواب دینے کیلئے اس کے لبوں کو ہلکی سی جنبش ہوئی تھی کہ ایک وحشتناک آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

وہ دبی زبان میں بولی: "غضب ہو گیا۔ ابا جان آ گئے۔ آج وقت سے بہت پہلے لوٹ آئے"

وہ نزدیک آ کر بولا: "آج تک میرے باغ میں قدم رکھنے کی کسی بادشاہ کو بھی جرأت نہیں ہوئی

معنی: ؎ آزاد۔

او بد نصیب! سچ سچ بتا تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور یہاں کس غرض سے داخل ہوا ہے؟"

شہزادہ اسکی صورت دیکھ رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ بڈھے کے مُنہ میں دانت نہیں پیٹ میں آنت نہیں، لیکن بجواس کیسی کر رہا ہے بڈھے نے دوسرے ہی لمحے اپنی بیٹی سے کہا "بے شرم بے حیا تو اُسے بھگانے کی بجائے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے۔ کم بخت۔ ذلیل ؂

تجھے جان سے ماروں کیا اے غریب ÷ دکھے چاہتے ہیں یہ تیرے نصیب

پھر اس نے جیب سے سرسوں کے بیج نکالے، ان پر کوئی افسوں پڑھا اور چند دانے شہزادہ گُل کے مُنہ پر مارے اور چند دانے بلبل کے چہرے پر۔ اُسی وقت ایک دھواں سا اٹھا اور دونوں اُس میں چھپ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دھواں اُڑ گیا تو شہزادہ رنگ برنگ کے پھولوں کا گلدستہ بنا زمین پر پڑا تھا اور وہ خوشنوا بلبل کے رُوپ میں نظر آئی۔ بڈھا حقارت کی نظر سے دونوں کو دیکھتا محل میں چلا گیا۔

بلبل نے دل میں کہا، "اباجان نے یہ کیا ظلم ڈھایا اور اب نجانے اور کیا کچھ کرنیوالے ہیں، یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ انکے علاقہ سے دُور چلے جانا ہی بہتر ہے" اور وہ گلدستہ کو چونچ میں دبا کر اڑ گئی۔

دُور ایک جنگل میں دریا کے کنارے اُس نے گلدستہ کو رکھا اور چونچ میں پانی لے لیکر پھولوں پر ڈالا تاکہ وہ مرجھانے نہ پائیں۔ جب تمام پھول تر ہو گئے تو اس نے خود بھی پانی پیا پھر سوچنے لگی کہ بھوک بُرا حال ہے یہاں گلدستہ کو کسی قسم کا خطرہ تو نہیں ہے چونکہ نہ یہاں پرند ہیں نہ چرند۔ میں جا کر دانہ دنکا کیوں نہ تلاش کروں اور وہ یہ سوچ کر دانے دُنکے کی تلاش میں پرواز کر گئی۔ اُسی وقت اتفاق سے ایک کشتی اس طرف سے گذری تو سوداگر نے خوبصورت گلدستہ دیکھ کر کشتی کو کنارے سے لگایا اور دلآویز گلدستہ اٹھا کر کشتی میں رکھ لیا۔

سوداگر نے اپنے وطن پہنچ کر یہ عجیب و غریب گلدستہ بادشاہ کی نذر کیا۔ وہ بھی اسے دیکھکر بیحد خوش ہوا اور اس نے اس خیال سے کہ پھول کہیں مرجھا نہ جائیں باغبان سے کہا کہ اس گلدستہ کی ڈنڈیاں زمین میں دبا دو اور صبح شام پانی دیتے رہو۔ باغبان بولا: جہاں پناہ! فکر نہ کیجئے یہ ہرا بھرا رہیگا۔ میں اسے وسط چمن میں لگاؤں گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے خوش وضع اور خوش رنگ پھول ہماری سرزمین پر کسی جگہ بھی موجود نہیں ہیں۔" غرض اُس نے گلدستہ کیرے جا کر بڑی توجہ اور بڑی محنت سے وسط چمن میں لگا دیا÷

بادشاہ نے دن میں کئی کئی بار اسے جا کر دیکھا، اُسے ہر بار یوں محسوس ہوتا جیسے پھول جاندار ہیں اور وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

دُوسرے دن صبح سویرے بادشاہ چمن میں گیا تو وہ یہ دیکھ کر اُداس ہو گیا کہ سارے پھول مرجھا چکے ہیں۔ اگرچہ ان کے رنگ روپ میں فرق نہیں آیا لیکن ان کی شگفتگی جاتی رہی۔ اس نے باغبان سے کہا کہ

معنی: ؎ منتر، جادو کا عمل ؎ جیسی ؎ نفرت ؎ دل کو کھینچنے والا ؎ بیج ہیں۔

یہ گلدستہ اب ہرا نہیں ہو سکتا؟ اُس نے عرض کی: "جہاں پناہ! آج تک تو کوئی پھول مرجھانے کے بعد دوبارہ نہیں کھلا" بادشاہ نے اسیوقت وزیر کو بلوا کر اعلان کرایا کہ جو شخص اس گلدستہ کے پھولوں کو سرسبز کریگا اسے مالا مال کر دیا جائیگا۔ اس اعلان کو سُنکر سینکڑوں باغبان آئے لیکن ان کی کوئی تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔

بُلبل دانہ دُنکا چگ کر واپس آئی تو گلدستہ کو نہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئی اور جگہ جگہ تلاش کرنے لگی۔ دوسرے دن وہ ایک ایک باغ میں گئی کہ شاید کسی مالی نے اسے اپنے باغ میں لگا لیا ہو لیکن شام تک اُسے وہ گلدستہ نظر نہیں آیا۔ تیسرے دن وہ اس چمن میں پہنچ گئی جہاں وہ گلدستہ لگا ہوا تھا۔ وہ اسے پہچان کر بہت خوش ہوئی اور اس کے پاس بیٹھ کر اس کے مرجھائے پھولوں کی پتیوں کو چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگی۔ مرجھائے پھول تھوڑی ہی دیر بعد سرسبز ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر باغبان دوڑتا بھاگتا بادشاہ کے پاس گیا اور کہنے لگا "عالم پناہ! میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا ہوں اور وہ گلدستہ سرسبز ہو گیا ہے"۔

بادشاہ اسی وقت دوڑتا ہوا چمن میں گیا اور کھلے پھول دیکھ کر باغبان کو ایک ہزار اشرفیاں انعام دیں پھر اُس نے دیکھا کہ ایک بُلبل ہے جو اُن کی موجودگی سے بے خبر پھولوں کو چومنے اور انہیں آنکھوں سے لگانے میں مصروف ہے تو وہ بہت حیران ہوا اور تھوڑی دیر یہ تماشہ دیکھنے کے بعد اس نے بُلبل کو پکڑ لیا اور ایک خوبصورت پنجرے میں بند کر دیا۔

گلدستہ چمن میں اور بُلبل محل میں۔ پھر وہی دُوری، وہی جُدائی۔ پھول پھر مرجھا گئے۔ بادشاہ نے بُلبل کا پنجرہ گلدستہ کے پاس رکھوا دیا تو پھول تھوڑی ہی دیر کے بعد کھل گئے۔ اب تو بادشاہ کے ہاتھ ایک کھیل آ گیا۔ وہ کبھی پنجرے کو محل میں لے جاتا کبھی گلدستہ کے پاس رکھوا دیتا۔

دو دن کے بعد ایک فقیر کا اس طرف سے گذر ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا: "حضورِ والا: ان دونوں پر جادو کا اثر ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں انہیں اس اثر سے آزاد کرنے کی کوشش کروں۔" بادشاہ نے اجازت دے دی اور فقیر نے بیٹھ کر کوئی عمل پڑھا۔ پھر زمین سے مٹی اُٹھا کر دونوں پر پھینک دی۔ وہ اسی وقت اپنی اپنی شکل میں آ گئے۔ بادشاہ ایک حسین جوڑا دیکھ کر بہت خوش ہوا اور انہیں اپنے ہمراہ محل میں لے گیا۔ اُن کی خاطر تواضع کی اور اُن کی زبانی سارا واقعہ سنا۔

شہزادہ گُل دو دن کے بعد بولا: "اب مجھے اجازت دیجئے میرے والدین منتظر ہوں گے" بادشاہ نے دونوں کو بہت سے تحفے تحائف دیئے اور فوج کا ایک دستہ ہمراہ کر کے انہیں رُخصت کر دیا۔ وہاں بادشاہ کا بُرا حال تھا چونکہ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ شہزادہ جنگل میں داہنی سمت گیا تھا اور وہاں جا کر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے" لیکن جب گُل اور بلبل محل میں داخل ہوئے تو اسکی خوشی کا ٹھکانہ

نہ رہا۔ اس نے گل کو سینہ سے لگایا۔ اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور بلبل کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ بلبل کی محبت نے گل کو جیت لیا تھا بادشاہ ملکہ اور سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ایک جادوگر کی بیٹی ہے لیکن سب مجبور تھے اور اسے گل سے جدا کرنے کی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔ آخر بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی اور سارے ملک میں جشن منایا گیا۔"

ساجدہ پروین بولی "بہت خوب! یہ قصہ بہت پسند آیا۔ ایسا ہی ایک قصہ اور سنا دیجئے بس صبح ہو جائے گی۔" شہزادہ زین الجہاں نے کہا "میرا تو حلق بھی خشک ہو گیا۔ اب زیادہ بولنے کی ہمت نہیں ہے۔ اب تو تم سناؤ" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی "مجھے تو نیند آرہی ہے میرا خیال ہے کہ آپ بھی سو جائیے۔" زین بولا "نیند تو مجھے بھی ستا رہی ہے لیکن یہاں ایک مسہری ہے وہ میں نے تمہیں دیدی اب میں کہاں جاؤں؟" ساجدہ نے کہا "آپ مسہری پر آجائیے۔ میں اس تخت پر سو رہوں گی۔"

زین بولا "نہیں! تم وہیں لیٹی رہو۔ میں تخت پر سو جاؤں گا" پھر اس نے اٹھ کر ایک تکیہ اور کمبل اٹھا کر تخت پر سونے کی تیاری کی اور ساجدہ پروین مسہری پر لیٹی رہی۔"

مینا بولی "اے نادان طوطے! آج کیا نشہ کیا ہے دیکھتا نہیں صرف ایک پہر رات باقی رہ گئی ہے"

طوطے نے کہا "زین الجہاں اور ساجدہ کے سونے کی تیاری کا حال سنا تو مجھے بھی نیند کا خیال آگیا۔"

بادشاہ کہنے لگا "خدا تمہاری عمر دراز کرے میاں طوطے! آج چوتھی شب ہے کہ تم قصے کہانیاں سنا رہے ہو۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو میں ہر رات تم سے ایک قصہ سنتا اور ہرگز بیمار نہ پڑتا۔ ان چار دنوں میں میری طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی ہے۔ اچھا! اب ہم سب کو بھی آرام کرنا چاہیئے۔ اگر زندگی رہی تو کل رات پھر اسی جگہ بیٹھ کر باقی قصہ سنیں گے۔" اور مجلس برخواست ہوئی۔

پانچویں شب

شاہ افروز — جو — زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اب رُو بصحت ہوتا جا رہا تھا — اطبائے حاذق نے اُس کے علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن پھر بھی مرض بڑھتا گیا۔ مگر قصے کہانیوں کو سُن سُن کر وہ مرض تیزی سے دُور ہو رہا تھا۔ یہ حال دیکھ کر اطبا کہنے لگے کہ علاج کیلئے صرف دوائیں ہی ضروری نہیں ہیں، تفریح طبع[1] کا سامان بھی ہونا چاہیئے۔ تنہائی، غور و فکر اور خاموشی صحت کے لئے مضر[2] ہیں۔ ان سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔

آج پانچویں شب ہے — وزیر، امیر اور درباری وقت سے پہلے ہی پہنچ چکے ہیں دونوں سنہری پنجرے بھی شاہی تخت کے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ صرف شاہ کی آمد کا انتظار ہے۔ مینا خاموش بیٹھی راہ دیکھتی رہی پھر بولی: "اے طوطے! کیا تجھے معلوم نہیں کہ چھری سے کام لینا ہو تو پہلے اُسے پتھر پر رگڑ کر اسکی دھار تیز کر لیتے ہیں"۔ طوطا غصے سے آگ بگولا ہو کر بولا: "بے وقوف! میں کیا اسوقت چھری لئے بیٹھا ہوں یا تجھے ذبح کر رہا ہوں"۔ مینا نے کہا: "نہیں طوطے! بات یہ ہے کہ سلطان عالم پناہ ابھی تشریف نہیں لائے ہیں ابھی آمد سے پہلے اپنی چونچ تیز کر لے"۔ طوطا بولا: "کم عقل، دیوانی۔ میں کیا سلطان عالم پناہ کا بدن کاٹنے یہاں بیٹھا ہوں"۔ مینا کہنے لگی: "نہیں طوطے: میرا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ تشریف لائیں تو کوئی قصہ ہی چھیڑ دے تاکہ محفل پر اُداسی نہ چھانے پائے"۔

وزیر بھی ایک زبان ہو کر بولے: "طوطے میاں! مینا کا خیال نیک ہے"۔ دوسرے لوگوں نے بھی وزیروں کی بات کی تائید کی اور طوطا خوش ہو کر پروں کو پھڑپھڑانے لگا۔

مینا نے کہا: "اے طوطے! میری بات کا بُرا نہ مانا کر"۔ طوطا بولا: "اچھا اچھا! خاموش رہ اور سُن کہ بادشاہ دارا کی بیٹی شہزادی دلدار حُسن و خوبصورتی میں یکتائے عالم تھی۔ قدرت نے خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اُسے نہایت سُریلا گلا بھی عطا کیا تھا۔ وہ اکثر محل سے دُور ایک کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر گاتی اور خود ہی لُطف اندوز ہوتی۔ ایک روز وہ حسب عادت وہاں بیٹھی گانے میں محو تھی کہ پڑوسی ملک کا شہزادہ جانعالم شکار کھیلتے کھیلتے پانی کی تلاش میں اس طرف آ نکلا۔ پہلے تو وہ کھڑا گانا سنتا رہا پھر اس سے نہ رہا گیا تو وہ اس کے قریب آیا۔ شہزادی اُس کے قدموں کی آہٹ سے چونک کر خاموش ہو گئی اور پلٹ کر دیکھنے لگی۔ جانعالم اُسکی خوبصورتی سے بے حد متاثر ہوا تھا اور ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگی: "کیا دیکھ رہے ہو؟" اُس نے جواب دیا: "ناراض کیوں ہوتی ہو۔ پیاسا ہوں کنوئیں پر آیا ہوں تھوڑا سا پانی پلا دو"۔ اُس نے بے رُخی سے کہا: "پانی آنکھوں میں"۔ جانعالم بولا: "بہت خوب ہم بھی

معنی: [1] دل بہلانے کا [2] نقصان دینے والی [3] حمایت یا طرفداری کرنا

تمہاری ہی آنکھوں سے پیاس بجھا کر رہیں گے"۔

دلدار نے کہا: "زیادہ زبان نہ چلا۔ جانتا نہیں میں اس ملک کی شہزادی ہوں اور جو شخص معمولی سی بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے اُس کو جہنم میں پہنچا دیتی ہوں"۔

جانعالم بولا: "جا رہا ہوں اے مغرور لڑکی۔ مگر یاد رکھ تجھے اپنی غلامی میں نہ لیا تو میں بھی جانعالم نہیں" اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔

جانعالم غصہ میں بڑا بھلا تو کہہ آیا تھا مگر اُس کی خوبصورتی، اُس کی نزاکت دل و دماغ سے نہ جاتی تھی۔ وہ اکثر بیٹھے لیٹے سرد آہیں بھرتا اور اُسے یاد کرتا ؎

ہائے وہ پھول سا چہرہ، وہ شرابی آنکھیں
ہائے وہ گیسوئے مشکیں کہ گھٹا ہو جیسے

وہ اُس کی یاد میں کھویا رہتا۔ نہ اب شکار پر جاتا۔ نہ احباب[1] کی محفل میں شریک ہوتا۔ بس تنہائی ہوتی اور وہ۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے چہرے کی سُرخی اُڑنے لگی آنکھوں سے ویرانی ٹپکنے لگی بادشاہ نے یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ جوانی دیوانی کہلاتی ہے اسی دیوانی نے اسے ستایا ہے پھر اس نے جانعالم کے چند دوستوں کو اسکے دل کا حال معلوم کرنے کیلئے مقرر کیا لیکن ؎

لبوں پہ مہر خامشی لگی ہے عشق میں مگر
نفس نفس ہے دردِ دل کی داستان لئے ہوئے

اُس نے کسی پر راز ظاہر نہ کیا۔ دل کی دل میں لئے رہا اور چند دنوں کے بعد ؎

ہے یہ عالم مرا کہ اب پہروں مجھ کو اپنی خبر نہیں ہوتی!

بادشاہ نے ملکہ سے کہا: "خدا کیلئے تم ہی جانعالم سے دریافت کرو آخر وہ کیا چاہتا ہے"۔ ملکہ نے اُس سے دل کا حال معلوم کیا اور اُسے یقین دلایا کہ اُس کی خواہش ہر قیمت پر پوری کی جائے گی۔ آخر جانعالم نے سب کچھ بیان کر دیا۔ جسے سُن کر ملکہ ہنستے ہوئے بولی: "نادان! یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی، آج ہی پیغام بھیج کر اُسے راضی کر لیں گے"۔

غرض اُسی دن ایک وزیر کو بے شمار تحفے تحائف دے کر بادشاہ دارا کی خدمت میں بھیج دیا۔ دارا نے پیغام وصول کر کے سوچا کہ اس سے بہتر رشتہ کیا ہوگا۔ ایک ہی شہزادہ ہے تخت و تاج[2] کا وارث ہوگا۔ پھر ملک بھی خوشحال ہے اور شہزادہ نوجوان اور بے حد خوبصورت بھی ہے۔ اُس نے یہ سوچ کر رشتہ منظور کر لیا اور ملکہ کے مشورے سے تاریخ مقرر کر کے وزیر کو انعام و اکرام سے

معنی: [1] دوست [2] دیہہ مر۔ مالک۔

نوازا اور جانعالم کے لئے بہت سے تحائف دے کر اُسے رخصت کیا۔
وزیر نے واپس پہنچ کر خوشخبری دی تو بادشاہ، ملکہ اور جانعالم تینوں بہت خوش ہوئے اور اُن میں سے ہر ایک نے وزیر کو الگ الگ انعام دیئے۔
تاریخ مقررہ پر بادشاہ اپنے اکلوتے بیٹے جانعالم کی بارات لے کر پہنچ گیا۔ جسوقت بارات صدر دروازے میں داخل ہو رہی تھی شہزادی دلدار اپنی ہمجولیاں کے ساتھ دریچہ میں کھڑی تھی۔ ایک نے جانعالم کو دیکھکر کہا: "بہت پیارا دولہا ہے" دوسری نے کہا: "جوڑ بہت اچھی رہیگی" تیسری نے کہا: "خدا نظرِ بد سے بچائے۔" مگر دلدار اسکی صورت دیکھتے ہی کانپ اٹھی اور دل میں کہنے لگی: "اے میرے اللہ! یہ تو وہی نوجوان ہے جو کنوئیں پر کہہ گیا تھا کہ تجھے اپنی غلامی میں نہ لیا تو میں بھی جانعالم نہیں" اور وہ پریشان ہو کر دریچہ سے پیچھے ہٹ گئی۔ ایک ہمجولی نے کہا: "کیا دولہا پسند آگیا؟" وہ بگڑ کر بولی: "یہ بھی کوئی دولھا ہے۔ بھکاری، منگتا کہیں کا۔" اس بات کو سُن کر سب حیران رہ گئیں۔ ان میں سے ایک دوڑتی ہوئی ملکہ کے پاس گئی اور اس سے کہا: "شہزادی صاحبہ کو تو دولہا پسند نہیں آیا۔ وہ اُسے بھکاری اور منگتا کہہ رہی ہیں۔"
ملکہ بڑی پریشان ہوئی اور آکر اُس سے پوچھنے لگی کہ جانِ مادر! کیا دولہا پسند نہیں آیا۔ وہ بولی: "امّی جان! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ اگر آپ اس کے ساتھ بیاہنے میں خوش ہیں تو مجھے انکار کرنے کی جرأت حاصل نہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مریض ہے۔ میں ایک روز کنوئیں کی مینڈ پر بیٹھی تھی یہ مجھ سے پانی مانگنے آیا تھا۔ اسوقت سے مجھے اچھی طرح علم ہے کہ وہ صحتمند آدمی نہیں ہے۔" ملکہ نے کہا: "نہیں بیٹی! ان دنوں بیمار ہوگا اس وقت تو صحتمند ہے۔ وہم کی باتیں کرنا اچھا نہیں ہوتا۔" شہزادی دلدار بولی: "امّی جان! میں انکار تو نہیں کر رہی"۔ ملکہ اسکے سر پہ ہاتھ پھیر کر چلی گئی۔ پھر دلدار نے اپنی انا[1] کو بلوا کر اُسے ساری بات سنائی اور کہنے لگی: "میں اس نوجوان سے ہرگز بیاہ نہیں کروں گی۔" انا بولی: "فکر نہ کرو بیٹی۔ میں ابھی کوئی تدبیر کرتی ہوں"۔ اور اُس نے مطبخ خانے[2] میں جاکر شربت کے اُس گلاس میں جو شہزادے کیلئے تیار کیا گیا تھا ایک خاص سفوف ملا دیا۔ مہمانوں کی خاطر تواضع تازہ پھلوں، انواع واقسام کے میووں اور شربت سے کی گئی۔ شہزادے نے سفوف ملا شربت پی لیا اور انا خوش ہو کر دلدار سے کہنے لگی: "اب تماشہ دیکھنا۔ تمہیں انکار کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔"
عصر کی نماز کے بعد یعنی شربت پینے کے تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد نکاح خوانی کی رسم کے

معنی: [1] دودھ پلانے والی عورت [2] باورچی خانہ

لئے محفل منعقد ہوئی۔ قاضی صاحب نکاح پڑھنے لگے اور تمام حاضرین محفل سر جھکا کر خاموش بیٹھ گئے۔ قاضی صاحب نے ابھی نصف نکاح پڑھا تھا کہ شہزادے پر تشنج کا دورہ پڑ گیا۔ اُس کی داہنی ٹانگ، بازو، ہونٹ اور ناک کے نتھنے یوں حرکت کرنے لگے جیسے ان میں رعشہ آگیا ہو۔ یہ حال دیکھ کر قاضی صاحب خاموش ہو گئے اور سب لوگ حیرانی سے دیکھنے لگے۔ ادھر حکیموں کو طلب کیا گیا اِدھر دورہ خود بخود ہی ختم ہو گیا۔ یہ دورہ صرف ایک دو منٹ کا تھا لیکن بادشاہ دارا سہم گیا اور کہنے لگا، "مریض شہزادے سے میری بیٹی کا بیاہ نہیں ہو سکتا۔" جانعالم کے باپ نے عرض کی: "بھائی! جانعالم صورت سے صحت مند اور تندرست ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جو اس پر دورہ پڑا۔ اور دورہ بھی معمولی تھا۔ آپ فکر نہ کریں۔" ملکہ نے کہلا کر بھیجا: "یہ پہلا موقع نہیں ہے غلط بیانی کی کیا ضرورت ہے اپنی بارات واپس لے جائیے۔" غرض جانعالم اور اس کے باپ کی کسی نے نہیں سُنی اور بارات واپس جانے لگی۔

شہزادی دلدار نے ایک خاص کنیز کو سکھا پڑھا کر جانعالم کے پاس بھیجا۔ وہ جس وقت اس کے پاس پہنچی۔ وہ دروازے سے باہر نکل رہا تھا اور بے حد اُداس تھا۔ وہ کیا سارے باراتی ہی اُداس اور مغموم تھے۔ کنیز نے دھیمی آواز میں کہا: "ہماری شہزادی صاحبہ نے فرمایا ہے کہ آپ نے تو مجھے اپنی غلامی میں لینے کا عہد کیا تھا مگر ناکام ہو کر جا رہے ہو۔ اب میں آپ کو اپنی غلامی میں رکھ کر نہ دکھاؤں تو میرا نام شہزادی دلدار نہیں۔" جانعالم دل ہی دل میں تاؤ پیچ کھا کر رہ گیا۔

مینا بولی: "اے طوطے! تو تو حقیقت میں بڑا اچھا قصّہ گو ہے کیسا پیارا قصہ چھیڑا ہے۔"

طوطا کہنے لگا: "شکریہ۔ میں یہ کہتا تھا کہ مجھے زبان دے چلا، سُنے گی تو محو حیرت رہ جائیگی۔" اُسی وقت چوبداروں نے آواز لگائی: "با ادب با ملاحظہ ہوشیار، ظلِ سبحانی عالم پناہ جناب شاہ افروز بخت والیٔ تخت و تاج جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔" حاضرین مجلس برائے تعظیم ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ شاہ افروز نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی تخت پر براجمان ہوا۔ مینا کہنے لگی "تارے گِن گِن کر وقت گذارا ہے سلطان عالم پناہ! خیر تو ہے؟"

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "آج ہم ذرا مصروف رہے۔ بہرحال کل سے خیال رکھیں گے۔"

مینا کہنے لگی، "طوطے میاں کو اجازت دیجئے کہ وہ اب شہزادہ زین الجہاں اور سوداگر کی بیٹی ساجدہ پروین کے بارے میں بیان کریں کہ وہ کب تک سوتے رہے۔"

بادشاہ نے کہا: "تم بہت بے چین ہو۔ اچھا طوطے میاں! ان کی بے چینی تو دُور کر دو۔"

طوطا کہنے لگا: "عرض ہے کہ زین الجہاں تخت پر لیٹ تو گیا مگر اُسے نیند نہ آئی اور وہ یہ

سوچتا رہا کہ ساجدہ میرے ساتھ کمرے میں تنہا ہے، دروازے بند ہیں کھڑکیوں میں پردے پڑے ہیں کہیں وہ نوجوان جس نے ساجدہ کو دل دے رکھا ہے شک و شبہات کی دنیا میں نہ کھو جائے اور اس پر الزام لگا کر اس کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ اگر ایسا ہوا تو بہت بُرا ہو گا۔

ساجدہ کی آنکھ سورج طلوع ہونے سے قبل ہی کھُل گئی۔ وہ زین کو جاگتا دیکھ کر بولی: "کیا آپ سوئے نہیں؟" اُس نے جواب دیا: "ساجدہ! تم کسی کی امانت ہو تمہاری نگرانی کر رہا تھا۔" وہ شرما کر چپ رہ گئی۔ زین بولا "اب تم کو اجازت ہے تم چلی جاؤ لیکن رات کو پھر آجانا۔"

وہ کہنے لگی: "مجھے بلانے کا آخر مقصد کیا ہے؟" زین نے کہا: "وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔"

ساجدہ کچھ سوچتی ہوئی سلام کر کے رخصت ہوئی اور زین الجہاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا: "کوئی بات معلوم ہوئی" اُس نے عرض کی، "جہاں پناہ! لڑکی بہت ہوشیار ہے آج کی رات اُس نے کچھ نہیں بتایا لہٰذا میں نے اُسے پھر بلایا ہے۔ آپ فکر نہ کریں میں اُس سے معلوم کر کے ہی رہوں گا۔" بادشاہ بولا: "اگر وہ آج بھی نہ بتلائے تو پھر ہم اُسے سخت عذاب میں ڈال دیں گے۔"

رات ہوتے ہی کوتوال ساجدہ بیوی کو زین الجہاں کے پاس چھوڑ گیا، وہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور سلام کر کے تخت پر بیٹھ گئی۔ زین الجہاں بولا: "مسہری پر بیٹھو۔ یہاں نہیں" یہ کہنے لگی: "نہیں! آج آپ مسہری پر بیٹھیں گے۔" غرض زین مسہری ہی پر بیٹھ گیا۔

ساجدہ نے کہا: "آج کوئی اور قصہ سنایئے" زین بولا: "قصہ گو تخت پر بیٹھتا ہے آج یہ جگہ تم نے لی ہے لہٰذا تم ہی کوئی قصہ بیان کرو۔" ساجدہ نے کہا: "مجھے تو ایک قصہ بھی یاد نہیں آپ ہی سنایئے۔" وہ کہنے لگا: "بہت بہتر سنو! ایک شہزادی تھی اس کا نام تھا یسما لیکن لوگ اُسے شہزادی گوہر پوش کہتے تھے چونکہ وہ ایسا کوئی لباس نہیں پہنتی تھی جس میں لعل و گوہر نہ ٹکے ہوں۔ وہ جب جوان ہوئی تو بادشاہ کو اُس کے بیاہ کی فکر ہوئی۔ بہت سے شہزادوں اور بادشاہوں کے پیغام بھی موصول ہو رہے تھے لیکن بادشاہ اس کی مرضی سے رشتہ قبول کرنا چاہتا تھا اسی لئے وہ ہر اس شہزادے اور بادشاہ کو بُلا لیتا تھا جو شہزادی سے شادی کرنے کا خواہشمند ہوتا۔ شہزادی دریچہ سے اُسے دیکھتی اور ناک منہ چڑھا کر انکار کر دیتی۔ اسی طرح ایک سال کا عرصہ گذر گیا۔

ایک روز وہ اپنی ہمجولیوں کے ہمراہ دریا کی سیر کر رہی تھی کہ ایک دیوانہ ہاتھ میں ایک تصویر لئے اُدھر سے گذرا شہزادی نے ہمجولیوں سے کہا: "دیوانے سے تصویر تو لے کر آؤ، ذرا ہم بھی دیکھیں کہ کیسی ہے۔" ہمجولیوں نے دوڑ کر دیوانے کو گھیر لیا۔ وہ پہلے تو انہیں دیکھ دیکھ کر

ہنستا رہا پھر انہیں نوچنے کھسوٹنے اور پتھر برسانے لگا۔ ایک کنیز نے موقع پا کر اس کے ہاتھ سے تصویر چھین لی اور بھاگ کر شہزادی کے پاس پہنچ گئی۔ اُس نے جو تصویر دیکھی تو دیکھتی رہ گئی۔ یہ تصویر ایک بہت ہی خوبصورت نوجوان کی تھی، وہ کہنے لگی: "رشتہ کے لئے جو بادشاہ اور شہزادے آئے وہ اس نوجوان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ نجانے یہ خیالی تصویر ہے یا ایسا کوئی نوجوان موجود ہے۔ ایک ہمجولی نے مشورہ دیا کہ شہر کے تمام مصوروں کو طلب کر لیجئے۔ ان میں سے جس کسی نے یہ تصویر بنائی ہوگی وہ بتا دے گا۔ شہزادی کو یہ مشورہ بے حد پسند آیا اور اُس نے دوسرے ہی دن تمام مصوروں کو بلوا کر انہیں وہ تصویر دکھائی اور ان سے پوچھنے لگی کہ تم میں سے یہ تصویر کس نے بنائی ہے؟

باری باری ہر ایک مصور انکار کرتا چلا گیا آخر ایک ضعیف العمر مصور بولا: "یہ نادر و نایاب تصویر ہمارے استاد محترم نادر علی صاحب کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن ان تک پہنچنا بہت مشکل ہے چونکہ وہ کمال آباد میں رہتے ہیں اور یہاں دو چار سال میں ایک مرتبہ تشریف لاتے ہیں۔"

شہزادی سیما گوہر پوش نے ان سب کو ایک ایک اشرفی دے کر رخصت کیا اور ایک ایلچی کو کمال آباد روانہ کیا۔ وہ چست و چالاک گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔

استاد نادر علی کے پاس پہنچ کر ایلچی نے شہزادی کی خواہش بیان کی اور ساتھ ہی درخواست کی کہ آپ اسی وقت میرے ہمراہ تشریف لے چلئے۔ استاد بولے: "میں بوڑھا نحیف و کمزور گھوڑے پر کس طرح چل سکتا ہوں۔ جھٹکوں سے تو میری جان راستے ہی میں نکل جائے گی۔"

ایلچی نے کہا: "جو سواری آپ مناسب سمجھتے ہوں اُس پر چلے چلئے۔" انہوں نے جواب دیا: "تم واپس جا کر شہزادی سے کہنا: "ہم آج رات ایک پہر گزرنے پر پہنچ جائیں گے، محل کے دروازے پر کسی خدمتگار کو مقرر کر دینا۔" ایلچی نے پوچھا: "آپ کس سواری پر تشریف لائیں گے؟" انہوں نے جواب دیا: "یہ تمہارے پوچھنے کی باتیں نہیں ہیں، تم جا کر ہمارا جواب شہزادی کو سنا دینا۔" ایلچی سلام کر کے رخصت ہوا۔

شہزادی سیما جواب سن کر بڑی حیران ہوئی اور بہت دیر تک غور کرتی رہی کہ استاد اگر بے حد کمزور ہیں تو یہاں کس طرح پہنچیں گے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ رات ہوتے ہی اس نے سات خدمت گار استاد کے استقبال کے لئے مقرر کر دیئے اور خود بھی بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔

ایک پہر رات گذرتے ہی استاد نادر علی دروازے پر آ موجود ہوئے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ کس سواری سے اور کونسی راہ سے آئے ہیں۔ بہر حال خدمت گار انہیں عزت و احترام کے ساتھ محل میں شہزادی کے پاس لے گئے۔ سیما نے جھک کر سلام عرض کیا اور انہیں ایک تخت مرصع پر بٹھا کر

معنی: [1] پیغامبر۔ قاصد [2] جڑاؤ تخت

اُن کی خاطر تواضع کے لئے کھانے اور قسم قسم کے شربت منگوائے مگر انہوں نے کہا: "میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ میرے معدے میں اتنی قوت کہاں ہے جو اس قسم کی چیزوں کو ہضم کر سکے البتہ تمہاری خوشنودی[1] کی خاطر تھوڑا سا دودھ پی لیتا ہوں"۔ انہوں نے نصف پیالہ دودھ کا پیا اور پوچھنے لگے: "اب کہو مجھے کیسے یاد کیا ہے؟"

شہزادی نے تصویر پیش کرتے ہوئے کہا: "مجھے یہ بتلایئے کیا یہ تصویر آپ نے بنائی ہے؟"

وہ بولے: "ہاں شہزادی! یہ میری ہی بنائی ہوئی تصویر ہے ابھی اس میں کچھ کام باقی تھا کہ یہ غائب ہو گئی۔ میں نے چالیس روز تک اسے تلاش کیا آخر مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ تمہیں یہ تصویر کہاں سے ملی؟"

اس نے کہا: "دریا کے کنارے میں نے ایک دیوانے آدمی کے ہاتھ میں یہ تصویر دیکھی تھی پھر میرے حکم سے میری سہیلیاں اُس سے چھین کر لے آئی تھیں۔ کیا یہ خیالی تصویر ہے؟"

اُستاد نادر علی نے جواب دیا: "نہیں شہزادی۔ یہ تصویر لعل شہزادے کی ہے۔ جب یہ شہزادہ صرف ایک ہفتہ کا تھا تو سبز پری اپنی بیٹی کے لئے اُسے چرا کر لے گئی تھی۔ یہ شہزادہ اپنے والدین کا ایک ہی بچہ تھا اور بڑے ارمانوں سے پیدا ہوا تھا۔ وہ غریب آج تک اسے یاد کر کے روتے اور آنسو بہاتے ہیں۔ اُدھر سبز پری کی بیٹی نیلم پری جو شہزادے سے صرف دو دن چھوٹی ہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتی۔ وہ کہتی ہے کہ تیری پرورش میری ماں نے یتیم بچوں کی طرح کی ہے اور ایسے شخص کی بیوی بنکر میں اپنی توہین[2] خود نہیں کر سکتی۔ لیکن اپنی ماں کے سامنے چپ رہتی ہے"۔

سیما بولی: "آپ نے یہ تصویر کیسے بنائی۔ کیا وہ آپ کے پاس آتا ہے؟" اُستاد نے جواب دیا: "کمال آباد سے دس کوس کے فاصلہ پر پہاڑ کے دامن میں ایک خوشنما حوض ہے وہاں شہزادہ ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو غسل کے لئے آتا ہے۔ ایک دن اتفاق سے میں بھی وہاں گیا ہوا تھا اور قدرتی منظر کا عکس کاغذ پر اُتار رہا تھا کہ پریوں کا خوبصورت و دلکش تخت وہاں اُترا جا رہا تھا۔ ان میں پریاں تھیں اور یہ شہزادہ تھا۔ ان میں سے ایک پری نے میرے قریب آ کر مجھ سے پوچھا کہ بڑے میاں! تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ میں ایک مصوّر ہوں اور یہاں کا منظر دلفریب[3] دیکھ کر کاغذ پر اسے اُتار رہا ہوں۔ وہ واپس چلی گئی پھر سبز پری آئی اور کہنے لگی: "کیا تم اس آدم زاد کی تصویر بنا سکتے ہو" میں نے کہا کہ میرا تو پیشہ ہے پھر میں کیوں نہیں اُتاروں گا مگر شہزادے کو سارا دن میرے سامنے رہنا ہو گا۔ پری نے کہا: "نہیں! صرف دو گھنٹے کے لئے اجازت دے سکتی ہوں اگر کوئی کمی رہ جائے تو اگلے مہینے پھر دو گھنٹے کے لئے چھوڑ دوں گی۔ غرض میں نے اس بات کو قبول کیا اور اسی روز تصویر بنانے لگا۔ شام تک یہ تصویر مکمل نہیں ہو سکی تو اگلے مہینے کے لئے احتیاط سے رکھ دی۔

معنی: ۱۔ رضامندی، خوشی ۲۔ پانا ۳۔ لائق ۴۔ دل بہلانے والا۔

ایک مہینے کی مدت کے بعد شہزادہ پھر آیا تو میں نے تصویر مکمل کی صرف رنگ کا کچھ کام باقی رہ گیا تھا۔ میں وہاں سے واپس کمال آباد آ گیا مگر دوسرے ہی دن یہ تصویر غائب ہو گئی۔ میں سمجھتا رہا کہ شاید پری آ کر اُٹھا لے گئی ہے مگر جب اگلا مہینہ آیا تو پری نے لاعلمی[1] ظاہر کی اور تصویر مانگنے لگی۔ میں نے صاف صاف بتا دیا لیکن اُس نے ایک نہ سُنی اور وہ میری دشمن ہو گئی۔

خدا کی قدرت کہ دوسرے دن میں گھر سے باہر گیا ہوا تھا کہ وہ سبز پری میرے گھر کو آگ لگانے کی نیت سے آ گئی۔ وہاں ایک دیوانہ اسکو دیکھ رہا تھا وہ جیسے ہی میرے گھر میں داخل ہوئی دیوانہ بھی دیوار پر چڑھ کر اندر پہنچ گیا اور اُس سے لپٹ گیا۔ اُسکے بال نوچ ڈالے چہرہ زخمی کر دیا۔ کپڑے پھاڑ دیئے اور خوب زدوکوب[2] کر کے گھر سے باہر نکال دیا۔ وہ پریشان حال ہانپتی کانپتی اپنے تخت تک پہنچی۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ باہر زمین پر شہزادے کی تصویر پڑی ہے وہ اسے اٹھانے کے لئے بڑھی لیکن دیوانہ پھر اس کی جانب دوڑا۔ وہ بھاگ کر تخت پر سوار ہو گئی اور تخت زمین سے اُوپر اٹھتا چلا گیا اور دیوانہ تصویر اٹھا کر اُچھلتا کودتا ایک جانب چل دیا۔

ایک مہینے کے بعد جب میں شہزادے سے ملاقات کرنے حوض پر گیا تو وہاں سبز پری نے یہ سارا واقعہ بیان کیا سُن کر مجھے بڑا تعجب ہوا لیکن اس دیوانے کو میں کہاں تلاش کرتا اور اس سے تصویر کیسے واپس لیتا۔ پھر یہ خیال بھی آتا کہ ایک دیوانہ جسے اپنا ہوش نہیں وہ ایک تصویر کی حفاظت کیا کرے گا۔ اس نے تو پھاڑ کر کہیں پھینک بھی دی ہو گی۔ تمہارے پاس تصویر دیکھ کر اور بھی حیران ہوں کہ دیوانے نے اس کو بڑی حفاظت سے رکھا حد تو یہ ہے کہ اس پر نہ کوئی دھبہ ہے نہ کہیں شکن[3] آئی ہے"۔

معنی: [1] بے خبری [2] مار پیٹ کر

شہزادی سیما سوچ رہی تھی کہ میں اُستاد سے اظہارِ مدعا کس طرح کروں لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ استاد نے اپنی اسّی سالہ زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے اور وہ اس کے دل کا مقصد سمجھ چکے ہیں۔ وہ دل میں کہہ رہی تھی کہ میں اپنی کسی ہمجولی کی زبانی کہلوا دوں لیکن اُسی لمحہ نادر علی نے کہا: "شہزادی! میری خواہش ہے کہ شہزادہ اس پری کی قید سے آزاد ہو جائے۔ اس کے والدین جو بائیس ۲۲ سال سے اس کی جدائی میں آنسو بہا رہے ہیں اپنی اولاد کو سینہ سے لگائیں گے اور اگر تم نے اقرار کر لیا تو اس شہزادے کو ایک حسین شہزادی بھی مل جائے گی۔" سیما نے شرما کر نگاہیں نیچی کر لیں۔

نادر علی چند لمحے کی خاموشی کے بعد بولے: "اگر وہ دیوانہ جس سے تم نے یہ تصویر حاصل کی ہے کہیں مل جائے اور اسے اپنے ہمراہ کمال آباد لے آؤ تو لعل شہزادہ بڑی آسانی سے آزاد ہو سکتا ہے چونکہ سبز پری دیوانے سے خوفزدہ ہے اور اس کی اکلوتی بیٹی نیلم پری شہزادے سے نفرت کرتی ہے۔ اگر دیوانہ کہیں نہ مل سکا تو پھر شہزادے کا آزاد ہونا ممکن نہیں۔"

سیما نے کہا: "اُستاد! میں اُسے تلاش کرنے کی پوری کوشش کرونگی۔" پھر اُس نے پوچھا کہ "اُستاد! آپ یہاں کس سواری پر پہنچے تھے؟" وہ ہنسکر بولے: "ایک جن مجھے یہاں چھوڑ گیا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے واپس لے جانے کے لئے آئے گا۔" شہزادی نے تعجب سے کہا: "ایک جن! آپ کو ڈر نہیں لگتا کیا؟" وہ بولے: "ڈر اور خوف جوانوں کو لگتا ہے میں ایک بوڑھا آدمی، مجھے کیا ڈر لگے گا۔" پھر سیما نے پُوچھا: "کیا وہ جن شہزادے کو نہیں لا سکتا؟" اُستاد نے کہا: "نہیں! اُس نے مجھ سے صرف یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ میری خدمت کرے گا اور کسی دوسرے کے کام نہیں آئے گا۔"

غرض وہ اور تھوڑی دیر باتیں کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شہزادی اور اسکی ہمجولیاں صدر دروازے تک چھوڑنے گئیں اور عزت کے ساتھ رخصت کر کے واپس لوٹ آئیں۔

دوسرے دن شہزادی نے بہت سے خدمت گاروں کو چاروں طرف دوڑا دیا تاکہ وہ دیوانے کو تلاش کریں اور اگر مل جائے تو اُسے پکڑ کر لے آئیں۔ خدمت گار شہر کی سڑکوں گلیوں اور کوچوں میں تلاش کرنے کے بعد شہر سے باہر گئے۔ پھر اُن میں سے دو چار دریا کی جانب اور باقی جنگل کی طرف چلے گئے۔ چھ دن کی تلاش کے بعد وہ انہیں جنگل میں نظر آیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے آنکھیں بند کئے کھڑا تھا اور ایک ہاتھ سے اُس کی ایک شاخ پکڑ رکھی تھی۔ پیروں میں ایک خوبصورت صندوقچی اور کھانے کے دو تین برتن رکھے ہوئے تھے۔ خدمت گاروں نے اُس کے نزدیک جا کر کہا: "یہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو بھائی!"

دیوانہ بولا: "یہی میرا ٹھکانہ ہے میں اسی جگہ رہتا ہوں اور یہیں کھڑا سوچتا رہتا ہوں۔"

معنی: ۱ ڈرا ہوا۔ سہما ہوا۔

ایک خدمت گار نے کہا: "ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟" وہ بولا: "ہرگز نہیں۔ میرا بس یہی ٹھکانہ ہے میں کسی کے ہاں نہ جاتا ہوں اور نہ یہاں کسی کو ٹھہرنے دیتا ہوں۔"

خدمت گاروں نے کہا: "ہم تمہیں ساتھ لے جاتے ہیں ہماری شہزادی نے تم کو یاد کیا ہے۔" وہ بگڑ کر بولا "خاموش! جاؤ اپنی شہزادی سے کہہ دو کہ ہم سے ملاقات کرنا چاہتی ہے تو یہاں آجائے۔ ہم اُس کے غلام نہیں ہیں جو یہاں سے چل کر اس کے ہاں جائیں"۔

خدمت گاروں نے آپس میں صلاح ٹھہرائی کہ اسے لے جانا تو آسان کام نہیں ہے چل کر کہدینگے کہ اگر ملاقات کی خواہش ہے تو خود یہاں چلی آئیں" اور وہ دیوانہ کو سلام کرکے واپس چلے گئے۔ شہزادی سیما ان کی واپسی کی منتظر تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ دیوانے کو ساتھ لے کر لوٹیں گے لیکن جب اس نے دیوانے کو ان کے ہمراہ نہ دیکھا تو اُسے بہت غصہ آیا اور کہنے لگی: "اُسے کیوں نہیں لائے۔ کیا وہ کہیں نظر نہیں آیا؟"

خدمت گاروں نے عرض کی: "شہزادی صاحبہ کا اقبال بلند ہو۔ وہ دیوانہ جنگل میں ایک درخت کے نیچے رہتا ہے وہاں اس کے پاس کھانے کے برتن اور ایک خوشنما صندوقچی بھی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ آنے پر راضی نہیں ہوا۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ اُسی کے پاس تشریف لے چلئے"۔

شہزادی کی ہمجولیوں نے کہا: "بات تو مناسب ہے۔ ہم سب وہیں کیوں نہ چلیں"۔

دوسری صبح شہزادی سیما گوہر پوش نے ایک ہمجولی اور ایک خدمت گار کو ساتھ لیا اور جنگل کیطرف روانہ ہوگئی۔ تینوں گھوڑوں کو دوڑاتے چلے جا رہے تھے اس وقت ان کی زبان پر بس ایک ہی دعا تھی کہ خدا کرے وہ دیوانہ اسی درخت کے نیچے مل جائے"۔

ساجدہ پروین بولی: "قطع کلامی معاف! کل آپ نے صہبا اختر اور نادرہ کا قصہ بیان کیا تھا اور اس طرح ختم کیا تھا کہ جس درخت کے نیچے بیٹھ کر انہوں نے ناشتہ کیا تھا اس کی ایک شاخ پکڑ کر کھڑا ہوگیا اور دل میں کہنے لگا کہ جب تک وہ واپس نہیں آئے گی میں اسی جگہ کھڑا رہونگا، خواہ میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے (صفحہ ۷۱) تو یہ دیوانہ کہیں وہ صہبا اختر ہی تو نہیں تھا جو نادرہ کی یاد میں کھڑا تھا
زین الجہاں ہنستے ہوئے کہنے لگا: "تمہاری ذہانت کی داد نہیں دی جاسکتی۔ میں آگے چل کر یہی بتاتا کہ وہ دیوانہ اصل میں صہبا اختر تھا"۔

ساجدہ پروین بولی: "اچھا! پھر کیا ہوا؟" زین الجہاں نے کہا: "وہ تینوں اُس مقام پر پہنچ گئے جہاں صہبا محبوب کی یاد میں کھڑا تھا۔ شہزادی سیما اُسے دیکھ کر خوش ہوگئی اور دونوں سے کہنے لگی: "تم یہیں

معنی: ۱؎ بات کاٹنا (بات کہتے ہوئے بولنے پر کہہ دیتے ہیں)

کھڑے رہنا۔ میں اس کے پاس تنہا جاؤں گی" اور وہ گھوڑے سے اُتر کر اُس کے پاس گئی۔ مگر اُسے تو کچھ ہوش ہی نہ تھا۔ وہ کھویا ہوا تھا۔

شہزادی سیما بولی: "تمہیں کس کا انتظار ہے؟" وہ آنکھیں بند کئے ہوئے کہنے لگا: "نادرہ کا۔ وہ نجانے کہاں چلی گئی ہے ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی"۔ سیما نے کہا: "تمہیں کیا فکر ہے۔ وہ آرام سے ہوگی" صہبا کہنے لگا: "مجھے کیا فکر ہے۔ ارے پگلی! کیا کہوں؟" "کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے"۔

کہ مجھ سے دور کہیں وہ بھی بیقرار نہ ہو
کسی کے دل پہ مری حسرتوں کا بار نہ ہو
وہ آنکھ جس نے کبھی شمع دل جلائی تھی
کسی فضول سی حسرت میں نم نہ رہتی ہو
وہ ہونٹ جن پہ بہاروں کے گیت رقصاں تھے
اب اُن پہ تلخی رنج والم نہ رہتی ہو
جن عارضوں پہ دہکتے گلاب کھلتے تھے
خزاں میں اُن کی مہک کھو گئی تو کیا ہوگا
وہ کہکشاں جو سیہ گیسوؤں کی زینت تھی
کہیں اندھیروں میں گم ہوگئی تو کیا ہوگا
شبِ فراق کی تاریک رہگزاروں میں
سُلگ رہی ہے کوئی مشعلِ نظر اب تک

شہزادی سیما نے کہا: "آخر وہ کیسے گئی کہاں گئی کچھ پتہ بھی ہے؟" وہ بولا "اگر یہ سب کچھ جانتا تو یہاں فرقت کے دن اور جدائی کی راتیں کیوں گذارتا"۔

شہزادی نے کہا: "میں تم کو اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے آئی تھی۔ کیا تم نہیں چلو گے؟"

صہبا بولا: "کہاں؟ کیا اس نے مجھے بلایا ہے کیا وہ مجھے بھولی نہیں ہے۔ سچ کہو۔ وہ بلا رہی ہے"۔

شہزادی کچھ جھجکی لیکن فوراً ہی سنبھل کر بولی: "وہ تمہیں یاد کر کے روتی ہے اور کہتی ہے کہ عجب دیوانہ ہے جو ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے نہ مجھے تلاش کرتا ہے اور نہ کسی کو میرے پاس بھیجتا ہے"۔

صہبا کی آنکھوں میں نئی چمک آگئی اور خشک ہونٹ خوشی سے تھرتھرانے لگے۔ "چلو! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں"۔ پھر اس نے رتن اور صندوقچی اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا: "یہ بھی لے چلو۔ ورنہ وہ کہے گی کہ تم میری چیزیں کہاں چھوڑ آئے ہو؟" شہزادی نے یہ سامان خدمت گار کے سپرد کیا اور صہبا کو تسلی دیتی جھوٹ سچ بولتی کمال آباد پہنچ گئی۔ اور استاد نادر علی سے ملاقات کر کے کہنے لگی: "اب آپ ہماری رہنمائی کیجئے"۔ نادر علی نے کہا: "آج کی رات میرے غریب خانے پر مہمان رہو۔ کل جمعرات ہے خدا کو منظور ہوا تو ملاقات ہوجائے گی"۔

صہبا نے کہا: "کیا وہ اس بڈھے کے قبضہ میں ہے؟" اس نے کہا: "نہیں۔ بلکہ جس ظالم کے قبضہ میں ہے وہ کل آئے گی تو یہ کہہ رہے ہیں کہ کل تک میرے ہاں مہمان رہو"۔

صہبا اختر سن کر خاموش ہو گیا۔

اُستاد نادر علی نے اپنی حیثیت کے مطابق ان سب کو رات کا کھانا کھلایا، پھر انکے سونے کا بندوبست کیا۔ شہزادی سیما، کنیز اور خدمت گار زمینوں کو تو بستر میں لیٹتے ہی نیند آگئی اور وہ سو گئے لیکن صہبا کو نیند نہیں آئی۔ وہ کبھی گنگناتا، کبھی خود ہی سوال کرتا اور خود ہی جواب دیتا۔

اُستاد نادر علی صہبا کو دیکھ کر بڑے حیران تھے کہ شہزادی سیما نے اس پر کیا جادو کیا ہے کہ یہ اپنا دیوانہ پن بھولا ہوا ہے۔ ورنہ یہ تو ایسا پاگل تھا کہ اس نے سبز پری کو رُلا دیا تھا۔

سہ پہر کے وقت اُستاد نادر علی نے شہزادی سے کہا: "اب ان کی آمد کا وقت آگیا ہے چلو میں اس مقام پر چھوڑ آتا ہوں"۔ شہزادی تو پہلے ہی تیار بیٹھی تھی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی خدمت گار اور کنیز بھی مگر استاد نے ان دونوں کو روک دیا اور شہزادی سے کہا: "اپنے ساتھ صرف اس دیوانے کو لے جاؤ۔ سبز پری کے لئے یہی بہت ہے"۔

استاد ان دونوں کو حوض کے پاس لے گئے اور کہنے لگے: "یہیں کہیں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ سامنے نہ رہنا۔ ورنہ وہ اوپر ہی سے دیکھ کر واپس لوٹ جائے گی"۔

شہزادی نے چھپ کر بیٹھنے کے لئے پہاڑی کے قریب گھنی جھاڑیوں کو منتخب کیا اور وہ صہبا کو ساتھ لیجا کر چھپ گئی پھر چپکے چپکے اُسے سمجھانے لگی کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شاندار تخت حوض سے تھوڑے فاصلہ پر اُترا۔ یہ تخت ایک پلنگ کے برابر تھا انکے چاروں کونوں پر چار مور کھڑے تھے یہ مور سونے کے تھے اور ان میں سے ہر ایک کی دُم سونے اور چاندی کے تاروں سے بنی تھی۔ ان میں لعل، یاقوت اور زمرد لگے ہوئے تھے جو سورج کی کرنوں میں عجب بہار دے رہے تھے شہزادہ پہلے اُتر کر کھڑا ہوا۔ پھر نیلم پری اس کے بعد سبز پری پانچ خادماؤں کے ہمراہ تخت سے اُتر کر اپنے بال سنوارنے لگی۔ شہزادہ ٹہلتا ہوا حوض کی جانب چل دیا اور سبز پری اپنی خادماؤں کو ہدایت دینے لگی۔ اُدھر شہزادی سیما کی نظریں شہزادے پر جمی تھیں اور صہبا اختر اپنی خادمہ کو پہچان رہا تھا۔ وہ ایک ایک کے چہرے کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ وہ..... وہ نہیں ہے..... اور وہ..... نہیں نہیں..... وہ بھی نہیں ہے..... ہیں..... وہ گلابی کپڑوں والی..... مگر..... اسکی گردن تو بہت چھوٹی ہے..... وہ سبز لباس میں..... اسے میں نے دیکھا تو ہے..... مگر..... یاد نہیں..... پھر بھی..... ہے کوئی اور..... ارے ہاں..... وہ دیکھو..... اور وہ پہچان گیا۔ دُنیا جسے دیوانہ کہہ کر پکارتی تھی اُس نے بارہ برس کے بعد نئے لباس، نئی وضع اور نئے روپ میں بھی پہچان لیا۔ وہ چیختا دھاڑتا، اچھل

کر جھاڑیوں سے نکلا اور شور مچاتا حسینوں کے جھرمٹ کی جانب دوڑا۔
سبز پری تو ایک بار اُس کے ہاتھوں پٹ چکی تھی اس لئے وہ تو اُس کی صورت دیکھتے ہی بدحواس ہو گئی اور دوڑ کر تخت پر چڑھ گئی نیلم پری ماں کا یہ حال دیکھ کر بہت زیادہ ڈر گئی۔ وہ بھی دوڑی۔ دیوانے نے جاتے ہی اپنی محبوبہ کی کلائی پکڑ کر کھینچ لی اور ایک جانب دھکیل کر پریوں کے تخت کی جانب دوڑا۔ سبز پری چیخ چیخ کر شہزادے کو پکارنے لگی۔ ادھر اس کی چاروں خادمائیں تخت پر سوار ہو گئیں۔ شہزادہ دُور تھا اور دیوانہ قریب آتا جا رہا تھا مجبور ہو کر اس نے تخت کو اوپر اُٹھنے کا اشارہ کیا اور تخت فضا میں بلند ہونے لگا۔ شہزادی سیما بھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی وہ جھاڑیوں سے نکلکر حوض کی جانب دوڑتی بھاگتی گئی اور شہزادے سے بولی: "اگر ان پریوں کی قید سے آزاد ہونے کا خیال ہے تو جلدی چلئے۔ اس وقت موقع ہے۔" شہزادے نے کہا: "میں تو کب سے آزاد ہونے کے خواب دیکھ رہا ہوں چلو" اور وہ دونوں دوڑ کر دیوانے کے پاس گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ پریوں کا تخت ان کے سر پہ چکر لگا رہا تھا۔ دیوانہ سیما سے بولا: "تم اِن دونوں کو راہ دکھاؤ۔ میں اس تخت کو گرانے کی کوشش کرتا ہوں" سیما نے کہا: "نہیں، تم اس تخت کو نہیں گرا سکتے۔ تم چلے آؤ۔ تخت اگر نیچے آئے تو پھر ان سب کی خبر لے لینا۔ تخت کئی بار نیچے آیا لیکن جیسے ہی دیوانے نے ایک فلک شگاف نعرہ لگایا۔ وہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔
یہ سب استاد نادر علی کے مکان میں چلے گئے۔ استاد شہزادہ اور نادرہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور اُن کی بوڑھی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بولے، "یہ ظالم پری اِن دونوں کو کھو کر واپس نہیں جائے گی۔ وہ کمبخت ساری رات ہمیں ستائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ میرے مکان کے نیچے ایک سُرنگ ہے اُس کی راہ یہاں سے بھاگ چلیں۔ یہ سُرنگ ہمیں ایک پُرانے قلعہ کے ایوان میں پہنچا دیگی"۔
سیما بولی: "اور آپ کا سامان۔ وہ ظالم پری تو آگ لگا دے گی۔" استاد نے کہا: "ہم سب مل کر اس سارے سامان کو چھوٹے سے تہہ خانے میں پھینک دیتے ہیں۔ ہے بھی کیا۔ کاغذ رنگ برش اور کچھ پرتن پُرانا بستر۔ ایک کھاٹ اور ایک چٹائی" سب نے مل کر جلدی جلدی یہ سامان اکٹھا کیا اور تہہ خانے میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔ پھر سیڑھیوں سے اُتر کر دروازہ بند کیا اور سُرنگ میں داخل ہو کر پُرانے قلعہ کی جانب روانہ ہو گئے استاد کے مکان میں اندھیرا تھا چونکہ وہ روانگی کے وقت دیا گل کر گئے تھے۔ پریاں نیچے اتر کر آپس میں صلاح مشورہ کرتی رہیں لیکن مکان میں قدم رکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ وہ آپس میں کہہ رہی تھیں کہ دیوانہ کہیں چھپ کر بیٹھ گیا ہوگا۔ ہم نے جیسے ہی مکان میں قدم رکھا وہ ہمیں لپٹ جائے گا اور اس سے جان چھڑانا بہت مشکل ہوگا۔ ایک خادمہ نے کہا: "تخت کو حوض کے پاس رکھ

معنی: سہ محل

کر کسی جگہ چھپ جانا چاہیئے۔ صبح ان کا مقابلہ کریں گے۔"

سبز پری کہنے لگی "میں اسی جگہ ٹھہروں گی تم واپس جا کر پریزادوں کی ایک جماعت مدد کیلئے صبح تک لے آؤ۔" ساری پریاں اسی وقت تخت لے کر پرواز کر گئیں اور سبز پری حوض کے پاس بیٹھ کر اُن کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ ادھر یہ سب لوگ ساری رات سرنگ میں چلتے رہے۔ اندر اندھیرا تھا اور ایک ایک قدم اٹھانا بھاری تھا لیکن آزادی حاصل کرنے کے خیال سے وہ کسی قسم کی گھبراہٹ یا تکان محسوس نہیں کر رہے تھے۔ صبح سورج کی شعاعیں پھیلتے ہی وہ ویرانے قلعہ کے کشادہ ایوان میں پہنچ گئے۔ استاد نادر نے کہا "یہ بھی ممکن ہے کہ پریاں ہمیں تلاش کرتے کرتے یہاں آ پہنچیں اس لیے تھوڑی دیر آرام کر کے وطن کی جانب روانہ ہو جانا چاہیئے۔ یہاں قریب ہی ایک بستی ہے میں وہاں سے ایک رتھ لے آتا ہوں تاکہ اس میں بیٹھ کر سفر کریں۔" اور وہ اسی وقت بستی کی جانب چل دیئے۔

پریاں پریزادوں کی ایک بھاری جمعیت ساتھ لے کر واپس آ گئیں اور ان سب نے استاد کا مکان محاصرے میں لے کر حملہ کیا لیکن وہاں نہ سامان تھا اور نہ کوئی آدم زاد۔ اب تو وہ سب بہت گھبرائے اور سبز پری کے اشارے پر فضا میں پرواز کر گئے۔ تلاش شروع ہوئی لیکن اُن کا پتہ نہ چلا۔

شہزادی سیما ان سب لوگوں کو رتھ میں بٹھا کر محل میں لے گئی۔ وہاں بادشاہ اور ملکہ سخت پریشان تھے کہ سیما گوہر پوش کہاں غائب ہو گئی ہے۔ بیٹی کو دیکھتے ہی سینہ سے لگایا۔ پھر استاد کی زبانی سارا حال سُن کر اُن کا شکریہ ادا کیا۔ شہزادہ ملکہ اور بادشاہ دونوں کو بہت پسند آیا اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہم سیما کا بیاہ اسی سے کریں گے۔

نادرہ صبا کو حقیقت میں ایک دیوانہ اور وحشی سمجھ رہی تھی اگرچہ صبا کی کشش اُسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی لیکن اس کے پھٹے کپڑے، خاک میں اَٹے بال، بے ترتیب اور بڑھے ہوئے داڑھی کے بال دیکھ کر دہشت معلوم ہوتی تھی۔ شہزادی سیما نے فوراً ہی صبا کے لئے نئی پوشاک منگوائی اور شاہی حجام کو طلب کر کے اُسے ہدایت کی اور صبا کو اس کے ہمراہ بھیج دیا۔

صبا نے بال ترشوانے کے بعد غسل کیا اور نئی پوشاک زیب تن کر کے جیسے ہی نادرہ کے سامنے آیا۔ خوشی سے وہ بے خود ہو گئی۔ شہزادی، استاد اور شہزادے کو دوسرے کمرے میں لے گئی اور وہ دونوں تنہا رہ گئے۔ نادرہ نے اسے بتایا کہ وہ بارہ برس پہلے جب پانی کی تلاش میں گیا تو پریاں اُسے پکڑ کر اپنے ساتھ پرستان لے گئیں۔ اس عرصہ میں وہ برابر کوشش کرتی رہیں کہ میں کسی طرح شہزادے سے بیاہ کرنے پر آمادہ ہو جاؤں لیکن میں نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ سبز پری شہزادے کو بھی اٹھا کر لے

گئی تھی اور اس کا بیاہ اپنی بیٹی سے کرنا چاہتی تھی لیکن وہ راضی نہیں تھی اس لئے کمبخت مجھے اڑا کر لے گئی تاکہ شہزادہ جُدا نہ ہو"۔

بادشاہ نے دوسرے دن ایک ایلچی شہزادہ لعل کے والد کے پاس اور ایک ایلچی نادرہ کے والد کے پاس روانہ کیا اور انہیں پیغام بھیجا کہ وہ نورِ بصر حاصل کرنے کے لئے فوراً چلے آئیں"۔

یہ ایک عجیب غریب پیغام تھا وہ اسی شام پہنچ گئے۔ بادشاہ نے دونوں کو بتایا کہ سبز پری لعل اور نادرہ کو اڑا کر لے گئی تھی جو سیما اور صہبا کی محنت و کوشش کے سبب ان کی قید سے آزاد ہوئے ہیں پھر شہزادہ لعل کو بلوا کر اس کے والد کے سپرد کیا اور نادرہ اپنے باپ سے ملی۔ بادشاہ نے چار دن انہیں مہمان ٹھہرایا اور دونوں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ شہزادہ لعل کا بیاہ سیما سے اور نادرہ کی شادی صہبا سے ہوگی۔ ہر ایک کی اُمید بر آئی۔ خدا کرے کہ ہم سب بھی اپنی اپنی مُرادوں کو پہنچیں۔ آمین ! ثم آمین

حادثے درد کی آغوش میں پالے گئے　　　سلسلے غم کے محبت نے نکالے گئے

ساجدہ پروین بولی: "میں تو سمجھ رہی تھی کہ اس قصہ کو سنتے سنتے صبح ہی ہو جائیگی"۔ زین الجہاں نے کہا "میں نے اسی خیال سے کہ صبح نہ ہو جائے کہیں۔ اختصار سے سُنایا ہے۔ اس قصہ کو سُنکر تم نے کیا فیصلہ کیا سیما گوہر پوش کی چاہت حقیقی تھی یا صہبا اختر کی"؟ ساجدہ کہنے لگی: "دونوں بے وقوف تھے۔ صرف تصویر دیکھ کر دل دے بیٹھنا اور اُسے حاصل کرنے کی کوشش میں محل سے نکل جانا۔ کچھ عجب ہی باتیں ہیں۔ نادرہ کو پری اُڑا کر لے گئی اور بے چارے عاشق صادق درخت کی شاخ پکڑے انتظار میں کھڑے ہیں۔ کیا مذاق ہے"۔

شہزادہ زین الجہاں نے کہا، "تم اسے مذاق سمجھ رہی ہو جب کہ تمہیں دیکھ کر ایک نوجوان دین و دنیا سے بے خبر ہو کر زیرِ دیوار بیٹھ گیا اور تمہارے ایک اشارے پر اس نے اپنا سر کاٹ کر رکھ دیا"۔

اس بات کو سنتے ہی ساجدہ کی نگاہیں جھک گئیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ زین بولا: "میں سمجھتا ہوں کہ وہ درحقیقت تم کو چاہتا تھا۔ اُس کا سر سونے کے تھال میں رکھا تھا دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ وہ کٹا ہوا سر تھا لیکن اسمیں جان تھی۔ اس کی آنکھوں میں تمہاری صورت تھی ہونٹوں اور نتھنوں میں تھرتھراہٹ تھی۔ میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا کیا کوئی حسرت باقی ہے؟ اس سوال کو سنتے ہی اُس کی ساری حرکتیں ختم ہو گئیں۔ گویا اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کا ایک ہمدرد آ گیا ہے اور اب اُس کی اُمید بر آئے گی۔ اب تم ہی کہو کہ ایسے مخلص کا قتل کہاں تک جائز تھا؟

ساجدہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے دوپٹہ کے آنچل سے مُنہ چھپا لیا:

زین الجہاں نے کہا: "اس بدنصیب نوجوان کا دھڑ کہاں ہے۔ کیا اُسے دفنا دیا تھا؟" وہ کہنے لگی: "ابھی نہیں!"

اسے دفن کر دیا تھا۔" زین بولا، "کیا تمہیں اس کی حقیقی محبت کا اعتراف[1] نہیں ہے؟"

اس نے جواب دیا، "ہرگز نہیں۔ وہ صرف میری صورت دیکھ کر فریفتہ[2] ہو گیا تھا ورنہ میرا اور اس کا روحانی تعلق بالکل نہیں تھا۔" زین الجہاں کہنے لگا، "لاحول ولا قوۃ! بات کیا تھی پہنچ کہاں گئے۔ اب آرام کرو۔ نصف شب سے کچھ زیادہ ہی وقت ہو گیا ہے۔"

ساجدہ پلو سے آنکھیں صاف کرتی اُٹھ کر آئی اور مسہری پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی: "تھوڑی سی جگہ مجھے بھی دے دیجئے۔" زین اُٹھنے لگا۔ "میں تخت پر سو رہوں گا۔ تم یہاں آرام کرو۔"

ساجدہ بولی: "نہیں نہیں! تخت پر آپکو نیند نہیں آئے گی۔ آپ مجھے تھوڑی سی جگہ دے دیجئے۔" زین تھوڑا سا کھسک گیا اور ساجدہ اس کے برابر لیٹ گئی۔ زین کہنے لگا، "تم میرے پاس لیٹ تو گئی ہو لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں۔" وہ بولی، "جب میں کمرے میں آپ کی تنہائی میں رات بسر کر سکتی ہوں تو آپکے پاس لیٹ بھی سکتی ہوں۔" آپ گھبراتے کیوں ہیں؟ آرام سے سو جائیے" اُسے تو کیا نیند آتی البتہ نیند کی ماری ساجدہ سو گئی۔

صبح زین الجہاں نے بادشاہ کو سارا واقعہ کہہ سُنایا پھر اس سے بولا، "اس سر کو لیجا کر اس نوجوان کے دھڑ کے ساتھ دفنا دینا چاہیئے اور آپ اپنا علاج کسی انسان کے مغز سے نہ کیجئے چونکہ خدا کے نزدیک یہ پسندیدہ فعل نہیں ہو سکتا۔" بادشاہ نے فوراً ہی وزیروں کو بلوایا کوتوال کو طلب کیا اور حکم دیا کہ زین کے ہمراہ جا کر سر کو دھڑ کے ساتھ دفن کر دو۔" غرض یہ سب لوگ سوداگر کے مکان کی پشت پر گئے پھر انہوں نے گڑھا کھودا اور کوتوال نے اپنے ہاتھوں سے سر کو دھڑ کے ساتھ بالکل ملا کر رکھا پھر باہر نکلنے کے لئے اس نے ہاتھ اُوپر اٹھائے لیکن مُردے نے اُس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لیں اور وہ گڑھے میں گر گیا۔ اس کی دہشتناک چیخ سے ہر شخص کانپ اٹھا۔ "مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ" کا شور سنکر سب آگے بڑھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان جس کا سر لے کر آئے تھے زندہ تھا اور وہ کوتوال کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا رہا تھا ان لوگوں میں سے کسی کو آگے بڑھنے اور کوتوال کو باہر نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک وزیر نے شاہی فوج کا ایک دستہ بلوا کر اُسے حکم دیا کہ وہ گڑھے میں سے دونوں کو باہر نکالے فوجیوں کو حقیقت کا علم نہ تھا لہٰذا انہوں نے دونوں کو پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ کوتوال تو الگ کھڑے ہو کر ہانپتا کانپتا رہا لیکن وہ نوجوان ایک فوجی کو لپٹ گیا۔ دوسروں نے اُسے چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کے ہاتھ لوہے کے معلوم ہوتے تھے کہ کسی طرح بھی گرفت[3] ڈھیلی نہیں ہوئی۔ زین الجہاں یہ حال دیکھ کر بولا۔ "اسے کیوں پکڑ رکھا ہے؟" وہ کہنے لگا، "خاموش! اس بدتمیز نے ہمیں گڑھے سے نکالنے میں پہل کیوں کی تھی۔ اب میں اس کے بدن کا سارا خون پی کر ہی اسے چھوڑوں گا۔"

معنی: [1] اقبال کرنا۔ مان لینا [2] عاشق ہونا [3] پکڑ

زین الجہاں سمجھ گیا کہ وہ آدم زاد نہیں بلکہ کوئی اور بلا ہے۔ حرکت کرتا ہوا سر اور اسکا دھڑ سب دھوکا اور فریب تھا۔ لہٰذا وہ اس سے مخاطب ہو کر بولا: "تم کوتوال کو چھوڑ دو اور جہاں تمہارا ٹھکانہ ہے وہاں چلے جاؤ۔" وہ آنکھیں نکالتے ہوئے کہنے لگا: "میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑونگا اسکا خون پیوں گا اور جو اس کی حمایت میں آگے بڑھے گا اس کا بھی یہی حشر کرونگا۔" زین بولا: "اس نے اگر تمہارا تمہارے دھڑ سے ملا دیا تھا تو کوئی گناہ تو نہیں کیا تھا۔" اس نے جواب دیا: "تم اس کی طرفداری کر رہے ہو کہ اس نے میری محبوبہ کو تمہارے خلوت کدے کی زینت بنایا تھا۔"

زین کو سخت غصہ آیا اور اس نے اسم اعظم پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکنا شروع کیا۔ اسکی برکت سے اسکا بدن لرزنے اور کپکپانے لگا، گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور کوتوال آزاد ہو کر گڑھے سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسکے اِرد گرد سے دھواں اُٹھنے لگا اور چند لمحوں ہی میں وہ اس سیاہ دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ جب دھواں ہوا میں اُڑ گیا تو زین نے دیکھا کہ گڑھے میں ایک کوئلہ پڑا ہے سیاہ کوئلہ۔

وہ خوش ہو کر بولا: "یہ کوئی بلا تھی جو جل کر کوئلہ ہو گئی ہے" سب نے گڑھے کے اِرد گرد کھڑے ہو کر اس کوئلے کو دیکھا اور خدا کا شکر ادا کر کے گڑھے کو بند کر دیا۔

سوداگر اور اس کی حسین بیٹی ساجدہ پروین بھی دریچہ سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور اسکے ہمت و حوصلہ کی تعریف کر رہے تھے۔ سوداگر نے نیچے پہنچ کر زین کو گلے سے لگایا اور اس سے کہا: "تم نے بڑی مہربانی کی ورنہ یہ بلا تو میری بیٹی کو ستانے کے لئے ایک عرصہ سے نوجوان کی صورت میں یہاں دھرنا دیئے بیٹھا تھا" پھر اس نے شام کے کھانے پر اُسے مدعو کر لیا۔

زین الجہاں نے جا کر بادشاہ کو سارا واقعہ سنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور وہ کہنے لگا: "تم لوگوں کے جانے کے بعد میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہے لیکن پھر اچانک چند لمحوں کے لئے مجھ پر غنودگی[2] طاری ہو گئی۔ یہاں طبیب وغیرہ سب پریشان ہو گئے، کنیزیں اور خدمت گار تو آنسوؤں سے رونے لگے لیکن میں فوراً ہی ہوش میں آ گیا اور میں نے محسوس کیا کہ میں بالکل صحت مند ہوں۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔ بدن میں چستی و چالاکی آ گئی اور میں اُٹھ کر حمام میں غسل کے لئے چلا گیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا مجھے بھی تکلیف دے رہی تھی اور جب ہی اُس نے اپنا سر میرے پاس بھیجا تھا۔"

وزیروں نے کہا: "عالم پناہ! زین الجہاں آپ کے اور ہم سب کے لئے فرشتہ بنکر آئے تھے، خدا کا لاکھ لاکھ کرم ہے کہ ہمیں ایک مصیبت سے نجات مل گئی۔" پھر بادشاہ نے غریبوں میں خیرات

معنی: [1] تنہائی کی جگہ [2] نیند کا غلبہ۔

بانٹنے اور مفلسوں میں کپڑا اور پیسہ تقسیم کرنے کا فرمان جاری کیا۔

زین الجہاں شام کو سوداگر کے یہاں گیا تو وہاں اس کی خوب خاطر تواضع ہوئی کھانے کے بعد سوداگر نے پوچھا "تمہارا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟" اس نے جواب دیا "مجھے شہر خوں آباد پہنچنا ہے" سوداگر بولا "وہ تو ایسا شہر ہے کہ وہاں جا کر لوٹ آنا ممکن ہی نہیں، اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اس ارادے کو دل سے نکال دو۔ ورنہ پچھتاؤ گے اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا"۔

زین الجہاں کہنے لگا "بزرگوار! میں اس شہر کے بارے میں یہی سنتا چلا آرہا ہوں لیکن کسی کو آزاد کرانے کی خاطر میں نے اس شہر میں پہنچنے کا عہد کیا ہے اور کیا ہوا عہد توڑنا خدا کے بندوں کا کام نہیں ہے"۔

سوداگر کی زبان سے نکلا "جزاک اللہ، خدا تمہاری قدم قدم پر مدد کرے"۔

زین الجہاں تھوڑی دیر گفتگو کر کے رخصت ہوا اور بادشاہ کے پاس جا کر بولا "اب مجھے براہِ کرم اجازت مرحمت فرمائیے تاکہ میں صبح سویرے سفر پر روانہ ہو جاؤں"۔

بادشاہ نے کہا "دل تو گوارا نہیں کرتا۔ لیکن تمہیں روکنا بھی مناسب نہیں۔ بہرحال تمہاری مہربانی میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا" پھر اس نے بہت سا زر و جواہر اُسے تحفہ کے طور پر دیا۔

زین الجہاں صبح ہوتے ہی سفر پر روانہ ہو گیا۔

شاہ افروز بخت بولے "واہ میاں! طوطے! خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ کیا لاجواب قصہ بیان کیا ہے"

طوطے نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "ذرہ نوازی ہے ورنہ یہ ناچیز کس لائق ہے"۔

مینا نے کہا "طوطے میاں! ہرے میاں! لال میاں! یہ تو کہو ساجدہ پروین کی شادی بھی ہوئی یا نہیں؟" طوطے نے جواب دیا "بی مینا! بی کلو! بی کلوٹی! مجھے تو آج تک دعوت نامہ نہیں ملا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ شادی بیاہ ہوا ہی نہیں۔ ہو گیا ہو تو ہمیں مبارک، ان کے عزیزوں کو مبارک! ہم کون تین میں نہ تیرہ میں یعنی ہم اس لائق ہی نہیں جو کہیں ہماری پرسش ہو یا عزت ہو"۔

شاہ افروز بخت کہنے لگے "نہیں طوطے میاں! مایوس کیوں ہوتے ہو۔ تمہاری عزت ہمارے دل میں ہے۔ مینا بھی عزت کرتی ہے مگر ذرا شوخ ہے کبھی کبھی الٹی سیدھی بول جاتی ہے"۔

طوطے نے کہا "یہ بھی وقت کی بات ہے جو ہمارا اور مینا کا ساتھ ہے ورنہ یہ غریب کہاں اور ہم کہاں کسی روز بچھڑ گیا تو یاد کر کر کے روئے گی آنسو بہائے گی مگر پھر کچھ نہ ملے گا سوائے ایک یاد کے"۔

شاہ افروز بخت اُٹھتے ہوئے بولے "تم تو اداس کرنے لگے طوطے میاں! اچھا شب بخیر! کل کی محفل میں ملاقات ہو گی"۔ اور رات کے دو بجے یہ محفل برخواست ہوئی۔

چھٹی شب

آج چھٹی شب ہے:

شاہ افروز بخت خلافِ عادت آج وقت سے کچھ پہلے ہی آ موجود ہوئے ہیں۔ چہرے سے ہشاش بشاش نظر آ رہے ہیں۔ دونوں پنجرے سامنے موجود ہیں۔ لیکن ابھی وقت باقی ہے اور چند ایک درباریوں کا انتظار ہے۔ طوطا اپنی سُرخ چونچ سے پروں کو کھجا رہا ہے لیکن مینا بالکل خاموش ہے اور بے حس و حرکت بیٹھی ہے۔

شاہ افروز بخت نے مہرِ سکوت توڑتے ہوئے کہا: "مینا! آج کس سوچ میں ہو؟" وہ کہنے لگی: "آج میری سالگرہ کا دن ہے۔ اگر یہاں قید میں نہ ہوتی تو آج میری سالگرہ بڑی شان و شوکت سے منائی جا رہی ہوتی مگر افسوس! نصیب میں یہ دن لکھا تھا"۔

شاہ افروز نے کہا: "کل اگر تم نے ذکر کیا ہوتا تو آج ہم اس تقریب کو منانے کا اہتمام کر دیتے"۔

مینا بولی: "نہیں سلطانِ عالم پناہ! بات کچھ ایسی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اگر مناسب موقع ملا تو عرض کروں گی ورنہ مرتے دم زبان پر یہ شعر ہوگا:" [1]

میں خالی ہاتھ آیا تھا مگر اب ÷ میں غم لے کر چلا یارب جہاں سے

طوطا چونک کر بولا: "پگلی! شعر پڑھنا بھی نہ آیا تجھے۔ اے دیوانی! تجھے کہنا چاہیئے تھا کہ میں خالی ہاتھ آئی تھی مگر اب ÷ میں غم لے کر چلی یارب جہاں سے"۔

مینا نے کہا: "میاں مٹھو! تم قصہ گو ضرور ہو لیکن عقل کے کورے ہو۔ میں نے اپنے دل کی بات شاعر کی زبان میں بیان کی ہے۔ خیر، تمہیں اس بات سے کوئی غرض نہ واسطہ۔ سب لوگ آ چکے ہیں۔ اب قصہ بیان کرو اور کہو کہ شہزادہ زین الجہاں بادشاہ سے رخصت ہو کر کس طرف گیا"۔

طوطا کہنے لگا: "خدا بھلا کرے۔ خوب یاد دلایا۔ سنئے صاحب! شہزادہ زین الجہاں شہر سے نکل کر جنوں آباد کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے آٹھ دن اور آٹھ راتیں گذر گئیں۔ اس عرصہ میں نہ کوئی بستی ملی نہ کوئی واقعہ پیش آیا۔ ویران اور سنسان علاقے تھے اور وہ تھا۔ آٹھ دن کے بعد وہ ایک گھنے جنگل میں داخل ہوا تو کچھ جان میں جان آئی اور اس نے جنگلی پھل اور میوے بڑے شوق سے کھائے۔ چشمہ کا پانی پیا اور ایک کشادہ راستہ پر چل دیا۔ شام ہوتے ہی درندوں کے خوف سے ایک اونچے اور مضبوط درخت پر رات بسر کرنے کے لئے چڑھ گیا۔ رات تو سکون سے گذر گئی لیکن صبح آنکھ کھلتے ہی اس کی نظر ایک خونخوار ہاتھی پر پڑی جو ایک

[1] تنخواہ، اظہر۔

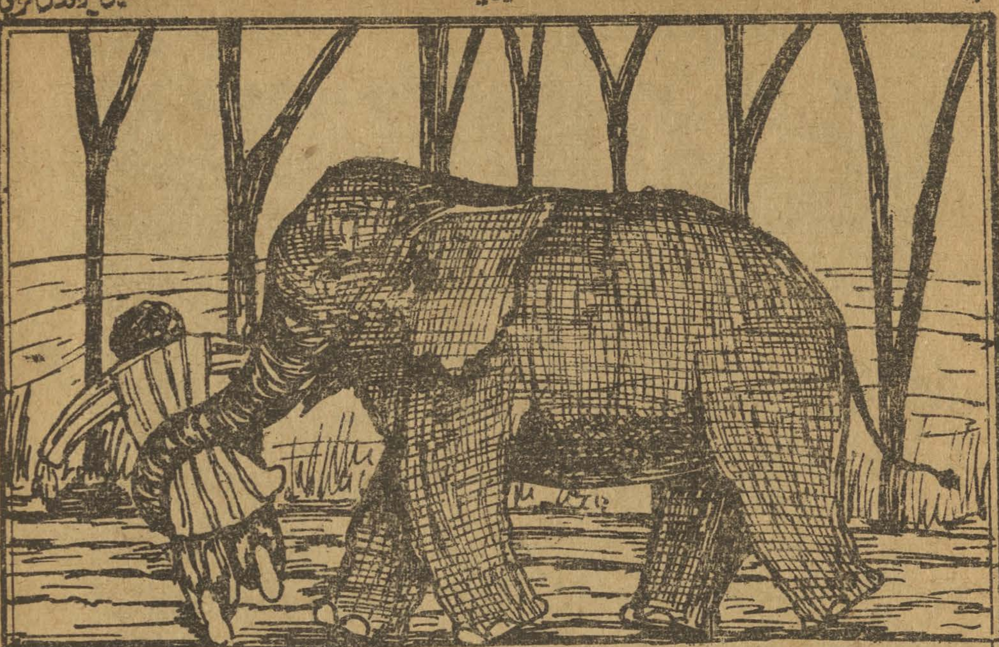

نوجوان کو سونڈ میں جکڑے چلا آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ہاتھی بڑا ظالم ہوتا ہے۔ یہ تو اس نوجوان کو کسی درخت سے ٹکرا ٹکرا کر مار دے گا۔ میں اس کی مدد کس طرح کر سکتا ہوں۔ اگر میرے پاس اس وقت تیر کمان ہوتا تو نوجوان کو تھوڑی دیر ہی میں آزاد کرا لیتا۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ہاتھی اسی درخت کے نیچے رُکا اور رُک کر نوجوان کو سونڈ کی گرفت سے آزاد کرکے بولا: "تو نے مجھ پر ظلم کیا ہے یا نہیں سچ بتا۔"

نوجوان کہنے لگا: "کیا خدا نے تجھے ہماری جیسی زبان دی ہے؟" ہاتھی نے کہا: "یہ نہ پوچھ۔ میری بات کا جواب دے۔" وہ کہنے لگا: "میں تو یہ سمجھا تھا کہ وہ عورت تجھے غلام بنا کر تیری پیٹھ پر سوار ہے اور سیر کرتی پھر رہی ہے۔ میں نے تجھے اس کی قید سے رہا کیا اور اُسے اپنے دوست کے حوالے کر دیا۔"

ہاتھی بولا: "تو ہے کون اور یہاں کیسے آیا اور وہ تیرا دوست کیا ہے؟"

وہ نوجوان کہنے لگا: "میرا نام شیث ناز ہے اور میں ملک کوہستان کا باشندہ ہوں۔ میرے والد صاحب ملک کے مشہور ترین مصور تھے۔ جب میں جوان ہوا تو انہوں نے اپنے ایک ہم پیشہ شخص کی بیٹی سے نسبت شادی قرار دی اور بیاہ کی تاریخ مقرر کر لی مگر خدا کی قدرت اُس تاریخ سے پہلے ہی والدہ صاحبہ وفات پا گئیں اور کچھ عرصہ کے بعد والد صاحب کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ اس طرح میں تنہا رہ گیا۔ مجھے دولت، مال و اسباب اور جائداد دیکھ کر غصہ آنے لگا۔ میں نے انہیں فروخت کرکے خدا کے مجبور و بیکس بندوں میں ساری دولت تقسیم کر دی اور تہی دست[1] ہو کر مصور کی خدمت میں پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ جب وہ میرا حال سنے گا تو اپنی بیٹی کو میرے نکاح میں دینے سے انکار کر دے گا چونکہ ایک تہی دست آدمی کو بیٹی سونپنا حماقت نہیں تو اور

معنی: [1] خالی ہاتھ۔ نادار۔

کیا ہے۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ مجھے تسلی تشفی دی اور تاریخ مقررہ پر اپنی بیٹی کا بیاہ مجھ سے کر دیا۔ اُسے جہیز میں خانہ داری کی ہر چیز دی اور ایک مکان بھی نام کر دیا۔ ہم دونوں پُرسکون زندگی بسر کرنے لگے۔ بیوی ایسی نیک، وفا شعار، خدمت گار اور بے زبان ملی کہ میں خدا کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

تین چار ماہ کے بعد مجھے پھر وحشت ہوئی اور میں نے گھر کا سارا سامان تھوڑا تھوڑا کر کے فروخت کیا اور جو رقم ملی غریبوں، یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم کر آیا۔ اب گھر میں صرف پہننے کے کپڑے، بستر اور چند برتن باقی رہ گئے۔ کھانے کے لالے پڑ گئے۔ مجبور ہو کر میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے والد کے پاس جا کر کچھ رقم لے آؤ تاکہ فاقہ کشی نہ کرنی پڑے۔ وہ غریب انکے پاس گئی مگر انہوں نے جیسے ہی سارا حال سُنا، آگ بگولا ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب میں اس کی مدد نہیں کروں گا۔ اُسے اگر سخاوت کا ایسا ہی شوق ہے تو کما کر لُٹائے، باپ دادا کے گاڑھے پسینے کی کمائی یا اپنی بیوی کو جہیز میں ملا ہوا سامان فروخت کر کے غریبوں کے کام آنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

بیوی نے واپس آ کر مجھے اس کا جواب سنایا تو مجھے سخت ناگوار گذرا اور میں اُسی وقت جنگل میں گیا اور شجر زندہ دل کی ایک شاخ کاٹ کر لے آیا پھر بیٹھ کر اس شاخ کو تراشا اور اُس سے دو کاغذوں پر دو مختلف تصویریں بنائیں۔ اگرچہ دیکھنے میں یہ تصویریں نہایت بھونڈی تھیں لیکن میں نے اُن اصولوں کے تحت انہیں بنایا تھا جو میرے والد صاحب نے مجھے بتائے تھے۔ پھر میں نے بیوی سے کہا: "بیگم! اگرچہ یہ بات مناسب نہیں ہے لیکن ان تصویروں کے لئے یہ شرط ہے کہ بنانے والا انہیں خود فروخت نہ کرے۔"

بیوی بولی: "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔" میں نے کہا: "مطلب یہ ہے کہ تم ان تصویروں کو بازار میں لے جاؤ اور انہیں فروخت کر دو۔ ان کی قیمت دریافت کرنے پر دو لاکھ اشرفیاں بتانا اور ساتھ ہی کہنا کہ جو دروازے پر رکھے سو دیکھے۔" بیوی نے کہا: "مجھے بھلا کیا انکار ہو سکتا ہے آپکے حکم پر سر جھکانا میرا اولین فرض ہے لائیے تصویریں مجھے دیجئے" اور وہ تصویریں لے کر بازار میں چلی گئی۔ کئی لوگوں نے اُس سے قیمت دریافت کی اور اُس نے قیمت دو لاکھ اشرفیاں بیان کی جسے سنکر وہ ہنسے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ عورت کوئی دیوانی ہے۔ غرض شام ہو گئی اور وہ تصویریں فروخت نہ ہو سکیں۔

بادشاہ کا یہ دستور تھا کہ بازار میں جب نئے سوداگروں کا مال فروخت نہ ہوتا تو خود خرید لیتا اور غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔ اس عمل سے مراد یہ تھی کہ اس کا ملک بدنام نہ ہو اور نئے تاجروں کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔ شاہی ملازمین نے جا کر شاہ کو اطلاع دی کہ سارے تاجر اور سوداگر اپنا اپنا مال فروخت کر کے بازار سے چلے گئے ہیں لیکن ایک عورت ہے جو دو تصویریں لئے پھر رہی ہے اور انکی قیمت دو

معنی ملنا کمی آ جانا ۔ خیرات ۔ بہت اوپر یعنی سمجھ سے باہر ۔ کاٹا۔

لاکھ اشرفیاں بتاتی ہے جبکہ وہ دو لاکھ کوڑیوں میں بھی مہنگی ہیں۔ بادشاہ اٹھکر خود بازار میں گیا اور ان تصویروں کو دیکھ کر پوچھنے لگا: "ان کی کیا قیمت مقرر کی ہے؟" وہ بولی: "دو لاکھ اشرفیاں اور ان کا کمال وہ دیکھے جو انہیں دروازے پر رکھے"۔

بادشاہ نے ایک لاکھ اشرفیاں اُس کے سپرد کرتے ہوئے کہا: "باقی ایک لاکھ اشرفیاں تمہیں کل ادا کر دوں گا" اس نے خوش ہو کر دعا دی اور تیز تیز قدم اٹھاتی گھر چلی آئی۔ میں یہ بھاری رقم دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بیوی سے بولا: "سچ کہتے ہیں کہ اولاد مرد کے نصیب سے اور روزی رزق بیوی کے نصیب سے ملتا ہے۔ دیکھو نا تم ایک ہی دن میں ایک لاکھ اشرفیاں لے آئیں"۔

ہاتھی بولا: "پھر ان تصویروں کو لے جا کر بادشاہ نے کیا کیا؟"

شیٹ ناز کہنے لگا: "بادشاہ نے دونوں تصویروں کو لے جا کر اپنی خوابگاہ کے دروازہ پر برابر برابر لٹکا دیا۔ رات ہوتے ہی وہ اپنے بستر میں لیٹ گیا اور تصویروں کو دیکھنے لگا۔ اُسے ان میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ انہیں فروخت کرنے والی عورت کہیں پاگل تو نہیں تھی جو مجھے بیوقوف بنا کر چلی گئی۔ وہ لیٹے لیٹے اور بھی باتیں سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک تصویر کی لکیریں کاغذ سے باہر نکل رہی ہیں۔ وہ بہت حیران ہوا اور غور سے دیکھنے لگا۔ لکیریں باہر نکل کر سوا پانچ فٹ کے قریب بڑی ہو گئیں اور ایک مجسمہ سا نظر آنے لگا۔ بادشاہ کچھ سہم سا گیا لیکن سانس روک کر خاموش لیٹا رہا۔ تصویر روشندان کی راہ باہر نکل گئی۔ اور

دوسری تصویریں لٹکی رہی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ کاغذ جس پر بنی تصویر باہر گئی تھی بالکل سادہ رہ گیا تھا وہ باوجود کوشش کے سو نہ سکا۔ نصف شب گذرتے ہی وہ تصویر واپس خواب گاہ میں آئی اور دوسری تصویر کے مقابل کھڑے ہوکر بولی۔ "کوئی نئی بات تو نہیں؟" وہ کہنے لگی: "نہیں۔ تم سناؤ کہاں ہو آئیں؟"

وہ بولی: "میں جیسے ہی شہر سے باہر گئی میں نے دیکھا کہ ایک پلنگ پر ایک خوبصورت نوجوان لڑکی محو خواب ہے اور اُس سے کچھ فاصلہ پر چار ڈاکو بیٹھے مال وزر آپس میں بانٹ رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا: بدمعاشو! تم یہ مال وزر کہاں سے لائے ہو اور یہ نوجوان لڑکی کون ہے؟

وہ بولے: "تو کون؟ دفع ہو یہاں سے" میں نے کہا: "میں اس شہر کی پاسبان ہوں اور میرے دور پاسبانی میں تم نہ کسی کو لوٹ سکتے ہو اور نہ اغوا کر سکتے ہو لہٰذا بھلائی اس میں ہے کہ یہ سب کچھ جہاں سے لائے ہو واپس پہنچا دو۔" وہ بولے: "یہ لڑکی ناظر سوداگر کی بیٹی ہے اور یہ مال وزر بھی اسی کا ہے اب کان کھول کر سُن لے کہ یہ سب کچھ آپس میں تقسیم کرنے کے بعد قرعہ اندازی کریں گے اور جس کے نصیب میں یہ لڑکی ہوگی وہی اسے لے جائیگا اور اپنی بیوی بنا کر رکھے گا۔ اگر تو یہاں سے نہ گئی تو دوسری قرعہ اندازی تیرے لئے کرینگے اور ہم میں سے ایک تجھے اپنی بیوی بنائے گا۔"

یہ بات سُن کر مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے اسی وقت اپنا قد اور لمبا کیا پھر ان چاروں کی گردنیں پکڑ کر اُنکے گلے گھونٹ دیئے۔ وہ بے جان ہو کر گر پڑے تو مال وزر بغل میں دبایا اور پلنگ اُٹھا کر ناظر سوداگر کی حویلی پر گئی اور سب کچھ وہاں رکھ کر چلی آئی۔"

دوسری تصویر بولی: "بڑا نیکی کا کام کیا۔ شاباش! اب آرام کرو" اور پہلی تصویر سمٹ کر کاغذ پر نمایاں ہوگئی۔ بادشاہ یہ عجیب و غریب داستان سُنکر بڑا حیران ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ صبح سویرے ہی جنگل میں جا کر اس کی بات کی تصدیق کروں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری تصویر اُسی صورت سے باہر نکلی اور کھڑکی کے راستہ باہر چلی گئی۔ بادشاہ جاگتا رہا اور اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ صبح ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے وہ واپس آئی اور پہلی تصویر سے کہنے لگی: "بُری بُری خبر لائی ہوں، کیا سنوگی؟"

تصویر ۱: "ہاں ضرور! کہو کیا منحوس خبر لائی ہو؟"

تصویر ۲: "آج طلوع آفتاب کے وقت بادشاہ اس دارفانی سے کوچ کر جائے گا۔"

تصویر ۱: "مرنے کی صورت کیا ہوگی۔ وہ بیمار تو نہیں ہے۔"

تصویر ۲: "اُس کے جوتے میں ایک بالشت کے برابر سانپ بیٹھا ہوا ہے اسکا رنگ ناگ کی مانند سیاہ ہے۔ وہ بہت زہریلا ہے بادشاہ جیسے ہی جوتے میں پاؤں ڈالے گا وہ ڈس لے گا۔"

بادشاہ بھی اس گفتگو کو سن رہا تھا۔ اپنے مرنے کی پیشین گوئی سنکر اسکا سُرخ و سپید چہرہ پیلا پڑگیا تھا۔ بدن کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا اور ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے تھے۔

تصویر ۱ : اگر بادشاہ سلامت جوتا نہ پہنیں تو پھر موت کس شکل میں آئے گی؟

تصویر ۲ : یہ سامنے درمیانی دروازہ ہے بادشاہ جیسے ہی اس سے گذرے گا یہ گر جائیگا اور بادشاہ دب کر مر جائے گا۔

تصویر ۱ : "اگر بادشاہ اس دروازے کی بجائے دوسرے دروازے سے باہر چلے جائیں تو پھر کیا ہوگا"

تصویر ۲ : "پھر جب وہ تخت پر براجمان ہونگے تو وہ تخت سمیت زمین میں سما جائیں گے"۔

تصویر ۱ : "بالفرض وہ آج تخت پر بھی نہ بیٹھیں تو موت کس صورت میں آئے گی"۔

تصویر ۲ : "پھر یقیناً موت ٹل جائے گی"۔

تصویر ۱ : موت ٹلا نہیں کرتی اُس کا ایک وقت مقرر ہے۔ سبب اور بہانے بھی برقرار رہتے ہیں۔ یوں کہو کہ جوتے میں سانپ ہے دروازہ گرے گا اور تخت زمین میں دھنس جائیگا۔ موت اگر لکھی ہے تو آئے گی ورنہ اِن آنے والے حادثات کا شاہ پر کوئی اثر نہ ہوگا"۔

تصویر ۲ : مجھ سے غلطی ہوئی معاف کرنا۔ بات تو اسی طرح ہے مگر میں سمجھ رہی تھی کہ یہ حادثات بادشاہ کو ختم کرنیکی غرض سے رُونما ہونے والے ہیں۔ اب مجھے بھی اپنی جگہ پہنچ جانا چاہیئے چونکہ صبح ہونیوالی ہے"۔ اور وہ بھی سمٹ کر دوبارہ کاغذ پر نمایاں ہوگئی۔ بادشاہ پریشان بھی تھا اور حیران بھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان تصویروں کی زبانی جو حالات میں نے سُنے ہیں اگر سچ ثابت ہوئے تو ان کی قیمت دو لاکھ اشرفیاں زیادہ نہیں ہے بلکہ کم ہے۔

صبح ہوتے ہی بادشاہ ننگے پاؤں خوابگاہ سے نکلنے کیلئے بیرونی دروازے کی جانب بڑھا اسی وقت اسکی نظر اس سیاہ سانپ پر پڑی جو اُسکے جوتے سے نکل رہا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا اسی لمحہ وہ دروازہ جس کیلئے تصویر نے کہا تھا گر پڑا۔ وہ کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا کہ پہریداروں نے آکر اطلاع دی: "جہاں پناہ! زمین شق ہوگئی اور تخت اس میں دھنس گیا ہے حالانکہ نہ زلزلہ آیا اور نہ کوئی طوفان"۔ بادشاہ فوراً ہی وضو کر کے سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ اے غفور الرحیم[۱] تونے میری جان بخش کر مجھ پر بڑا کرم کیا ہے۔ تیری تعریف کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تو ہی اپنے عاجز و بے کس بندوں کی مدد کرتا ہے۔

ناشتہ کرنیکے بعد بادشاہ دو[۲] وزیروں کو ہمراہ لے کر شہر سے باہر گیا۔ وہاں تصویر ۱ کے بیان

[۱] بخشنے والا اور رحم کرنے والا۔

کے مطابق چاروں ڈاکوؤں کی لاشیں پڑی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اس نے حکم دیا کہ انکو فوراً دفنا دیا جائے ورنہ ان کے سڑنے سے بدبو پیدا ہو گی اور بیماری پھیل جائے گی پھر وہ ناظر سوداگر کے گھر گیا اور اس سے دریافت کیا: "رات تمہارے گھر چوری ہوئی لیکن تم پاؤں پھیلائے سوتے رہے۔" اس نے عرض کی: "جہاں پناہ! وہ ڈاکو تو صاحبزادی کو پلنگ سمیت اٹھا کر لے گئے تھے لیکن پھر خود ہی واپس پہنچا گئے اور سامان بھی رکھ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی دوا کے اثر سے ہم سب کو بے ہوش کر گئے تھے ورنہ ہم لوگ تو ایسی بے خبری یا غفلت کی نیند سوتے ہی نہیں۔"

بادشاہ بولا: "خدا کا شکر ادا کرو۔ وہ ڈاکو بھی اپنی سزا کو پہنچ چکے ہیں۔"

اُس نے محل میں واپس پہنچکر مجھے طلب کیا اور تصویروں کو باقی قیمت یعنی ایک لاکھ اشرفیاں بھی مجھے ادا کر دیں اور بہت کچھ انعام واکرام دیا اور کہنے لگا کہ تم جب دل چاہے ہمارے پاس آ جایا کرو۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ غرض محل میں میری آمد و رفت ہو گئی اور میں اکثر محل میں آنے جانے لگا۔ ایک روز شہزادی مجھ سے بولی کہ تم نے ابا جان کو ایسی بہترین تصویریں بنا کر دی ہیں مجھے کیوں نہیں دیتے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا اور کل اس جنگل میں اُس درخت کی شاخ کاٹنے کیلئے آیا تو تمہیں دیکھ کر ایک درخت پر چڑھ گیا، جب تم بہت دُور چلے گئے تو میں فوراً ہی یہاں سے بھاگ گیا اور محل میں پہنچکر میں نے بادشاہ سے کہا کہ آج میں نے ایک بے حد حسین عورت کو دیکھا ہے جو جنگل میں ایک ہاتھی کی پیٹھ پر سوار ہے اور ہاتھی اُسے جنگل کی سیر کراتا پھر رہا ہے۔ آج بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ مجھے بھی جنگل میں ساتھ لے چلو۔ میں بھی اس حسین عورت کو دیکھوں گا، غرض میں اُسے یہاں لے آیا اور درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے تم اُسے اپنی پیٹھ پر بٹھلائے نظر آئے تو میں نے بادشاہ سے کہا: "دیکھئے عالم پناہ! وہ خوبصورت نوجوان عورت کس شان سے چلی آ رہی ہے" بادشاہ کہنے لگا: "کہ اس عورت نے اپنی سواری کے لئے اس ہاتھی کو پال رکھا ہو گا۔ پھر تم ہمارے ہی درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ سے نہ رہا گیا اور اس نے جھک کر عورت سے کہا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ وہ بولی: "ہاتھی بڑا ظالم ہے وہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے گا۔ اور تم دونوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالے گا۔" بادشاہ نے کہا: "اے نازنین! میں اپنے دل کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ میں کس طرح کہوں کہ میں تمہارے بغیر چین سے نہ رہ سکوں گا۔"

وہ حسینہ چند لمحے سوچتی رہی پھر دبی دبی زبان میں بولی: "اپنے ساتھی کو ہاتھی کی پیٹھ پر اتار دو اور مجھے اوپر کھینچ لو تاکہ ہاتھی کو یہ خبر نہ ہو کہ میں اسکی پیٹھ پر موجود نہیں ہوں" غرض اسی طرح کیا گیا اور بادشاہ

اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔" ہاتھی بولا: "تو نے اُس عورت کی جگہ میری پیٹھ پر بیٹھنا کیوں قبول کیا؟"

وہ کہنے لگا: "بادشاہ کی خاطر۔ چونکہ اس نے مجھے مالا مال کیا ہے اگر میں اسکے کام نہیں آتا تو احسان نافراموش کہلاتا۔" ہاتھی بولا: "تو نہیں جانتا وہ بھی ایک شہزادی ہے میں بارہ برس تک اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن مجھے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی آخر ایک روز موقع ملا اور میں اُسے اٹھا کر لے آیا اُب چھ ماہ سے وہ میرے ساتھ تھی۔" مصور نے کہا: "میں حیران ہوں کہ وہ انسان اور تو ہاتھی یعنی ایک جانور۔ تیرا اس کا میل کیسا؟" ہاتھی نے جواب دیا: "بے وقوف! میں اصل میں ایک جن ہوں اُسے چونکہ ہاتھی کی سواری کا شوق تھا میں ہاتھی کی شکل میں اُسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر سیر کراتا تھا۔" پھر اس نے کہا: "تو ذرا ایک پل کے لئے آنکھیں تو بند کر۔" مصور نے آنکھیں بند کر کے کھولیں تو اسکے سامنے ہاتھی کی جگہ ایک آدمی کھڑا تھا دیکھا تو نے؟" مصور خوف سے کانپ رہا تھا لیکن خاموش کھڑا اسکی سُن رہا تھا۔ وہ بولا: "بادشاہ کو دوست ہمدرد سمجھنا تیری نادانی ہے یہاں ذرا بیٹھ کر ایک قصہ سُن تاکہ تیری عقل پر پڑے پردے اُٹھ جائیں۔" مصور نے کہا: "یہاں بیٹھ کیوں نہ جائیں کھڑے کھڑے تو ٹانگوں میں بھی درد ہونے لگا ہے" وہ دونوں بیٹھ گئے اور جن کہنے لگا: "اعجاز بخت ایک امیر زادہ تھا اور اقبال فرحت ایک وزیرزادہ دونوں بچپن کے ساتھی ہم نوالہ ہم پیالہ ایک دوسرے کے رازدان ہمدرد اور دکھ سکھ کے ساتھی ایک مرتبہ اعجاز بخت نے دوست سے کہا: "تنہائی کی زندگی بسر کرتے پانچ چھ ماہ گذر گئے ہیں اور اب دل اُچاٹ رہنے لگا ہے آج ارادہ کر ہی لیا ہے کہ سُسرال جا کر بیگم کو لے آؤں۔"

اقبال فرحت بولا: "بیگم کو اتنے عرصہ تک دُور نہیں رکھنا چاہیئے۔ غنیمت ہے جو حضور کو آج احساس ہو گیا، مگر دوست! بندہ بھی ساتھ چلے گا۔" اعجاز نے کہا: "ارے دوست! تم سے کہنے کا مقصد آخر کیا تھا؟" اقبال ہنس پڑا۔ پھر دونوں نے سفر کی تیاری کی اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے۔

چار دن کی مسافت کر کے دونوں جگری دوست منزل پر پہنچے، اعجاز کے خُسر نے دونوں کی خوب آؤ بھگت کی۔ انواع و اقسام کے کھانے، پھل اور میوے کھلائے۔ طرح طرح کے مشروبات سامنے رکھے پھر اعجاز اپنی بیوی سے ملاقات کیلئے اُس کے پاس گیا اور بہت دیر تک شکوے شکایات کرتا رہا جب رات قریب آئی تو برابر کے کمرے میں اقبال فرحت کے سونے کا انتظام کیا اور اُسے کمرے میں پہنچا کر خود بیگم کے پاس آ گیا۔ نیا بستر۔ نیا مکان۔ نیا ماحول۔ فرحت کو نیند نہ آئی اور وہ بستر میں کروٹیں بدلتا رہا۔ ایک پہر رات گذرنے کے بعد اُسے کچھ آہٹ سُنائی دی اور وہ کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ برابر کے کمرے سے ایک عورت کھڑکی کی راہ سے باہر نکلی ہے اور

معنی مشروبات: پینے کی چیزیں جیسے شربت یا فالودہ وغیرہ

باغیچہ کے دروازے کی جانب تیز تیز قدم اٹھاتی جارہی ہے۔ اُسے کچھ شک ہوا اور وہ ننگے پاؤں اپنے کمرے کی کھڑکی سے کُود کر اس عورت کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔

مینا بولی: "اے طوطے! وہ عورت کون تھی؟" طوطا کہنے لگا: "مجھے کیا معلوم کون تھی قصہ جن رہا ہے اور سوال مجھ سے کر رہی ہے کیا مذاق ہے؟"۔ شاہ افروز بخت نے کہا: "طوطے میاں! قصہ سناؤ"۔

طوطا کہنے لگا: "وہ عورت چلتے چلتے ایک پُرفضا باغ میں داخل ہوئی اس باغ کے وسط میں ایک بارہ دری تھی جو جھاڑ فانوس کی روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ فرش پر مسند و تکیہ زرنگار کی بہار تھی دروازوں پر زریں پردے پڑے تھے۔ خاصدان اور اگالدان قرینے سے دھرے تھے قسم قسم اور رنگ برنگ کے پھولوں سے بنائے گلدستے جگہ جگہ رکھے تھے۔ درمیان میں ایک مسند پر ایک شخص آرام کی نیند سو رہا تھا۔ اس عورت نے قریب جا کر اُسے جگایا" وہ بیدار ہوتے ہی بولا: "کیا وہ لے آئی؟" اس نے جواب دیا: بزرگوار! میرا شوہر آتو گیا ہے لیکن موتیوں کا ہار اُس کے گلے میں ہے۔ میں کس طرح لا سکتی تھی"۔

اُس نے کہا: "اگر تو شہر اجینؔ کی سلطانہ بننا چاہتی ہے تو ہر قیمت پر ہار لانا پڑے گا بغیر ہار لائے کامیابی ناممکن ہے"۔ وہ عورت کھڑی کچھ سوچنے لگی۔ بزرگ نے کہا: "سوچ کیا رہی ہے اسکے گلے سے ہار اتار کر لے آ۔ اگر اسکے بیدار ہونیکا خطرہ ہے تو صبح مانگ کر لے لینا"۔ وہ عورت سر جھکائے واپس چلی آئی اقبال فرحت بھی اسکے پیچھے پیچھے واپس چلا آیا اور اپنے بستر میں لیٹ گیا۔

وہ بستر میں لیٹ تو گیا تھا مگر اُسے ایک بے چینی تھی اور اُسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ عورت اعجاز بخت کی بیوی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آہٹ ہوئی اور اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو وہی عورت پہلے کی طرح چلی جارہی تھی۔ اس نے پھر اُس کا تعاقب کیا۔

بارہ دری میں پہنچ کر اُس عورت نے کہا: "بزرگوار! میں وہ ہار لے آئی ہوں" وہ کہنے لگا: "یہ ہار کس طرح حاصل کیا؟" وہ بولی: "حضور! میں جب پہلے یہاں آئی تھی تو میں نے بستر سے اٹھنے سے پہلے اپنے شوہر کو بیہوشی کی دوا سنگھائی تھی۔ اب جو واپس گئی تو اُسے بیہوش ہی پایا لہٰذا اسکی تلوار سے اُس کا گلا کاٹ دیا اور ہار لے کر چلی آئی"۔ اس شخص نے سر پیٹتے ہوئے کہا: "کمبخت، بدنصیب، لالچی عورت جب وہ بیہوش تھا تو ہار اتارنے کی اُسے کیا خبر ہوتی۔ تُونے گلا کاٹ کر اُس بے قصور کا خون کیوں کیا؟"

وہ کہنے لگی: "میں شہر اجینؔ کی سلطانہ بننے کے بعد یوں بھی اُس کی بیوی رہنا پسند نہ کرتی"۔ وہ بولا: "دفع ہو یہاں سے۔ لالچی۔ بے رحم اور بے وفا عورت! تیری مدد کر کے اپنے لئے جہنم میں گھر کون بنائیگا تجھے تو زندہ درگور کر دینا چاہیئے۔ چلی جا یہاں سے، مجھے تیری صورت سے نفرت ہوگئی ہے"۔

وہ روتی، سسکیاں بھرتی واپس چلی آئی اور اقبال فرحت اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُسکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ اپنے دوست کی موت پر بُری طرح رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اعجاز کی بیوی نے چیخنا چلانا، رونا اور دھاڑنا شروع کیا۔ شور وغل سُن کر اُس کے والدین اور بہن بھائی دوڑتے ہوئے آئے۔ اس نے رو رو کر کہا: "ڈاکوؤں نے میرا سہاگ لوٹ لیا۔ میں لُٹ گئی۔ جیتے جی قبر میں پہنچ گئی۔ ہائے دوڑو بھاگو ان کو پکڑو۔" اسی وقت ڈاکوؤں کی تلاش ہوئی مگر وہ کہیں نہ ملے۔ سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔ اقبال فرحت اپنے کمرے میں بستر پہ لیٹا دوست کی جُدائی میں رو رہا تھا۔ غرض صبح ہوئی اور گھر والوں نے اعجاز کی افسوس ناک موت کا اقبال سے ذکر کیا تو اس نے کہا: "خیر ہوئی۔ ورنہ ڈاکو آپ کی بیٹی کو بھی قتل کر دیتے۔ اس کی جان بچ گئی اور مال واسباب رہ گیا نہیں تو اس وقت جھاڑو پھری نظر آتی" پھر وہ کسی بہانے سے باہر نکلا اور سیدھا قاضی شہر کے پاس گیا اور رو رو کر رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔

قاضی شہر نے اس سے پہلے کبھی ایسی واردات نہ دیکھی تھی نہ سُنی تھی وہ بہت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ ایسی عورت بھی دنیا میں موجود ہے جس نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا۔ ڈائن بھی اپنا گھر چھوڑ دیتی ہے یہ تو اس سے بھی بڑی کوئی بلا معلوم ہوتی ہے۔" پھر اس نے سپاہیوں کو بھیج کر اُسے بُلوایا اور بارہ دری والے بزرگ کو طلب کیا۔ ہر ایک کا بیان لینے کے بعد اُس بزرگ صاحب کو شہر بدر کر دیا اور اعجاز کی بیوی کو قید خانے بھیج دیا جہاں مرتے دم تک قیدیوں کی کوٹھریوں کی صفائی کرنے، جھوٹے برتن دھونے اور بیماروں کی تیمارداری کرنیکا کام اُسکے سپرد کر دیا۔ اس فیصلہ کو سنکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی مگر اس رونے کا کسی پر اثر نہ ہوا اور وہ قید خانے بھیج دی گئی۔

اقبال فرحت نے اپنے دوست اعجاز بخت کی لاش یہ کہکر اپنے قبضہ میں کرلی کہ میں اسے لیجاکر اسکے والدین کے سپرد کروں گا تاکہ وہ جہاں چاہیں دفن کریں اور لکڑی کے بکس میں بند کرکے واپس چل دیا۔ راستہ میں اُسکی اپنی سُسرال تھی اور اُسکی بیوی بھی میکہ آئی ہوئی تھی ادھر سورج غروب ہو رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ رات سُسرال میں گذارنی چاہیئے اور وہ اپنے خسر کے پاس گیا۔ بیوی کی موجودگی میں سارا حال بیان کیا جسے سُنکر سب حیران رہ گئے۔ خسر بولے: "تم اس لاش کو اُٹھا کر لائے ہو یہ تم نے کمال ہی کر دیا، واقعی دوست ہو تو ایسا" پھر انہوں نے اسے کھانا کھلایا۔ پہننے کیلئے نئی پوشاک دی اور وہ رات ہوتے ہی سونے کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اپنی بیوی سے آدھی رات تک باتیں کرتا رہا پھر نیند آگئی اور وہ لحاف اوپر ڈال کر بستر میں لیٹ گیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد مکان کی پچھلی سمت سے شہر کے سناٹے کی آواز گونجی

وہ خاموش بیٹا رہا لیکن اس کی بیوی بستر سے اُٹھ کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی اور باہر کی جانب دیکھتی رہی۔ تقریباً پون گھنٹہ کے بعد اُس نے باہر کی رُخ کھلنے والا دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ اقبال فرحت یہ حال دیکھ کر سوچنے لگا کہ میری بیوی بھی اعجاز کی بیوی کی طرح باہر چلی گئی ہے کیا سب کی بیویاں یہی کرتی ہیں پھر وہ اُٹھا اور دبے پاؤں اس کے تعاقب میں چلا۔ مگر تھوڑی ہی دُور جا کر وہ ٹھہر گیا چونکہ اُس نے دیکھا کہ وہ زمین پر بیٹھی شیر کے پاؤں سے کانٹا نکال رہی ہے۔ کانٹا نکالنے کے بعد اُس نے شیر سے کچھ کہا اور اس نے ایک درخت کی جڑ کے قریب کی زمین اپنے پنجوں سے کھود ڈالی پھر منہ سے پکڑ کر کوئی چیز نکالی اور اس کے سپرد کر دی۔ وہ شیر کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر واپس آنے لگی۔

اقبال فرحت چھپتا چھپاتا جلدی جلدی واپس آ کر بستر میں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسکی بیوی بھی آ گئی اور دروازہ بند کر کے اُسے جگانے لگی۔ وہ اُٹھ بیٹھا اور بولا: "کیا بات ہے تم کو ابھی تک نیند نہیں آئی" وہ کہنے لگی: "ایک عجیب سی بات ہے سنو گے تو ہنسے بغیر نہ رہ سکو گے"۔ اس نے پوچھا: "وہ کیا بات ہے؟" وہ بولی: "آج سے سات سال پہلے ایک بزرگ نے ایک جن سے ناراض ہو کر اُسے شیر بنا دیا تھا۔" اقبال نے پوچھا: "شیر کیسے بنا دیا؟" اس نے جواب دیا: "وہ جن شیر بنکر بزرگ کو ڈرانے آیا تھا مگر انہوں نے اُسی وقت خدا سے دعا مانگی کہ یہ ہمیشہ اسی جانور کی شکل میں رہے۔ اُنکی دعا قبول ہوئی اور وہ اب تک شیر کی شکل میں پھرتا ہے۔ ایک روز وہ ہمارے مکان سے تھوڑے ہی فاصلہ پر کھڑا تھا کہ میرے ماموں جان نے کمان میں تیر چڑھا لیا اور کہنے لگے کہ میں اس شیر کو ضرور شکار کروں گا۔ اتفاق سے میری

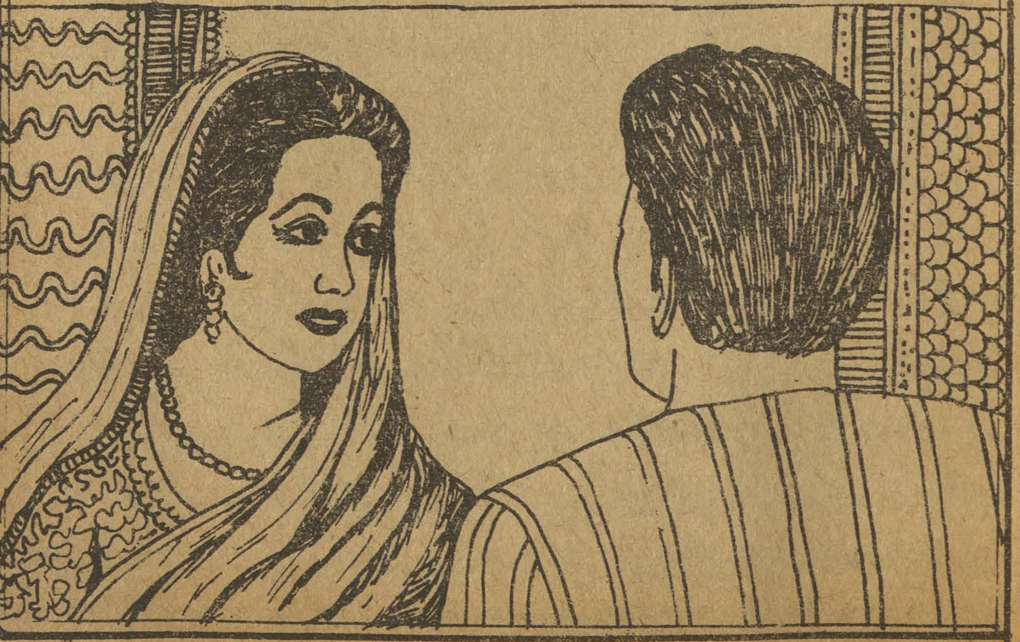

نظر پڑی۔ میں اس شیر کو پہچانتی تھی چونکہ ابا جان نے ایک روز بتایا تھا کہ اس شیر کی پیٹھ پر تین نیلی دھاریاں ہیں۔ میں نے فوراً ہی ماموں جان کو روکا اور اُن سے کہا: "ایسا غضب نہ کیجئے" اتنی دیر میں شیر چلا گیا اور ماموں جان مجھ پر ناراض ہونے لگے۔ خیر! اُسکے بعد ایک دن میں اپنی چند سہیلیوں کے ہمراہ جنگل کی سیر کر رہی تھی تو یہی شیر جھاڑیوں میں سے نکل کر سامنے آگیا اسکی صورت دیکھتے ہی میری سہیلیاں چیخنے چلانے اور دوڑنے بھاگنے لگیں مگر میں اسی جگہ کھڑی رہی۔ شیر نے ہماری زبان میں کہا کہ میں دو روز سے بھوکا ہوں مجھے کھانے کے لئے کچھ لادو۔ میں گھر آئی اور ملازم کو بھیج کر میں نے دو سیر گائے کا گوشت منگوایا اور لے جاکر شیر کو کھلا دیا۔ اس روز سے یہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اس وقت جو یہ آیا تو اس کے پاؤں میں کانٹا چبھا ہوا تھا اور اپنی مخصوص آواز میں مجھے بُلا رہا تھا۔ میں نے جاکر کانٹا نکالا اور ساتھ ہی تمہارے دوست کے قتل کا قصہ سنایا۔ وہ کہنے لگا: "فکر نہ کرو۔ میں نے آبِ حیات کی ایک شیشی دبا رکھی ہے۔ میں تمہیں وہ شیشی نکال کر دیتا ہوں تم لے جاکر آدھا آبِ حیات پانی میں ملاؤ اور وہ پانی اُس کی کٹی ہوئی گردن پر ڈال دو اور باقی آبِ حیات ناک کے راستہ اُسکے حلق میں پہنچا دو۔ لہٰذا میں وہ شیشی لے کر آئی ہوں اب تم صندوق کھول کر اپنے دوست کی لاش نکالو اور آبِ حیات کو آزما دیکھو۔" اقبال فرحت فوراً بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور لکڑی کا صندوق کھول کر اس نے اعجاز کی لاش فرش پر رکھدی۔ اس دوران میں اسکی بیوی پانی میں نصف آبِ حیات ملا کر لے آئی اور کہنے لگی: "اللہ کا نام لیکر یہ پانی اسکے گلے کے زخم پر ڈال دو۔" اقبال نے بسم اللہ پڑھکر یہ پانی گردن پر ڈال دیا پھر باقی آبِ حیات اسکی ناک میں ٹپکانا شروع کیا۔ چند لمحوں میں یہ پانی اسکے حلق میں چلا گیا۔ اب اقبال اور اسکی بیوی ایک طرف کھڑے ہو کر خدا کے حضور اُسکے لئے دعا کرنے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اعجاز نے آنکھیں کھول کر اپنے اِدگرد دیکھا اور گھبرا کر اُٹھ بیٹھا "میں کہاں ہوں فرحت۔ یہ کیا مذاق ہے کہ مجھے فرش پر لٹا رکھا ہے کیا میں ایسی گہری نیند سو رہا تھا کہ مجھے خبر ہی نہ ہوئی اور تم لوگوں نے مجھے بستر سے اٹھا کر یہاں لٹا دیا۔"

فرحت بولا: "دوست پہلے کلمہ پڑھو۔" اُس نے کلمہ پڑھا۔ "فرحت کہنے لگا: "اب چل کر غسل کر دو اور کپڑے تبدیل کرو۔ دیکھو کیسے گندے ہو گئے ہیں۔" اس نے جو کپڑوں کو دیکھا تو ان پر گاڑھا گاڑھا خون جما ہوا تھا۔ انہیں دیکھکر وہ گھبرا گیا اور بولا "خدا کیلئے مجھے فوراً حمام میں پہنچا دو آخر یہ سب کچھ کیا ہے فوراً بتاؤ نہیں تو میں پاگل ہو جاؤنگا۔" فرحت کہنے لگا: "چلو میرے ساتھ اور غسل کر کے پہلے کپڑے تبدیل کرلو۔"

اعجاز بخت نے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ ادہر فرحت کی بیوی نے اُس کیلئے ناشتہ تیار کیا پھر تینوں نے بیٹھکر ناشتہ کیا۔ اعجاز بولا: "دوست! میں حیران ہوں کہ ابھی ایک پہر رات باقی ہے اور تم نے میرے ساتھ

مذاق کر کے میری نیند بھی خراب کی اور اپنی بھی"۔

فرحت نے اب اطمینان سے بیٹھ کر سارا واقعہ بیان کیا جسے سُنکر وہ حیران رہ گیا اور فوراً ہی بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہوا۔ صبح فرحت کے خُسر صاحب نے بھی یہ واقعہ سُنا اور وہ بھی تعجب کرنے لگے، انہوں نے بیٹی کو شاباش اور اعجاز کو مبارک باد دی۔

دونوں جگری دوست یہیں قیام پذیر تھے کہ ایک دن اعجاز بولا "دوست! ذرا جنگل میں چلکر اس شیر کو تو دیکھیں" فرحت نے کہا "چلو میں بھی اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ یاد رکھنا۔ اسکی پہچان تین نیلے رنگ کی دھاریاں ہیں جو اسکی پیٹھ پر پڑی ہوئی ہیں" پھر وہ دونوں ٹہلتے ٹہلتے جنگل میں جا پہنچے اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگے۔ اُسی وقت رُخ نامی پرندہ آسمان سے نیچے اُترتا نظر آیا۔ فرحت بولا "دیکھو وہ ہے رُخ۔ سندباد جہازی کو یہی پرندہ اُڑا کر لے گیا تھا۔ اس کا انڈا اگر زمین پر رکھا ہو تو گنبد کے برابر نظر آتا ہے۔ مگر یہ کیا۔ اسکے پنجہ میں تو کوئی بچہ ہے۔ یہ اس غریب کو کہیں سے کھانے کے لئے اُٹھا لایا ہے۔" اعجاز بخت نے کہا "اس بچہ کو ظالم کے پنجہ سے چھڑانا ہمارا فرض ہے"۔ فرحت نے فوراً میان سے تلوار نکالی اور دوڑتا ہوا رُخ کے پاس پہنچا۔ چاہتا تھا کہ ایک وار کر کے اُسکی ٹانگ کے دو ٹکڑے کر دے کہ رُخ نے اُسے دیکھ لیا اور وہ بچہ کے ساتھ ساتھ اُسے بھی پنجہ میں پکڑ کر آسمان کی جانب پرواز کر گیا۔ یہ

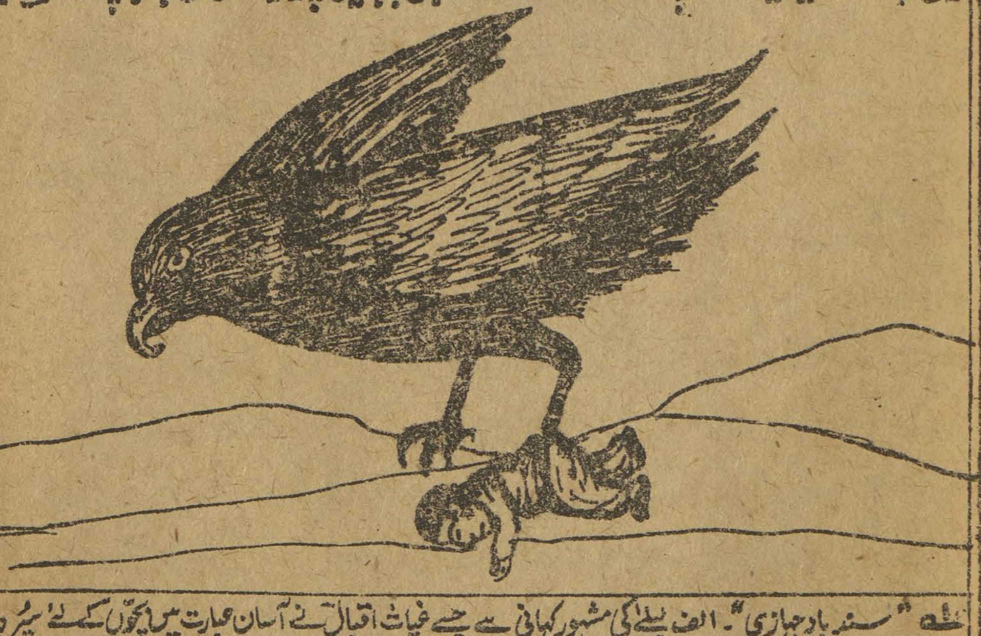

ملاحظہ "سندباد جہازی"۔ الف لیلےٰ کی مشہور کہانی ہے جسے غیاث اقبال نے آسان عبارت میں بچوں کے لئے سپردِ قلم کیا ہے۔ یہ خوبصورت باتصویر کتاب دو حصوں میں شائع کی گئی ہے۔ قیمت فی حصہ ۳۷ پیسہ اور اگر امین برادرس کی شائع کردہ "الف لیلےٰ" (قیمت پانچ روپے) آپ کے پاس موجود ہے تو سندباد کی کہانی ضرور پڑھیئے۔

رنگ دیکھکر اعجاز بخت ہوش و حواس کھو بیٹھا اور اُسی جانب دوڑنے لگا جس طرف وہ پرندہ پرواز کرتا گیا تھا۔ دوڑتے دوڑتے ٹانگیں جواب دے گئیں پاؤں زخمی ہو گئے مگر وہ اُس دوست کو بچانے کیلئے مُسلسل دوڑ رہا تھا جس نے آبِ حیات کے ذریعہ اُسے موت کے پنجہ سے چھڑایا تھا۔

رُخ کسی جگہ اور کسی مقام پر نظر نہیں آیا اور وہ غریب تھک ہار کر ایک دریا کے کنارے بیٹھ گیا اُس کا سانس بُری طرح پھول رہا تھا، پاؤں زخمی ہو چکے تھے اور ان میں ٹیسیں[۱] اُٹھ رہی تھی۔ دل میں سخت بے چینی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک برداشت کرتا رہا پھر لیٹ گیا۔

دریا کا کنارہ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، غضب کی تکان۔ اُسکی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گیا، سوتے ہوئے اُس نے جو کروٹ بدلی تو سیدھا پانی میں گیا فوراً ہی آنکھ کھل گئی اور وہ گھبرا کر ہاتھ پاؤں مارنے لگا لیکن ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ پاؤں زمین پر لگے اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے اُسے پکڑ کر کوئی لے جا رہا ہے۔ وہ کبھی آنکھیں کھولتا کبھی بند کرتا، ایک بار جو اُس نے آنکھیں کھولیں تو اردگرد حسین و جمیل سُرخ و سپید، نازک اندام چار پریاں نظر آئیں۔ پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو نہایت عالیشان مکان تھا، نفیس فرش پر قیمتی قالین اور غالیچے بچھے تھے درمیان میں مسندِ زرنگار[۲] رکھا تھا۔ قد آدم آئینے۔ جھاڑ فانوس اور دنیا کی بے شمار انمول چیزیں سجی تھیں۔ اُن چاروں نے اُسے لیجا کر مسند زرنگار پر بیٹھایا پھر چاندی کی بڑی تھال میں پھل اور میوے لا کر سامنے رکھے اور ایک جگ انار کے سُرخ و شیریں رس سے بھرا لاکر رکھا اور اس سے کہا: "حضور! شرمایئے نہیں۔ یہ آپ ہی کا مکان ہے اور یہ سب کچھ آپ ہی کے لئے ہے" وہ منہ سے کچھ نہ بولا اور آہستہ آہستہ کھانے لگا۔

شام ہوتے ہی دسترخوان چنا گیا۔ اس پر مچھلی کے کباب، بھُنی مُرغی، پرندوں کے گوشت کا سالن اور کئی قسم کے حلوے رکھے تھے پریوں نے اُس کی خوب خاطر کی۔ جب وہ دسترخوان سے اُٹھ گیا تو وہ اُسے ایک اور کمرے میں لے گئیں۔ یہاں دروازوں میں ریشمی پردے لٹکے تھے جگہ جگہ مہکتے پھولوں سے بنائے گلدستے رکھے تھے پریوں نے اُسے قالین پر بیٹھا دیا۔ پھر کچھ پریاں ساز لے کر آئیں اور کچھ ناچنے گانے لگیں۔ مگر اعجاز بخت اپنے جگری دوست اقبال فرحت کے خیال میں کھویا تھا۔ چہرے پر اُداسی چھائی تھی۔ اور آنکھوں سے ویرانی ٹپک رہی تھی اِن چاروں پریوں میں چھوٹے قد کی ایک پری تھی جسکا نام تھا گلفام پری۔ وہ بہت سمجھدار اور ہوشیار تھی۔ وہ اعجاز کا چہرہ دیکھکر سمجھ گئی کہ اس کے دل پر ضرور کوئی صدمہ ہے وہ بظاہر محفلِ رقص و سرود میں بیٹھا ہے لیکن اُسکا دل کہیں اور ہے دماغ کہیں اور۔ پھر وہ سوچنے لگی کہ ہم میں سے کسی نے اسکے دل کا حال بھی نہیں پوچھا تو

معنی: ۱؎ میٹھا میٹھا درد ۲؎ تکیہ لگا کر بیٹھنے کا سنہری تخت۔

وہ سب کچھ بتا دیتا۔ معلوم نہیں غریب کہاں اور کس مقصد سے جا رہا تھا کہ یہاں قید ہو گیا۔
محفل رقص و سرود نصف شب کے فوراً بعد برخواست ہوئی اور سب پریاں واپس چلی گئیں صرف چار رہ گئیں۔ انہوں نے جلدی جلدی اپنے لئے بستر لگائے اور ایک بستر اعجاز بخت کے لئے لگایا۔ تینوں پریاں بےحد تھکی ہوئی تھیں وہ تو فوراً ہی سو گئیں مگر گلفام پری جاگتی رہی۔ اسے جب یقین ہو گیا کہ تینوں پریاں گہری نیند سو چکی ہیں تو وہ اٹھ کر اعجاز بخت کے پاس آئی اور کہنے لگی: "مجھے تمہارے حال پر نجانے کیوں ترس آ رہا ہے۔ اگرچہ میں اور یہ ہر اس آدم زاد کی جان لینے پر مقرر ہیں جو اس طلسم جنوں میں داخل ہوتا ہے۔"
اعجاز بخت بولا: "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" وہ کہنے لگی: "شہر جنوں آباد کی یہ پہلی منزل ہے وہ دریا جسے تم نے دیکھا تھا اصل میں دریا نہیں ہے صرف نگاہ کا فریب ہے۔ اس کے کنارے جو بیٹھا یا بیٹھتا ہے اس مکان میں پہنچ جاتا ہے یہاں ہم چار پریاں اس کی خوب خاطر مدارات کرتی ہیں ہر لمحہ آرام پہنچاتی ہیں صرف اس لئے کہ وہ خوش رہ کر اور کھا پی کر خوب فربہ ہو جائے پھر ہم مل کر اسے ذبح کرتے ہیں اور اس کا لذیذ گوشت شہر جنوں آباد کے والیان کو بھیج دیتے ہیں۔ وہ اسے بھون کر کھاتے اور ہمیں انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔"
شہزادہ زین الجہاں درخت پر بیٹھا ان کی گفتگو بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا لیکن جنوں آباد کا نام سنتے ہی اس کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ اور بھی غور سے سننے لگا تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ شہر جنوں آباد پہنچنے تک کس کس آزمائش سے گذرنا ہوتا ہے۔
اعجاز بخت نے گلفام پری سے خوشامد کے لہجہ میں کہا: "تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم کو میرے حال پر ترس آ گیا ہے۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہے تو کیا تم یہاں سے نکلنے میں میری مدد کر سکتی ہو؟"
گلفام پری بولی: "ان پریوں کو اگر مجھ پر شک ہو گیا تو یہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گی۔ اسلئے میں راستہ بتا دیتی ہوں۔ عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ تم اس وقت بےفکر ہو کر سو جاؤ صبح ان میں سے ہر ایک کے ساتھ گھل مل کر رہنا اور ہنسی مذاق کی باتیں کرنا۔ شام کے وقت یہ باہر دالان میں جائیں تو باتیں کرتے کرتے ان کے ساتھ چلے جانا۔ دالان میں کئی گھوڑے ہیں ان میں سیاہ رنگ کا گھوڑا برق رفتار ہے تم اس پر سوار ہو کر اسکے پاس رکھا ہوا چابک پوری قوت سے مارنا۔ وہ اسی لمحہ تم کو لے کر اڑ جائے گا اور ایک میدان میں اتار دے گا وہاں سے آدم زادوں کی بستی بہت نزدیک ہے۔"
اعجاز بخت نے اس پری کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا: "انشاء اللہ تعالیٰ میں اس طلسم خانہ سے آزاد ہو جاؤں گا۔" گلفام مسکراتی ہوئی اپنے بستر میں لیٹ گئی اور اعجاز اپنے بستر میں۔

معنی: ۱؎ دھوکا ۲؎ موٹا تازہ ۳؎ مالکان۔ حکمران ۴؎ بے حد تیز دوڑنے والا۔

صبح پریوں نے اعجاز بخت کو بہت خوش پایا۔ اس کی خوشی دیکھکر اور ہنسی کی باتیں سنکر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ہم سے مانوس ہو گیا ہے اور اس کی خوشی کا یہی عالم رہا تو وہ بہت جلد فربہ ہو جائیگا۔

شام تک ہنسی خوشی رہنے کے بعد وہ پریوں کے ہمراہ دالان میں گیا اور ایک طرف کھڑا دیکھتا رہا اور وہ گھوڑوں کو دانہ کھلاتی رہیں۔ جب گھوڑوں کے پیٹ بھر گئے تو پریاں ایک کنوئیں پر ہاتھ دھونے چلی گئیں اس طرح اُسے موقع مل گیا اور وہ نہایت پھرتی سے کالے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا پھر چابک اٹھا کر پوری قوت سے مارا۔ گھوڑا تڑپ اُٹھا اور دوڑ کر دالان سے صحن میں آیا اور آسمان کی جانب پرواز کر گیا۔ پریاں شور مچاتی اور ہاتھ ملتی رہ گئیں۔

پرندہ رُخ جو اقبال فرحت اور ایک بچہ کو پنجہ میں لے کر اُڑا تھا، اڑتا رہا اور ایک ایسی سرزمین میں پہنچا جہاں ہر جانب ہیرے لعل اور یاقوت کنکر پتھروں کی طرح پڑے تھے۔ رُخ نے نیچے اتر کر دونوں کو چھوڑ دیا اور ایک چٹان کی طرف منہ کر کے مختلف قسم کی آوازیں نکالنے لگا جیسے کسی کو بلا رہا تھا۔ فرحت نے موقع کو غنیمت جانا اور تلوار سے اس کی پیٹھ پر پے در پے کئی وار کئے اور وہ چیختا تڑپتا جان بحق تسلیم ہوا۔ فرحت اس ڈر سے کہ یہاں اسکا کوئی ساتھی بھی ہوگا اگر وہ نکل آیا تو اسے مردہ دیکھ کر غضب ناک ہو جائے گا پھر ہمارا بچنا بے حد مشکل ہو گا۔ وہ ایک چھوٹا سا غار دیکھکر بچہ کے ساتھ چھُپ گیا۔ بہت دیر تک جب دوسرا پرندہ نہیں آیا تو اُسے اطمینان ہوا اور وہ بچہ کو گود میں لے کر ایکجانب چل دیا۔ تقریباً دو فرلانگ چلنے کے بعد اس نے ایک دروازہ دیکھا جو بہت ہی پتلا تھا اس میں سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی نکل سکتا تھا۔ اس نے زمین پر بکھرے ہوئے لعل یاقوت اور دوسرے ہیروں سے اپنی جیبیں بھر لیں پھر اس دروازے سے گذر کر دوسری جانب پہنچا تو ایک لق و دق میدان نظر آیا۔ جہاں نہ کوئی سبزہ تھا نہ کوئی درخت۔ وہ پریشان ہو کر واپس مڑا وہ دروازہ بھی غائب ہوا نظر آیا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ یہ تو جادو اور سحر کے کرشمے معلوم ہوتے ہیں پھر وہ ایک جانب روانہ ہوا تین دن اس طرح گذر گئے کہ نہ کہیں کھانے کو کچھ میسر آیا نہ پینے کو پانی ملا۔ بچہ بھوک اور پیاس کی تاب نہ لاکر چل بسا اور وہ خود ان صدمات و مشکلات سے پریشان ہو کر دل میں کہنے لگا کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے اعجاز کس حال میں ہے اور کہاں ہے۔ واپس چلا گیا یا میری تلاش میں جنگل کی خاک چھانتا پھر رہا ہے۔ اُس سے ملاقات ہونا تو اب ممکن نہیں چونکہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں کہاں اور کس علاقہ میں ہوں اور یہاں سے کس طرح نکل سکتا ہوں۔ غریب بچہ تڑپ تڑپ کر مر گیا اب ایک دو دن میں میرا بھی یہی

معنی: ۱ مائل ۔ ہل جانا ۲ اوپر تلے ۳ غصے ہونا ۴ چٹا میدان۔

انجام ہونے والا ہے۔ وہ بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر اس نے زمین کھودی لونڈیا کی لاش کو دفنا دیا۔ دفناتے وقت اسکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ دل میں کہہ رہا تھا کہ افسوس۔ اس ویرانہ میں نہ کہیں پانی نہ کپڑا۔ اس غریب کی میت کو نہ میں غسل دے سکا اور نہ کفنا سکا۔ وہ فاتحہ پڑھکر آگے چل دیا۔ لیکن سوائے ویرانے کے وہاں کیا تھا۔ دو دن گذر گئے۔ بھوک اور پیاس کے سبب چلنے کی قوت نہیں تھی وہ سوچنے لگا کہ اب میرا بھی وہی حال ہونیوالا ہے جو بچہ کا ہوا۔ اُسے تو میں نے دفنا بھی دیا لیکن مجھے دفنانے والا تو کوئی بھی نہیں۔ یہاں چیل۔ کوے اور گدھ بھی نہیں جو میرا گوشت کھالیں۔ ہائے میری لاش زمین پر پڑے پڑے دھوپ کی تمازت[1] میں سوکھ جائے گی اور کچھ عرصہ کے بعد ہڈیوں کا ایک پنجرہ رہ جائے گا۔ پھر اس کے جی میں نجانے کیا آئی اُس نے اپنے لئے ایک قبر کھودی اور اس میں اُتر کر تلوار نکال لی پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا: "اے مولا! اس ویرانے میں تڑپ تڑپ کر مرنے سے تو بہتر ہے کہ اپنے حلق پر تلوار سے ایک ضرب[2] کاری لگا کر اپنی رُوح کو تیرے حوالے کردوں تجھ سے میرا حال پوشیدہ نہیں ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ تو میرے اُس گناہ کو معاف کردیگا۔" اسی وقت آسمان سے ایک سیاہ گھوڑا نیچے اُترتا نظر آیا۔ اُسے دیکھ کر وہ کہنے لگا: "مولا! تیری ذات بڑی ہے تونے کتنی جلدی میری دُعا قبول کی ہے" اور وہ قبر سے نکل کر گھوڑے کی طرف دوڑا۔

گھوڑا جیسے ہی زمین پر اترا اس پر بیٹھا سوار کود کر اعجاز کی جانب دوڑا۔ قریب پہنچتے ہی اعجاز نے دیکھا کہ وہ سوار اُس کا جگری دوست اقبال فرحت تھا۔ اُس نے اُچک کر اُسے گلے سے لگا لیا۔ خوشی سے دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فرحت بولا: "دوست! پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے چبھ رہے ہیں اگر مجھے پانی نہ ملا تو میرا زندہ رہنا ممکن نہیں"۔

اعجاز نے کہا "پانی تو میرے پاس بھی نہیں ہے آؤ اس گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلیں" پھر دونوں گھوڑے کے پاس گئے لیکن اس نے انہیں اپنی پیٹھ پر سوار نہیں ہونے دیا۔ برابر دولتیاں جھاڑتا رہا۔ آخر اعجاز نے کہا: "اے گھوڑے! کیا تو بتا سکتا ہے کہ بستی یہاں سے کس جانب ہے چونکہ گلفام نے کہا تھا کہ جس مقام پر گھوڑا تمہیں اتارے گا وہاں سے بستی بہت قریب ہے"۔

گھوڑا جواب تو کیا دیتا۔ وہ ہنہنا کر پہلے تو ناچنے لگا پھر مشرق کی جانب رُخ کر کے گردن ہلانے لگا۔ اعجاز بولا: "دوست! تم بہت کمزور ہو گئے ہو۔ آؤ میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں بستی کی جانب لے چلتا ہوں چونکہ گھوڑے نے راستہ بتا دیا ہے" فرحت نے کہا: "نہیں! میں چل سکتا ہوں" اعجاز بولا، "تم فکر نہ کرو۔ آؤ میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ" پھر اس نے زبردستی فرحت کو پیٹھ پر بٹھا لیا اور مشرق کی

معنی: [1] شدت، تیزی [2] سخت چوٹ لگانا۔

طرف چل دیا۔ اُن کے جاتے ہی گھوڑا ابھی پرواز کر گیا؛

دونوں دوست چلتے رہے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ایک بستی کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں فرحت نے کہا: "اعجاز! اب مجھے نیچے اُتار دو۔ ورنہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ کوئی بھکاری ہیں یا میں محتاج اور اپاہج ہوں۔" اعجاز نے اُسے اُتار دیا اور دونوں نے بستی میں جا کر ایک بھٹیارے کے ہاں کھانا کھایا اور پانی پی کر تشنگی[1] بجھائی۔ بھٹیارہ ان کے لباس اور ان کی گفتگو سے سمجھ گیا تھا کہ وہ دونوں مسافر ہیں اور کسی دوسرے مُلک کے باشندہ ہیں اس لئے وہ کہنے لگا: "آپ صاحبان اگر اس شہر میں قیام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو کچھ عرض کروں؟" اعجاز بولا: "ہاں بھئی! ارادہ تو ہے" وہ کہنے لگا: "میں ایک غریب آدمی ہوں آپ اگر کسی سرائے میں ٹھہرنے[2] کی بجائے میرے غریب خانے کے ایک کمرے میں قیام فرمائیں اور جو کچھ کرایہ آپ سرائے کے مالک کو دیں وہ مجھے عنایت فرماویں تو حضور! بڑی غریب پروری[3] ہوگی۔ یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ صاحبان کو معمولی سی بھی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔"

دونوں دوست بولے: "بڑے میاں! ہمیں کوئی انکار نہیں۔ آپ فوراً انتظام کر دیجئے چونکہ ہم بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں اور آرام کرنا چاہتے ہیں۔"

بھٹیارے کا مکان قریب ہی تھا اس نے جا کر فوراً دو پلنگ ایک کمرے میں بچھائے اور اپنی بیٹی "نازلی" ضروری ہدایت دے کر چلا آیا اور ان دونوں کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ نازلی نے پلنگوں پر سلیقہ سے بستر کر دیئے تھے اور فرش صاف کر دیا تھا۔ اعجاز اور فرحت اس کمرے میں داخل ہوئے اور صفائی دیکھ کر کہنے لگے کہ ایسا کمرہ ایسی صفائی اور ایسے بستر تو سرائے میں ہرگز نہ ملتے۔ پھر بھٹیارہ تو چلا آیا اور وہ دونوں لیٹے اپنے بستروں میں لیٹ گئے۔ اعجاز تو فوراً ہی سو گیا لیکن فرحت کو تکان کے سبب جوڑ جوڑ میں درد محسوس ہو رہا تھا وہ نہیں سو سکا۔ اسی کمرے میں ایک پنجرہ لٹکا ہوا تھا جس میں ایک خوبصورت پرندہ قید تھا۔ وہ پرندہ کہنے لگا: "مسافر! میں ایک راز کی بات بتا دوں مگر شرط یہ ہے کہ مجھے اس قید سے رہا کرانا ہوگا۔" فرحت بولا: "میں ابھی وعدہ نہیں کرتا البتہ کل تک فیصلہ کر کے پھر شرط طے کر لوں گا۔" پرندے نے کہا: "بہتر ہے اب سو رہو" اور وہ کروٹیں بدلتے بدلتے تھوڑی دیر بعد سو گیا۔" یہ کہہ کر طوطا خاموش ہوا تو مینا بولی: "طوطے! سُنا پھر کیا ہوا۔"

طوطے نے کہا: "خاموش! پگلی! سُنا نہیں دونوں دوست تھکن سے چُور ابھی ابھی سوئے ہیں۔ بولے گی تو اُن کی آنکھ کھل جائے گی" اس بات کو سُن کر بادشاہ افروز بخت اور تمام حاضرین قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور محفل برخاست ہوئی؛

معنی: [1] پیاس [2] ٹھہرنا [3] غریب کی پرورش کرنا یعنی مدد کرنا۔

ساتویں شب
باون سبھا

آج ساتویں شب ہے۔ اربابِ مجلس[1] وقت سے کچھ پہلے ہی آ گئے ہیں اور شاہ افروز بخت کی آمد کے منتظر ہیں، دونوں سنہری پنجرے اپنی اپنی جگہ رکھے ہیں اور دونوں پرندے بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہے ہیں وہ بھی بے چین ہیں کہ شاہ ابھی تک کیوں تشریف نہیں لائے۔ چوبداروں نے ان سب کی بے چینی کا جائزہ لیتے ہوئے اعلان کیا کہ آج سلطان عالم پناہ تاخیر سے تشریف لا کر جلوہ افروزِ انجمن ہوں گے چونکہ آج ہمسایہ مُلک سے وہاں کے شہزادے میاں بطور مہمان تشریف لائے ہیں اور شاہ اُن سے مصروف گفتگو ہیں۔ اس اعلان کو سننے کے بعد مینا طوطے سے کہنے لگی: "میاں طوطے! شاید تمہیں یاد ہو کہ پرسوں تم بادشاہ دارا کی حسین بیٹی شہزادی دلدار کا قصہ بیان کر رہے تھے لیکن سلطان عالم پناہ کی آمد کے سبب تم نے اُسے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔" طوطا بولا! "ہاں مینا! مجھے یاد ہے۔ آج موقعہ ہے کہ میں اُسے بیان کرتا ہوں۔ شہزادہ جانعالم اپنے وطن واپس پہنچ کر اُداس رہنے لگا اور اس اُداسی کا اُسکی صحت پر بُرا اثر پڑنے لگا، وزیر اعظم نے جو اُس کی یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کو اُس نے مشورہ دیا کہ وہ شہزادے کا بیاہ کسی اور ملک کی شہزادی سے کر دے، شادی ہو جانے کے بعد وہ شہزادی دلدار اور اُسکے یہاں پیش آئے حادثہ کو بھول جائے گا۔ بادشاہ نے کہا، "وزیر اعظم! تم کو علم ہے کہ دوسرے ملکوں سے ہمارے تعلقات بہتر نہیں ہیں ایسی حالت میں ہمکو کون اپنی بیٹی دے گا، اس سے تو بہتر ہے کہ اپنے ہی ملک کے کسی اعلیٰ خاندان کی لڑکی منتخب کر لی جائے۔" وزیر اعظم نے جواب دیا، "تجویز مناسب ہے، میں آج ہی اس خدمت کیلئے کچھ لوگوں کو مقرر کر دیتا ہوں۔" اُدھر شہزادی دلدار ہر وقت اس سوچ میں رہتی کہ میں نے جانعالم کو کہلوا تو دیا کہ آپ نے تو مجھے اپنی غلامی میں لینے کا عہد کیا تھا مگر ناکام ہو کر جا رہے ہیں اب میں آپ کو اپنی غلامی میں رکھ کر نہ دکھاؤں تو میرا نام شہزادی دلدار نہیں لیکن اس قول کو کس طرح نبھایا جائے اور کیا کیا جائے۔ وہ اکثر اس بات کا اپنی ہمجولیوں اور کنیزوں سے تذکرہ کرتی رہتی۔

ایک دن ایک کنیز کہنے لگی: "شاہزادی صاحبہ! میں نے سنا ہے کہ محل سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک کسان ہے جسے بابا رحیمو کہتے ہیں اُس کے کھیت پر ایک لڑکا کام کرتا ہے وہ لڑکا بیحد عیّار، مکّار اور چالاک ہے شاید اسی لیے سب اُسے دھوکا شاہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ وہ بابا رحیمو کا بیٹا نہیں ہے لیکن اس کے بیٹے کی طرح رہتا ہے اور یہ بھی سُنا ہے کہ وہ لڑکا اپنی ماں سے نہیں ہے۔" شہزادی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور کہنے لگی: "نادان! کوئی نہ کوئی تو اُسکی ماں ہوگی۔" کنیز بولی، "نہیں شاہزادی صاحبہ! وہ بغیر ماں کے پیدا ہوا تھا۔" شہزادی دلدار سنتے ہی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی اور کہنے لگی: "پگلی! ایک مرتبہ چین کے انہی باشندوں نے زمین میں ایک

معنی: [1] محفل میں شریک ہونے والے لوگ۔

گھوڑا کاٹ کر بویا تھا اور ان کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد اس زمین میں سے ہزاروں گھوڑے پیدا ہو جائینگے اسی طرح کسان نے کوئی لڑکا بو دیا ہو گا جس سے دھو کا شاہ پیدا ہو گیا۔"

کنیز بولی: "شاہزادی صاحبہ! اگر آپ میری بات جھوٹ سمجھ رہی ہیں تو بابا رحیمو کو بلوا کر اُس سے دریافت کر لیجئے۔" شہزادی دلدار نے کہا: "بہتر ہے تم ہی جا کر بابا رحیمو کو بُلا لاؤ۔"

دوسرے دن کنیز بابا رحیمو اور اُس کے بیٹے دھو کا شاہ کو ساتھ لے آئی۔ شہزادی دلدار کے پوچھنے پر بابا نے دھو کا شاہ کی پیدائش کا حال یوں بیان کیا: "شہزادی صاحبہ! میرے چچا بھی بے اولاد تھے ان کو خدا نے ایک بیٹی دی لیکن اس طرح کہ ایک روز جو چچی صاحبہ بیگن کاٹنے بیٹھیں تو اس میں سے آواز آئی "تھوڑا سا کاٹنا، کہیں میں بھی نہ کٹ جاؤں" ۔ وہ اس آواز کو سُن کر گھبرا گئیں اور چھری ایک طرف پھینک کر کھڑی ہو گئیں۔ پھر چچا نے بیگن کو احتیاط سے کاٹا تو اُس میں سے جیتی جاگتی لڑکی نکل آئی وہ لڑکی بیگن سُندری کے نام سے مشہور ہوئی اور اُس کا بیاہ ایک راجہ سے ہوا۔ خاندان میں ایسا ہی خوش نصیب ایک میں ہوں کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ میں دن رات دعائیں کرتا رہا آخر ایک دن میں کھیت سے کدو لے کر گھر گیا تو بیوی اُسے کاٹنے بیٹھ گئی۔ ابھی اس نے تھوڑا ہی سا کاٹا تھا کہ آواز آئی، "تھوڑا سا کاٹنا، کہیں میں بھی نہ کٹ جاؤں" وہ پہلے تو گھبرائی لیکن پھر یہ کہہ کر "اس خاندان میں تو اب سبزیوں سے اولاد پیدا ہونے لگی ہے" اُس نے آہستہ آہستہ اسے کاٹ ڈالا۔ اس میں سے ایک لڑکا نکلا۔ میں اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس خیال سے کہ اللہ نے یہ لڑکا دیا ہے اس کا نام اللہ دیا رکھ دیا۔ بڑا ہو کر یہ بہت ہوشیار ہو گیا اور اپنے ہم عمر لڑکوں ہی کو نہیں بڑے بڑے چالاک اور تجربہ کار لوگوں کو ہر معاملہ میں مات دینے لگا تو وہ اسے دھو کا شاہ کے نام سے پکارنے لگے۔" شہزادی بولی، "بابا رحیمو! اس لڑکے کو کچھ دنوں کے لئے ہمارے پاس نہیں چھوڑ سکتے؟" وہ کہنے لگا: "آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے آخر یہ آپ ہی کا غلام ہے۔" وہ اُس کے جواب سے بہت خوش ہوئی اور اس نے بیس اشرفیاں بابا کو دے کر رخصت کر دیا اور دھو کا شاہ کو اپنے پاس ٹھہرا لیا۔

اللہ دیا جس وقت کدو میں سے نکالا گیا تو اس کے گلے میں ایک تعویذ تھا۔ رحیمو اور اس کی بیوی نے اس تعویذ کو یوں ہی پڑا رہنے دیا۔ بڑے ہو کر اللہ دیا کو معلوم ہوا کہ اس تعویذ میں ایک یہ صفت ہے کہ اگر وہ اسے منہ میں رکھ لے تو وہ سب کی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ مگر اُس نے تعویذ کی یہ صفت کسی کو نہیں بتائی۔ صرف اپنے دل میں رکھی۔

شہزادی دلدار نے اللہ دیا کی رہائش کے لئے ایک کمرہ مقرر کر دیا۔ یہ کمرہ پائیں باغ کے ایک کونے میں تھا اور پہلے اس میں ایک مالی رہتا تھا۔ اللہ دیا نے اسے دیکھ کر کہا "شہزادی صاحبہ! میں تو تنہائی سے گھبرا جاؤں گا" شہزادی بولی: "مگر تجھے محل میں تو جگہ نہیں مل سکتی" وہ غریب سن کر چپ ہو گیا۔ شام ہوتے ہی دو کنیزیں اُسے ساتھ لے جا کر بولیں: "اب تم کو اس کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا ڈالا جائیگا تاکہ تم یہاں سے بھاگ نہ جاؤ"۔ وہ کہنے لگا: "تمہاری حکومت ہے شوق سے قید کر دو۔ مگر یاد رکھنا میری روح کو تم قید نہیں کر سکتیں وہ تمہیں اور تمہاری شہزادی کو ساری رات نہیں سونے دیگی"۔

کنیزیں بولیں: "چل چل بکواس نہ کر۔ تو کیا مُردہ ہے جو تیری روح ہمیں ستائے گی" اس نے منہ چڑاتے ہوئے جواب دیا: "ہر آدمی کے بدن میں دو روحیں ہوتی ہیں ایک مقامی اور دوسری سیلانی میری سیلانی رُوح تمہیں مزا چکھائے گی"۔ کنیزوں نے اُسکو کمرے میں دھکیل دیا۔ اُس نے کواڑ کی اوٹ میں کھڑے ہو کر نہایت پھرتی سے تعویذ منہ میں رکھا اور فوراً ہی باہر بھاگ آیا۔ کنیزوں نے دروازے میں تالا ڈال دیا اور محل میں واپس آ کر شہزادی کو ساری باتیں کہہ سُنائیں۔ ادھر اللہ دیا بھی محل میں آ گیا اور شہزادی کی شاندار مسہری کے نیچے بچھے قالین پر لیٹ کر سو گیا۔

رات کو اُس کی آنکھ کھلی تو شہزادی اور کنیزیں بے خبر سو رہی تھیں۔ اُس نے کٹورہ پانی سے بھر کر ایک کنیز کے چہرے پر سارا پانی ڈال دیا۔ دوسری کنیز کی چارپائی پلٹ دی اور شہزادی جو دوشالہ اوڑھے سو رہی تھی وہ کھینچ کر ایکطرف پھینک دیا۔ اب کیا تھا ایک کہرام مچ گیا۔ تینوں حیران پریشان چیخ رہی تھیں۔ دوسرے کمروں سے غلام اور کنیزیں، پہریدار، دربان، ملکہ اور بادشاہ سب ہی تو آ گئے۔ تینوں نے اپنا اپنا حال بیان کیا مگر دیکھتے کسے وہاں تھا کون۔ خوف اور دہشت سے تینوں میں سے ایک بھی نہ سو سکی۔ صبح ایک غلام اللہ دیا کا کمرہ کھولنے گیا تو وہ بھی اُسکے پیچھے پیچھے چل دیا۔ اس نے جیسے ہی قفل کھول کر دروازہ کھولا اللہ دیا دوڑ کر اندر گیا اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر تعویذ منہ سے نکال لیا اور نظر آنے لگا۔

غلام کے ساتھ وہ دوبارہ محل میں آیا تو کنیزوں سے کہنے لگا: "میری رُوح نے ستایا تو نہیں تم کو؟" شہزادی بولی: "ہائے اللہ! ہم تو بھول ہی گئے تھے وہ تیری روح تھی۔ ہماری تو جان ہی نکل گئی" پھر اُس نے ناشتہ کرانے کے بعد اُسے شہزادہ جانعالم کا قصہ سُنایا اور اُس سے پوچھنے لگی کہ اُسے غلام بنانے کی کوئی تدبیر بتا۔ وہ بولا: "تدبیر تو خیر کیا بتا سکتا ہوں البتہ اگر آپ مجھے اُس کے شہر میں بھیج دیں تو بہت جلد اُسے یہاں لا کر آپکی غلامی میں پیش کر دوں گا"۔ شہزادی خوش ہو کر کہنے لگی: "اگر یہ بات ہے تو آج ہی چلا جا۔ میں تجھے دو سو اشرفیاں اور نئے کپڑے دے دیتی ہوں۔ اگر تو نے جو کہا ہے کر دکھایا تو تجھے مالا مال کر دوں گی"۔

طوطا کہنے لگا "اے مینا! اب باقی قصہ پھر کسی اور رات کو سناؤں گا" مینا بولی "نہیں، اچھے طوطے! یوں نہیں ترسایا کرتے۔ بادشاہ سلامت ابھی تک تشریف نہیں لائے ہیں اسلئے سناتے جا"

طوطے نے کہا "نہیں مینا! پھر کسی اور رات کو سناؤں گا" اہل محفل بھی چلا اٹھے "نہیں میاں طوطے! بڑا ہی دلچسپ قصہ ہے اسی وقت سناؤ" طوطا کہنے لگا "بہت اچھا صاحب! تو سنیئے۔ اللہ دیا یعنی دھوکا شاہ نے کپڑے پہن اور دو سو اشرفیوں کی تھیلی بغل میں دبا سفر پر روانہ ہو گئے سواری کے لئے تانگہ تھا نہ گھوڑا بھی نہ تھا پیادہ چلے جا رہے تھے سارا دن بیٹھ کر کھیت میں کام کرنے والے پیدل چلے تھے کب تک چلتے دو تین میل چل کر تھک گئے اور سڑک کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر کہنے لگے۔ میاں اللہ دیا! تم نے شہزادی سے گھوڑا نہیں تو ایک بیل ہی مانگ لیا ہوتا۔ خیر جو ہوا سو ہوا جو گذرے گی برداشت کر لینا مگر دوست! یہ سفر پیدل طے نہیں کیا جائے گا۔ کوئی سواری گاڑی ادھر سے گذرے تو اس پر بیٹھ جانا۔

دوپہر کے بعد ایک اونٹ گاڑی آتی نظر آئی تو وہ تعویذ منہ میں رکھکر ایک طرف ہو گئے۔ گاڑی جیسے ہی نزدیک پہنچی دوڑ کر اچھلے اور گاڑی پر جا بیٹھے۔ مغرب کے بعد یہ گاڑی ایک گاؤں میں پہنچی تو وہ اتر گئے۔ ادھر ادھر پھرتے رہے ایک جگہ پہنچکر انہیں معلوم ہوا کہ دس بیل گاڑیاں شہزادہ جانعالم کے شہر کی طرف جا رہی ہیں لہٰذا وہ ان گاڑیوں کے پاس گیا۔ لوگ ان پر گڑ کی بھیلیاں، تیل کے پیپے اور اناج کی بوریاں لاد رہے تھے۔ وہ ایک طرف کھڑے دیکھتے رہے جب گاڑیاں چلنے لگیں تو وہ ایک پر چڑھ کر لیٹ گئے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے مزے لیتے سفر پر روانہ ہوئے۔

صبح سورج نکلتے ہی وہ شہر میں داخل ہوا۔ بڑا پر رونق شہر تھا ہر جانب چہل پہل تھی وہ گاڑی سے اتر کر ایک دکان کی پچھلی طرف گیا اور تعویذ منہ سے نکال کر ایک دکان پر جا بیٹھا خوب پیٹ بھر کر حلوہ پوری اڑائی، آدھ سیر دودھ پیا اور محل کی جانب چل دیا۔

وہ جانتا تھا کہ پہرے دار اسے دروازے میں داخل نہیں ہونے دینگے لہٰذا اس نے تعویذ منہ میں رکھا اور سب کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر بڑے ٹھاٹ کے ساتھ محل میں داخل ہوا۔ ایک ایک دالان اور ایک ایک کمرے کی خوب سیر کی۔ پھر شہزادے میاں کو دیکھا۔ عالیشان مسہری پر سر پکڑے نیم دراز تھے۔ کیا حالت تھی ان کی۔ اللہ اللہ!

شعر

تمام عیش و عشرتِ جہاں سے بے نیاز ہیں
ہم اپنے دل میں دولتِ غمِ نہاں لئے ہوئے

وہ انہیں دیکھ کر واپس آ گیا اور تعویذ منہ سے نکال کر بازار میں گیا۔ وہاں سے ایک بیش قیمت ریشمی

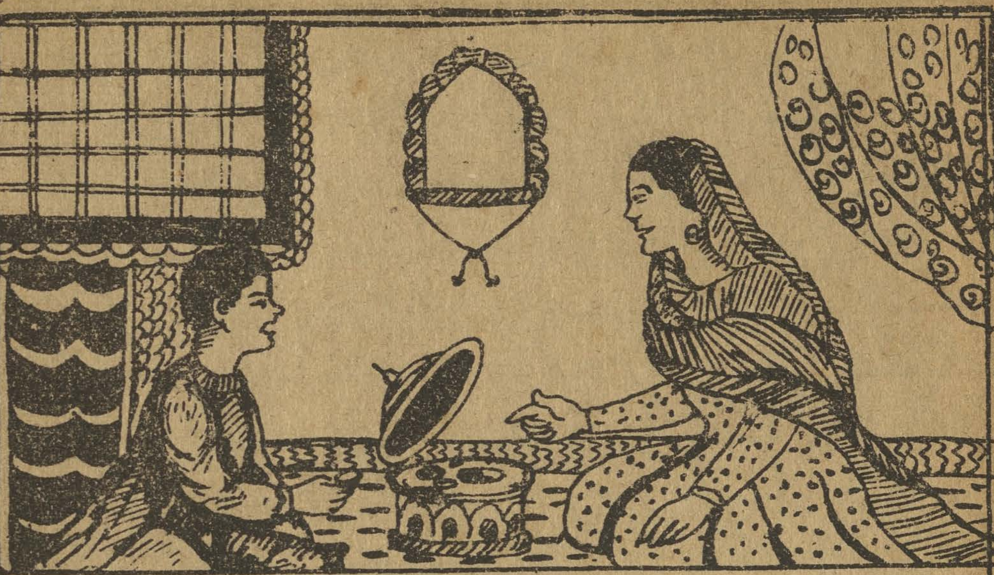

رومال خرید کر ایک مُلّانی کے پاس پہنچا اور ایک اشرفی سامنے رکھ کر کہنے لگا: "ملّانی جی! ایک کاغذ پر چھوٹا سا رقعہ لکھدیجئے تو یہ اشرفی آپ کو دے دونگا"۔ ملّانی غریب عورت تھی اس نے تو کبھی ایک اشرفی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی فوراً صاف ستھرا کاغذ اٹھا جو اس نے مضمون بتایا لکھنے بیٹھ گئی۔

اللہ دیا رقعہ لے کر چوک میں گیا اور وہاں سے ایک کبوتر خرید لایا پھر ایک خاموش جگہ بیٹھ کر رقعہ رومال میں پیٹا اور اُسے کبوتر کے گلے میں مضبوطی سے لٹکا دیا۔ پھر تعویذ منہ میں رکھ کر شہزادہ جانعالم کے کمرے میں جا پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ کھڑکیاں اور روشندان بند ہیں اب اُسے اطمینان ہو گیا اور اُس نے دروازے میں کھڑے ہو کر کبوتر کو اندر اچھال دیا، اُس کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سُنکر جانعالم چونک اُٹھا پھر اس کی نظر سفید کبوتر کے گلے میں بندھے رومال پر گئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے دروازہ بند کر کے کبوتر کو پکڑ لیا پھر گلے سے رومال کھول کر رقعہ نکالا۔ اُس میں لکھا تھا کہ:

پیارے جانعالم! جب سے تمہیں دیکھا ہے۔ دِل کا سکُون، رات کی نیند اور دن کا آرام غرض سب کچھ جاتا رہا ہے۔ تم شکار کے لئے جنگل میں آتے تھے تو دیکھ کر آنکھوں کو روشن کر لیتی تھی لیکن مدّت ہوئی تم نے آنا بھی چھوڑ دیا۔ اب تو ہر لحظ ڈھونڈتی ہوں کہ میرا دل کہاں ہے میری جان کہاں ہے۔" اگر تم نہ آئے تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم نے اگر میرے دل کو ٹھیس نہ پہنچائی تو میں یقین دلاتی ہوں کہ شاہ دارا کی مغرور بیٹی دلدار کو تمہاری کنیز بنا کر چھوڑوں گی۔ تم آؤ مگر شہزادہ بن کر نہیں ایک معمولی شکاری کے بھیس میں۔ تاکہ تمہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ شاہ دارا کے پائین

باغ میں ایک کمرہ ہے وہاں میں تمہارا انتظار کرونگی رات کے وقت! تمہاری خادمہ:
نزہت یاسمین

شہزادہ جانعالم اس عجیب غریب رقعہ کو پڑھ کر سوچنے لگا کہ نجانے کون ہے نزہت یاسمین لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر میں نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا تو اس کافرہ کو رام کر لینا بہت آسان ہو جائے گا اور اس نے جو یہ کہا تھا کہ میں تم کو غلامی میں رکھ کر دکھا دوں گی خاک میں مل جائے گا۔ اس نے فوراً ہی معمولی قسم کے کپڑے پہنے گھٹیا قسم کی پگڑی سر پر رکھی اور دیہاتی جوتے پاؤں میں پہنے پھر ایک سپاہی کے گھوڑے پہ سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اللہ دیا بھی باہر نکلا اور منہ سے تعویذ نکال کر ایک گھوڑے کے مالک سے بولا بھائی! مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر سرحد پار چھوڑ آؤ تو میں تمہیں ایک اشرفی دے دوں گا مگر قریب کے رستہ سے چلنا ہو گا وہ راضی ہو گیا اور اللہ دیا کو گھوڑے پر بٹھا کے لے گیا جانعالم اگرچہ اس سے پہلے پہنچ گیا تھا مگر باغ میں جانے کی ہمت نہ ہوئی وہ رات ہونیکا انتظار میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ اُدھر اللہ دیا نے محل میں جا کر شہزادی کو اپنا منصوبہ بتایا اور اس سے کہا کہ وہ رات کو اس کمرے کی طرف جائیگا جو آپ نے میرے لئے مقرر کر رکھا ہے لہٰذا کوتوال کو بلوا کر حکم دیجئے کہ وہ خفیہ پہرہ لگا دے۔ شہزادی نے ایسا ہی کیا اور بیس سپاہی درختوں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ رات ہوتے ہی جانعالم دیوار پھاند کر باغ میں اُترا اور دبے پاؤں کمرے کی طرف چلا۔ سپاہی تو گھات میں بیٹھے ہی تھے فوراً کود کر سامنے آگئے اور اس کی مشکیں باندھ کر کوتوال کے سامنے لے گئے۔ اس نے پوچھا "تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟" وہ خاموش کھڑا رہا چونکہ خود کو شہزادہ تو بتا ہی نہیں سکتا تھا ورنہ ساری دنیا میں بدنام ہو جاتا۔ اپنے قصور کی معافی چاہنے لگا۔ اس بات سے کوتوال کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور کوئی چور یا ڈاکو ہے۔ اس نے صبح تک اسے قید خانہ میں رکھا اور صبح ہوتے ہی دربارِ عام میں بادشاہ دارا کے سامنے پیش کر دیا۔

جانعالم جس وقت دولہا بن کر آیا تھا اس کا چہرہ سہرے کے پھولوں میں چھپا تھا اسلئے دارا نے نہیں دیکھا تھا۔ اگر اس نے پہلے دیکھا ہوتا تو وہ ضرور پہچان لیتا۔ مگر اسکا چہرہ دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ پیشہ ور چور یا ڈاکو نہیں ہے بلکہ کسی مجبوری کے تحت آمادہ ہوا ہے۔ لہٰذا اس نے قید خانے میں بھیج کر سخت سزا دینے کی بجائے اُسے اپنے غلاموں میں شریک کر لیا۔

شہزادی دلدار کو کوتوال کی زبانی اُس کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئی اور تین دن کے بعد اس نے کوتوال سے کہا کہ نئے غلام کو میرا کمرہ صاف کرنے کے کام پر مقرر کر دو اور اسے ہدایت کر دینا کہ بستر

معنی: لہ جیت لینا، اپنی مرضی کے موافق ڈھال لینا لہ تدبیر، ارادہ لہ پوشیدہ، چھپا ہوا لہ داؤ میں لہ بازوؤں کو پشت کی طرف لاکر باندھنا۔

ہر روز بدل دیا کرے۔ جوتے اور کمرے کی دوسری چیزوں کو اپنی مقررہ جگہ پر رکھا جائے۔ غرض جانعالم اس کام پر مقرر کر دیا گیا۔ وہ شہزادی کے سامنے نگاہ نہیں اٹھاتا تھا مگر شہزادی کو علم تھا کہ وہ حقیقت میں کون ہے۔ اپنی طرف سے تو اس نے چھپنے کی بہت کوشش کی تھی گرفتار ہونے پر اُس نے اپنا نام حکمت بتایا تھا اور دلدار بھی اس کو حکمت ہی کے نام سے پکارتی تھی۔ چوتھے دن صبح جانعالم شہزادی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ خلافِ معمول بستر میں لیٹی ہوئی تھی۔ وہ واپس لوٹنے لگا تو شہزادی نے اسے پکارا۔ "حکمت یہاں آؤ۔ ذرا میرے پاؤں تو دبا دو" اور وہ اس کے گورے گورے نازک نازک پاؤں دبانے لگا۔ شہزادی آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد بولی: "حکمت! اب ذرا سر بھی دبا دو۔ کچھ درد سا محسوس ہو رہا ہے"۔ اس نے سرہانے کھڑے ہو کر دلدار کے سر پہ ہاتھ رکھا تو وہ بولی: "بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر دباؤ" وہ مسہری پر بیٹھ گیا اور سر دبانے لگا۔ دلدار نے یکایک اُس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور کہنے لگی: "جانعالم! اب کہو۔ میں نے غلام بنا کر چھوڑا یا نہیں" وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا اور وہ کہہ رہی تھی "تمہارے ساتھ میرا نصف نکاح ہوا تھا۔ البتہ میں تو اسی دن سے تمہاری ہو چکی ہوں بس ایک ضد کی بات تھی جو آج پوری ہو گئی۔ اب اگر تم چاہو تو مجھے اپنا بنا سکتے ہو"۔ جانعالم بہت شرمندہ تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی اُسے اپنا دل دے چکا تھا۔ راضی ہو گیا۔ پھر شہزادی نے کوتوال سے کہہ کر اُسے آزاد کرا دیا۔

اُس نے واپس جا کر والدین کو منایا اِدھر دلدار نے اپنی ماں کو راضی کیا اور اس طرح دوبارہ بارات آئی اور شہزادہ جانعالم اُسے ہمیشہ کے لئے اپنا بنا کر بڑی شان و شوکت سے لے گیا اور دونوں ہمیشہ خوش و خرم رہے۔ اس قصہ سے ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ مرد اگرچہ مضبوط و توانا جسم کا مالک ہے۔ محنت کر سکتا ہے حکومت کر سکتا ہے لیکن عورت اپنی فطرت کے ذریعہ اُسے نیچا دکھا سکتی ہے۔ عورت ہٹ کی پکی اور دُھن کی سچی ہوتی ہے۔

مینا بولی: "طوطے! دھوکا شاہ کہاں گیا؟" وہ کہنے لگی: "ایسی باتیں پوچھی نہیں جاتیں نادان! جس وقت جانعالم گرفتار ہو گیا شہزادی نے اُسے مالا مال کر کے اس کو رخصت دے دی۔

مینا نے کہا: "طوطے دھوکا شاہ کی عیاری، مکاری اور چالاکی کے قصے تو تو نے بیان ہی نہیں کئے"۔ طوطا بولا: "اگر میں وہ قصے سنانے شروع کر دیتا تو یہ سارا قصہ اُدھورا رہ جاتا۔ اب ذرا سُن وہ کیا آواز آ رہی ہے"۔

"با ادب با ملاحظہ ہوشیار! سلطان عالم پناہ حضرت شاہ افروز بخت قدم رنجہ محفل ہوتے ہیں" چوبداروں کی اس آواز کو سُن کر تمام حاضرینِ مجلس ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔ شاہ نے ہاتھ

کے اشارے سے بیٹھنے کے لئے کہا اور جلدی جلدی تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

طوطا کہنے لگا: "یہ بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ دونوں دوست شام تک سوتے رہے۔ مغرب سے کچھ پہلے بھٹیارے کی بیٹی نازلی نے انہیں جگایا اور ان سے کہا کہ غسل کے لئے پانی گرم ہے چل کر غسل کر لیجئے۔ دونوں دوست بستروں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے جا کر غسل کیا۔ ادھر نازلی نے کھانا تیار کر رکھا تھا۔ فوراً ہی دسترخوان چُن دیا گیا انہوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد بھٹیارہ ان کی خیر خبر لینے پہنچ گیا اور ان سے کہنے لگا چلئے شہر کی ذرا سیر ہی کر لیجئے۔ فرحت بولا: بابا! آپ مکان چھوڑ کر کیوں چلے آئے۔ ہم خود ہی سیر کر لیتے۔" بھٹیارہ کہنے لگا "دکان پر نوکر موجود ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے۔"

غرض وہ بازار کی طرف نکل گئے۔ راستہ میں فرحت بولا: "بابا! آپ نے پنجرے میں ایک پرندہ قید کر رکھا ہے اُسے دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ قدرت نے انہیں اڑنے کے لئے پیدا کیا ہے اور آپ نے اسیر بنا لیا۔" بھٹیارہ نے جواب دیا "یہ پرندہ ناطقہ کے نام سے مشہور ہے یہ باتیں کرتا ہے اور دنیا کے حالات سے واقف ہے۔" فرحت نے کہا: "یہ سب کچھ درست ہے مگر بابا! اُسے قید کرنے سے سوائے اسکی بددعا لینے کے کچھ حاصل نہیں۔ آپ اسے آزاد کر دیجئے اسکے معاوضہ میں آپ کو میں ایک لعل دے دوں گا۔" بھٹیارہ بولا "بہت بہتر جناب! صبح اپنے ہی ہاتھ سے آزاد کر دیجئے گا۔"

مکان پر واپس پہنچ کر فرحت نے ایک قیمتی لعل بھٹیارے کو دیدیا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے ناطقہ سے کہا "اب وہ راز کی بات بیان کرو میاں ناطقہ! پھر میں اپنے ہاتھوں سے تم کو آزاد کر دونگا۔"

ناطقہ بولا "میرے پر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لو۔ اگر ایسا کوئی نابینا شخص نظر آئے جس کی بینائی کسی بیماری یا کسی حادثہ کے سبب جاتی رہی ہو تو ایک پر کو جلا کر چند قطرے عرق گلاب میں حل کرنا پھر اس میں دو قطرے شہد کے شامل کر کے نابینا کی آنکھوں میں ایک ایک قطرہ ڈال دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر یہی عمل کرنا۔ تین چار مرتبہ کے عمل سے اُس کی بینائی لوٹ آئے گی اور وہ مرتے دم تک بینا رہے گا۔ اس بستی سے ایک راستہ شاہی نہر کی طرف جاتا ہے۔ اس راستے کے آخر میں ایک درزی کی دکان ہے وہ غریب پانچ سال سے نابینا ہے اس سے پہلے اسکی آنکھوں میں روشنی تھی اور وہ شہر کا سب سے مشہور درزی تھا مگر ایک حادثہ میں اس کی بینائی جاتی رہی اب وہ کمانے سے مجبور ہو گیا ہے۔ اس کی خدمت ضرور کر دینا۔ وہ صلہ میں تم کو ایسی چیز دے گا جو تم نے کبھی دیکھی ہوگی اور نہ آئندہ کبھی دیکھ سکو گے" پھر اس نے پر پھڑپھڑائے تو پانچ چھ پر ٹوٹ کر گر گئے۔ فرحت نے کھڑکی کھول کر ناطقہ کو آزاد کر دیا اور وہ پر اپنی جیب میں حفاظت سے رکھ لئے۔

فرحت اور اعجاز دونوں دوست سیر کرتے ایک عالیشان عمارت کے سامنے پہنچے تو اعجاز کی نظر دریچہ پر پڑ گئی۔ اُس میں شہر کے مشہور سوداگر احمد یار کی حسین بیٹی نگہت آرا کھڑی بازار کا نظارہ کر رہی تھی۔ اعجاز بخت اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا، اُس کا جی چاہتا تھا کہ وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہے لیکن وہ اپنے کسی خیال میں تھی دریچہ سے ہٹ کر چلی گئی۔ اُسے خبر بھی نہ ہوئی کہ کسی پردیسی کے دل کی دنیا میں محل پیدا ہو گئی ہے۔ اقبال فرحت اسے باتوں میں لگا کر اپنے ساتھ لے گیا مگر اُسے چین کہاں تھا وہ بات بات پہ اُسی کا ذکر زبان پر لاتا اور ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتا ؎

داغِ دل داغِ جگر کس کو دکھاؤں کیا کروں
ایک پل نہ چین پاؤں جل نہ جاؤں کیا کروں

سیرِ گلشن، صحرا نوردی راس آئی نہ تجھے
جستجوئے دل کروں یا مداوائے جگر
گھر بھی چھوٹا اور منزل بھی نہیں نزدیک تر
گوناگوں مجھ پہ ہیں روا یہ ستم فرمائیاں

اے دلِ برہم کہاں تجھ کو لے جاؤں کیا کروں
کس سے پوچھوں کس طرح جاؤں کیا کروں
ایسی حالت میں کیونکر لوٹ جاؤں کیا کروں
سینہ کوٹوں، سر کو پیٹوں، جاں کھپاؤں کیا کروں

اُسے تین روز گذر گئے نہ اُس نے کچھ کھایا اور نہ وہ ایک پل کے لیے سویا۔ اقبال فرحت سخت پریشان تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اگر اعجاز کی یہی حالت رہی تو اس کی صحت جواب دے جائیگی اور اُسے سنبھالنا مشکل ہو جائیگا۔ آخر وہ اللہ کا نام لے کر احمد یار سوداگر کی خدمت میں پہنچا اور اعجاز بخت کے رشتہ کے لیئے بات چیت کرنے لگا۔ احمد یار نے کہا، میری بیٹی کی تین شرطیں ہیں اگر وہ منظور ہوں تو مجھے اس رشتے سے کوئی انکار نہیں"۔ اقبال فرحت بولا: "وہ شرائط بیان فرمائیے"۔

احمد یار نے کہا: "پہلی شرط تو یہ ہے کہ ہر کام نگہت آرا کی حسب منشاء کرنا ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس مکان کو چھوڑ کر کسی اور جگہ نہیں رہے گی تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ شوہر کہیں بھی رہے لیکن بیوی سے شام کے چار بجے سے رات کے آٹھ بجے تک ملاقات کر سکتا ہے۔

اقبال فرحت نے یہ شرطیں منظور کر لیں تو سوداگر احمد یار اپنی بیٹی کا بیاہ کرنے پر راضی ہو گیا اور فرحت خوشی خوشی واپس چلا آیا۔ اعجاز بخت اس کی زبانی سب کچھ سننے کے بعد کہنے لگا کہ شادی کی تیاری کیلئے رقم کہاں سے فراہم کی جائے گی؟" فرحت نے اُسے بتایا کہ راستہ میں لعل یاقوت اور زمرد مجھے ملے تھے انہیں میں نے اپنی جیبوں میں بھر لیا تھا۔ ان ہی میں سے کچھ بیچ کر رقم حاصل کر لی جائیگی فکر کیا ہے؟" اور پھر انہوں نے ایسا ہی کیا اور ایک ہفتہ میں شادی کا تمام ضروری سامان اکٹھا کر کے

بارات لے گئے۔ وہاں بھی تیاری مکمل تھی۔ جاتے ہی نکاح پڑھوا لیا گیا لیکن دوسری رسموں کی ادائیگی میں آٹھ بجے کا وقت ہو گیا اور شرط کے مطابق اعجاز بخت وہاں سے آ گیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ فرحت بولا "کیا بات ہے دوست! اداس کیوں ہو؟" وہ کہنے لگا: "ایسا بھی کوئی بدنصیب ہوگا کہ نکاح کے بعد بیوی کی صورت بھی نہ دیکھ سکے" فرحت نے تسلی دیتے ہوئے کہا، "شرط ہی ایسی رکھی گئی تھی اب کیا کیا جائے۔ خیر کل دیکھ لینا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے من کی مراد[1] بر آئی ورنہ اتنا بھی نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔" اعجاز بخت خاموش ہو گیا مگر جی ہی جی میں تاؤ پیچ کھاتا رہا۔

دوسرے دن وہ گیا تو کچھ وقت خاطر مدارات میں گذر گیا کچھ وقت بیگم صاحب کے بناؤ سنگار میں لگا۔ تھوڑا سا وقت رہ گیا تو وہ آ کر بیٹھیں۔ دو گھڑی میاں کی شکل دیکھی۔ اپنی صورت دکھائی۔ دائیں بائیں کنیزیں مورچھل[2] لیے ہوا کرتی رہیں۔ نہ خلوت[3] ملی۔ نہ اپنی کہی نہ اس کی سنی۔ وقت ہوا اور چلا آیا۔

ایک دن نہیں دو دن نہیں اسی طرح چھ مہینے گذر گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ اس بیاہ شادی سے حاصل کیا ہوا۔ تماشہ بینی کے لئے بیاہ کرنا تو حماقت تھا۔ آخر اُس نے اقبال فرحت سے کہا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے وہ کہنے لگا، "آج میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا اور موقع پا کر وہیں کسی جگہ چھپ رہوں گا تاکہ یہ تو معلوم ہو جائے کہ رات کو آٹھ بجے کے بعد بیگم صاحبہ کس کام میں مصروف رہتی ہیں۔"

اعجاز بخت بولا، "جو مناسب سمجھتے ہو کر دیکھو ورنہ یہی حال رہا تو میں ایک دن اسے بھی جان سے مار دوں گا اور خود بھی مر جاؤں گا۔" اس روز شام کو اقبال فرحت بھی اس کے ہمراہ گیا اور جاتے ہی ایک پرانی الماری کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اعجاز تو آٹھ بجے چلا آیا مگر وہ اسی جگہ کھڑا رہا۔

رات ہوتے ہی ایک تخت آسمان سے نیچے اترا۔ اسے دیکھتے ہی نگہت آرا کی کنیزیں دوڑتی ہوئی گئیں اور تخت پر بیٹھے ضعیف العمر آدمی کو عزت کے ساتھ نگہت آرا کے کمرے میں لے آئیں۔ اُس نے اُٹھ کر بڑے ادب سے سلام کیا پھر اسے تخت مرصع پر بٹھا کر اُس کے سامنے لذیذ حلوے اور مشروبات رکھے وہ کہنے لگا: "بیٹی! تم ہر روز میری خاطر کیوں کرتی ہو۔ کبھی کبھی کی تو خیر کوئی بات نہیں تھی"۔ وہ بولی: "میں خاطر کرتی ہی کہاں ہوں۔ آپ تو بلاوجہ تکلف فرماتے ہیں۔" غرض کھانے پینے کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں چھڑ گئیں اور صبح کا تارا نمودار ہونے تک وہ ضعیف العمر نگہت کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر اپنے وقت پر واپس چلا گیا۔

نگہت آرا اور اس کی کنیزیں ساری رات جاگتی رہی تھیں اس لئے فوراً ہی اپنے اپنے بستروں میں لیٹ گئیں۔ اقبال فرحت کو جب یقین ہو گیا کہ وہ سب سو چکی ہیں تو وہ دبے پاؤں نکل کر بھاگ آیا

[1] معنی جلد دل کی تمنا ۔ [2] مور کے پروں سے بنایا گیا پنکھا ۔ [3] تنہائی ۔

اقبال فرحت نے واپس پہنچ کر اعجاز بخت سے کہا: "دوست! بُرا ہوا جو تمہارے دماغ میں نگہت سودا سمایا اور تم نے اس سے بیاہ کیا۔ وہ تو راجہ اندر کی محبوبہ ہے۔ رات اندر کا وزیر آیا تھا۔ صبح ہونے تک وہ اسے مناتا اور سمجھاتا رہا۔ اس کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوا کہ راجہ اندر کی سبھا میں ہر رات اربابِ نشاط اور حسینوں کا جمگھٹ رہتا ہے۔ بڑے بڑے دیوتا سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں جن، دیو اور پریاں ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ ساری رات رقص و سرود کی محفل گرم رہتی ہے۔ راجہ اندر کو نگہت آرا کے حسن کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے وزیر کو اس کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ اے حسن و جمال کی ملکہ! تو اگر ہماری مجلس عیش و نشاط میں شریک ہو کر اس کے رنگ کو دوبالا[۱] کر سکتی ہے تو ہمارے وزیر کے ہمراہ بلا پس و پیش چلی آ ورنہ یاد رکھ۔ جن اور دیو ہی نہیں بڑے بڑے دیوتا بھی ہمارے سامنے سر بلند کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ ہم تجھے کسی دیو کے ذریعہ حاصل کر لیں گے۔

نگہت اس پیغام کو سن کر بہت گھبرائی اور وزیر کی خوشامد کرنے لگی کہ کسی طرح مجھے بچائیے وزیر کا دل پسیج[۲] گیا اور اس نے واپس جا کر راجہ اندر سے جھوٹ بولا کہ نگہت ان دنوں علیل ہے اس کا علاج ہو رہا ہے۔ وہ صحت مند ہوتے ہی حاضر خدمت ہو جائیگی۔ راجہ نے وزیر سے کہا: وہ جب تک صحت یاب نہ ہو تم ہر رات مزاج پرسی کے لئے جاتے رہو۔ اور جس روز اُسے علالت سے نجات ملے فوراً ہمارے پاس لے آؤ۔" اب سات ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور وزیر اس سے کہتا ہے کہ میں اب زیادہ دن تک ٹال مٹول نہیں کر سکتا، تم چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

اعجاز بخت بولا: "افسوس! ایک نئی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ راجہ اندر سے بھلا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ فرحت! اب کیا ہوگا؟" اس نے جواب دیا: "عقل حیران ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

دوپہر کے وقت اقبال فرحت نابینا درزی کی تلاش میں چل دیا۔ اب تک وہ اُسے بھولا ہوا تھا، ناطقہ پرندے کے پروں کا خیال آتے ہی انہیں آزمانے کا شوق ہوا اور وہ روانہ ہوا۔ اُسے اُسکی دکان تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی چونکہ وہ بہت مشہور درزی تھا۔ اُس کی دکان پر پہنچ کر اُس نے کہا: "میاں درزی! سُنا ہے کہ تمہاری آنکھوں کی بینائی کسی حادثہ میں جاتی رہی تھی؟" وہ کہنے لگا: "ہاں بھائی! میں نے بہت علاج کرائے لیکن گئی ہوئی بینائی لوٹ کر نہ آئی۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ کچھ پرانے کرم فرما لوگ ہیں جو ترس کھا کر تھوڑی بہت مدد کر دیتے ہیں۔"

اقبال فرحت بولا: "میں اس وقت ایک دوا لے کر حاضر ہوا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو آزما کر

معنی: ۱ دوگنا کرنا۔ اضافہ کرنا ۲ رحم آگیا۔

دیکھ لوں؟" درزی نے جواب دیا: "بھائی! روشن آنکھوں میں دوا ڈالتے ہوئے تو خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں نقصان نہ پہنچ جائے لیکن ان ویران آنکھوں کا کیا ہے۔ تم آزما دیکھو۔"

فرحت نے پرجلا کر اس کی راکھ میں چند قطرے عرقِ گلاب کے ڈالے پھر شہد ملا کر دونوں آنکھوں میں ایک ایک قطرہ ٹپکایا۔ تین چار بار یہی عمل کر کے چھوڑ دیا۔ خدا کی قدرت کہ شام سے کچھ پہلے اُسکی بینائی لوٹ آئی اور وہ پہلے کی طرح ہر چیز دیکھنے لگا۔ اب تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا اور فرحت کو سینہ سے لگا کر بولا: "بھائی! اب میں تم کو وہ چیز دوں گا جو رہتی دُنیا تک شاید کسی کو حاصل نہ ہو سکے۔" پھر وہ کاٹھ کے ایک پُرانے صندوق میں سے ایک تھیلا نکال کر لایا اور کہنے لگا کہ اِس تھیلے کو اپنے پاس بڑی حفاظت سے رکھنا۔ فرحت نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں باون پُتلیاں تھیں اور سب لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ پُتلیوں کے ساتھ کانسی کی ایک ننھی منی پیالی تھی اور سیاہ رنگ کی ایک ڈبیہ۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کیا تماشہ ہے۔ میں کوئی مداری تو نہیں جو ان سے کھیلوں گا۔

درزی کہنے لگا: "بھائی! تم اس کی حقیقت سے ناواقف ہو اس لئے جو کہو مناسب ہے اب ذرا ان کی کہانی تو سُن لو۔ اس شہر میں کلمبا نامی ایک شخص رہتا تھا اُسکی بیٹی گنگو بہت خوبصورت تھی وہ گانے اور ناچنے میں بھی بے مثل تھی۔ ایک روز راجہ اندر کا اس کے نام پیغام آیا کہ وہ فوراً اُسکی سبھا میں شریک ہو جائے۔ اُس نے ایک ہفتہ کی مہلت حاصل کر کے اپنے باپ سے ذکر کیا تو وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا کہ راجہ اندر کی سبھا میں شریک ہونے کے بعد تو پھر کبھی میری صورت نہ دیکھ سکے گی چونکہ وہاں جو عورت جاتی ہے اندر اُسے ہمیشہ کے لئے قید کر لیتا ہے۔ گنگو باپ کی یہ بات سُنکر رونے لگی چونکہ اس کی ماں تو اُسے

بچپن ہی میں جدائی کا داغ دے گئی تھی۔ باپ نے ہی اُسے پالا تھا۔ اب راجہ اندر اُسے شفیق[1] باپ سے بھی چھین لینا چاہتا تھا۔ کلمبا نے اُسے تسلی دی اور اپنے اُستاد کی مدد سے اس نے یہ باون پتلیاں تیار کیں تاکہ اپنی بیٹی کو بھیجنے کی بجائے وہ ان میں سے ایک پتلی کو بھیج دیگا۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اس کا ایک دوست شہر جنوں آباد میں رہائش پذیر تھا۔ اُسے کسی طرح اس بات کا علم ہو گیا اور وہ یہاں آکر کلمبا اور اس کی بیٹی گنگو کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ کلمبا میرا مقروض تھا لیکن ہر روز میرے پاس آیا تھا۔ جاتے وقت وہ مجھے یہ تھیلا دے گیا اور مجھ سے کہہ گیا کہ اب میں جنوں آباد میں رہوں گا جہاں دیو پریوں اور جنوں کی تو مجال کیا ہے اگر راجہ اندر خود بھی جانا چاہے تو اُس کی سرحد میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

فرحت بولا: "ان پتلیوں سے حاصل کیا ہوتا ہے؟" درزی کہنے لگا، "ان پتلیوں کو کسی تاریک کمرے میں فرش پر ڈال دینا۔ پھر سیاہ ڈبیہ کھول کر طاق میں رکھنا پھر تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لے کر منتر پڑھنا اور کانسی کی پیالی میں بھر کر ان پتلیوں پر ڈال دینا۔ بس یہ سب نہایت حسین پریوں کی شکل میں کمرے سے باہر نکلیں گی اور ناچنا شروع کر دیں گی۔ جس وقت ناچ بند کرانا مقصود ہو سیاہ ڈبیہ کو بند کر دینا یہ سب بھاگ کر کمرے میں چلی جائیں گی اور دوبارہ پتلیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔" پھر اس نے فرحت کو وہ منتر بھی سکھا دیا جو مٹی پر پڑھا جاتا تھا۔

القصہ فرحت یہ تھیلا لے کر واپس اعجاز بخت کے پاس آیا اور اُسے ساری روداد[2] سنائی۔ وہ کہنے لگا، "ہمیں ان پتلیوں سے کیا فائدہ ہو گا؟" اس نے کان میں راز کی بات کہہ دی اور وہ مسکرانے لگا۔

اعجاز بخت دوسرے دن نگہت آرا کے ہاں گیا تو اس نے شکایت کی، "آپ کل نہیں آئے۔ میں شام تک انتظار ہی کرتی رہی۔" اعجاز بخت بولا: "بیگم! میں ہر چھٹے مہینہ محفل رقص و سرود منعقد کرتا ہوں جسے میرے احباب نے باون سبھا کا نام دے رکھا ہے۔ اس محفل میں باون حسین و جمیل پریاں رقص کے لئے پرستان سے آتی ہیں۔ میں نے تیاری مکمل کر لی ہے اور کل رات یہ سبھا منعقد ہوگی۔ اسی کے انتظام میں مصروف تھا۔ ورنہ میں ضرور آتا۔"

نگہت آرا بولی: "کیا ان پریوں کو راجہ اندر سے اجازت مل جاتی ہے؟" اعجاز نے مسکراتے ہوئے کہا: "وہ پریاں میری غلام ہیں لہٰذا ان پر راجہ اندر کا حکم نہیں چل سکتا، اگر تمہیں ناچ رنگ کا شوق ہو تو تم بھی اس محفل میں شریک ہو جانا۔" نگہت بولی: "ایسا ناچ تو میں ضرور دیکھوں گی۔"

راجہ اندر کا وزیر حسب معمول رات کو نگہت آرا کے پاس آیا تو اس نے وزیر سے باون سبھا کا ذکر کیا اور اس سے کہا: "پرستان کی حسین ترین پریاں اس سبھا میں شرکت کے لئے آتی ہیں۔"

معنی: [1] مہربان چاہنے والا [2] گزرا ہوا واقعہ

وزیر بولا: "میں اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر سکتا چونکہ پرستان کی ایک پری بھی راجہ اندر کی اجازت کے بغیر اپنے وطن سے قدم باہر نہیں نکال سکتی۔ اس کے علاوہ ناچنے گانے والی تمام پریاں اندر سبھا کے علاوہ کہیں اور رقص نہیں کر سکتیں۔" نکہت آرا کہنے لگی: "میں آپ سے بحث تو نہیں کرتی۔ مقصد یہ ہے کہ کل رات آپ بھی تشریف لے چلئے اور ملاحظہ فرمائیے کہ پریوں کا رقص ہوتا ہے یا نہیں۔"

وزیر اس بات کو سن کر کچھ سٹپٹا گیا اور نصف شب کے وقت ہی واپس چلا گیا۔ راجہ اندر نے جلد واپس لوٹ آنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی: "اس غلام نے سنا ہے کہ ایک رئیس زادہ آپ کی محبوبہ نکہت آرا کے شہر میں باون سبھا منعقد کر رہا ہے اور اس میں پرستان کی باون پریاں شریک ہوں گی۔ یہ بھی سنا ہے کہ وہ پر کی خوبصورت ترین پریاں ہیں اور ان جیسا رقص کبھی ان داتا کی سبھا میں بھی پیش نہیں ہوا۔"

راجہ اندر نے اپنی گھنی اور بڑی مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا: "وہ سبھا کب منعقد ہو رہی ہے؟" وزیر بولا: "ان داتا! کل رات۔" راجہ اندر نے حکم دیا: "کل صبح سے ہی تمام پریاں جو رقص و موسیقی میں حصہ لیتی ہیں قید میں رہیں گی اور تمام دیو پرستان کی سرحد پر پہرہ دیتے رہیں گے تاکہ ایک پری بھی سرحد عبور نہ کر سکے اور وزیر! دیکھو ہم اس باون سبھا میں شرکت کے لئے ضرور جائیں گے تم صبح ہی جا کر ہمارے لئے نشست کا انتظام کر دینا۔" وزیر نے سر جھکاتے ہوئے کہا: "بہت بہتر ہے ان داتا۔"

وزیر صبح سویرے ہی پھر نکہت آرا کے پاس گیا اور اسے اطلاع دی کہ راجہ اندر بھی اس سبھا میں شرکت کے لئے تشریف لائیں گے لہٰذا ان کے لئے معقول جگہ کا بندوبست کر دیا جائے۔ اس بات کو سن کر وہ گھبرا گئی اور دل میں کہنے لگی کہ وہ کمبخت کہیں مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جائے۔ مگر اس نے وزیر سے کچھ نہ کہا اور اعجاز کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ شام کو چار بجے وہ آیا تو نکہت نے راجہ اندر کا سارا قصہ بیان کیا۔ اگرچہ اعجاز کو فرحت کی زبانی سب کچھ معلوم ہو چکا تھا مگر وہ انجان بن کر سنتا رہا۔ نکہت بولی: "میں نے اسی کے خوف سے چار اور آٹھ بجے کے درمیان آپ کے یہاں آنے کی شرط رکھی تھی۔ اب کوئی تدبیر کیجئے جو میں اس سے محفوظ ہو کر ہمیشہ کے لئے آپ کی ہو جاؤں۔"

اعجاز بخت نے کہا: "راجہ اندر اگر رات کو ہماری باون سبھا میں شرکت کے لئے آ گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے خوف سے نجات حاصل ہو جائے گی۔"

اعجاز بخت اور اقبال فرحت نے بھٹیارے کے مکان کے سامنے کھلے میدان میں باون سبھا کا انتظام کیا۔ راجہ کے بیٹھنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا تخت کرائے پر منگوایا اور اس پر نفیس قالین بچھایا۔

معنی: ۱ے گھبرایا ۲ے مائی باپ خداوند ۳ے پاس ۴ے بیٹھنے کی جگہ۔

گاؤ تکیے رکھے خوشبودار پھولوں سے بنائے گلدستے سجائے اور چاروں طرف لٹکے ریشمی پردوں پر عطر چھڑکا۔ غرض ایسی سجاوٹ کی گئی کہ جب راجہ اندر اپنے وزیروں اور مصاحبوں کے ہمراہ پنڈال میں داخل ہوا تو تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا تخت لکڑی کے بنائے گئے چبوترے کے عین سامنے تھا اس کی پچھلی صف میں نگہت آرا اور اس کی سہیلیاں تھیں اور باقی صفوں میں شہر کے بڑے چھوٹے ہزاروں مرد اور عورتیں تھیں۔ چبوترے سے ملحق مکان کا وہ کمرہ تھا جس میں دونوں دوست قیام پذیر تھے۔ اسی کمرے میں پتلیوں کا تھیلا رکھا تھا۔ اقبال فرحت اندر گیا اور اندھیرا کر کے ان پتلیوں کو فرش پر ڈال دیا، سیاہ ڈبیہ کو کھول کر ایک جانب رکھا پھر منتر پڑھ کر مٹی پر پھونکا اور کانسی کی ننھی منی پیالی میں بھر کر ان پتلیوں پر ڈال دیا۔ مٹی ڈالتے ہی فرحت کمرے سے باہر آ گیا، اعجاز تو پہلے ہی سے موجود تھا۔ فرحت نے اشارے سے کہا: "ناچ تیار ہے اب دیکھتے رہو۔"

پتلیاں پریوں میں کس طرح تبدیل ہوئیں یہ کسی نے نہیں دیکھا، دیکھنے والوں نے تو بس یہ دیکھا کہ پریوں سے بھی زیادہ حسین، نازک اندام اور خوش رنگ پریاں ایک ایک کر کے باہر آئیں اور ناچنے لگیں سازندے سامنے نہیں تھے لیکن دلکش سازوں پر دلربا دھن بج رہی تھی۔ ہر ایک کی صراحی دار گردن لچکتی بل کھاتی کمر، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، خم کھائے ابرو، گھائل کر دینے والی ادائیں، اور انداز دلبرانہ دیکھ کر راجہ اندر حیران و ششدر رہ گیا۔ وہ دل میں کہنے لگا کہ میری سبھا ساری دُنیا میں مشہور ہے مگر ایسی حسین پریاں تو اس میں بھی کبھی شریک نہیں ہوئیں حقیقت میں سبھا ہے تو یہ ہے۔ چاہیئے رہنے کو ایسی سرزمین میرے لئے۔

باون پریاں مسلسل رقص کرتی رہیں، یہ ایک عجیب و غریب کارنامہ تھا۔ ورنہ ایک رقاصہ ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ رقص نہیں کر سکتی۔ پھر حیرانی کی بات تو یہ تھی کہ اُن کے چہرے سے تکان کے معمولی اثرات بھی تو ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ ناچ ہوتا رہا۔ لوگ سر دھنتے رہے۔ صبح کی اذان کا وقت ہوتے ہی اقبال فرحت نے کمرے میں جا کر سیاہ ڈبیہ اُٹھائی اور اُسے بند کر دیا۔ اُسی وقت باون پریاں اُگتے سمجھے کمرے میں لوٹ آئیں۔ اُن کے چمکتے سیمیں بدن سیاہی میں گم ہو گئے فرحت نے بیٹھ کر فرش پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو پتلیاں اپنی جگہ پڑی ہوئی تھیں اس نے جلدی جلدی ان سب کو اُٹھا کر تھیلے میں ڈالا پھر کانسی کی پیالی اور سیاہ ڈبیہ بھی تھیلے میں رکھی اور اس تھیلے کو بستر میں چھپا کر باہر آ گیا۔ راجہ اندر بولا: "رقص جاری رہنا چاہیئے" اعجاز بخت نے کہا: "اذان کا وقت ہے اور اذان کے بعد نماز ہوگی لہٰذا رقص اب نہیں ہو سکتا۔" فرحت بولا: "رقاص پریاں بھی

معنی دلسہ برابر کا۔ رلا ہوا۔

واپس چلی گئی ہیں چونکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ان کا واپس پہنچنا بے حد ضروری ہے ورنہ سرحد کے نگہبان انہیں پرستان میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔"

راجہ اندر کہنے لگا "میں حیران ہوں کہ ان میں سے ایک پری بھی آج تک ہماری سبھا میں شریک نہیں ہوئی۔ آخر وجہ کیا ہے۔" وزیر بولا: "اَن داتا! اس غلام نے تو کبھی ان کی صورت بھی نہیں دیکھی ورنہ ان کی کیا مجال تھی جو حضور کی سبھا میں شرکت کرنے سے انکار کرتیں"۔ راجہ نے کہا: "انہیں پرستان سے نکلنے کی اجازت کس نے دی؟" وہ کہنے لگا: "آپ کے احکام تو جاری کر دیئے گئے تھے اور سب کو تاکید بھی کر دی گئی تھی پھر معلوم یہ باون پریاں کس طرح نکل آئیں"۔

راجہ بولا: "اب ہم واپس چلیں گے، ہماری محبوبہ نگہت آرا کو طلب کر لو تاکہ وہ ہمارے ساتھ ہی روانہ ہو جائے"۔ اعجاز بخت بولا: "جناب! وہ میری بیوی ہے۔ آپ میری اجازت کے بغیر اُسکا نام بھی نہیں لے سکتے"۔ راجہ نے پوچھا: "تم سے کب بیاہ ہوا؟" اس نے کہا: "ایک مدت گذر گئی"۔ راجہ بولا: "کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اب ہماری سبھا کو روشن کرے گی"۔ اعجاز نے کہا: "راجہ صاحب! اپنے پرستان کی خیر منایئے آج رات آپ نے صرف باون پریاں دیکھ کر ہی ہوش و حواس کھو دیئے۔ اس ناچیز کے ہاتھ میں وہ قوت ہے کہ آپ کی سبھا میں شرکت کرنے والی تمام حسینوں کو کھینچ کر یہاں بزم عیش و نشاط منعقد کردوں یہ باون پریاں میری سبھا کے لئے مخصوص ہیں اگر ان میں سے ایک بھی آپ کی سبھا میں داخل ہوئی تو اُسے جلا کر راکھ کر دوں گا"۔ راجہ بولا: "ہم ابھی واپس پہنچ کر ان میں سے ہر ایک کو سخت سزا دیں گے"۔ فرحت نے کہا: "آپ انہیں گرفتار بھی نہیں کرا سکتے چونکہ انہیں ہماری مدد حاصل ہے اگر آپ ان میں سے پانچ پریوں کو بھی گرفتار کر لیں تو ہم نگہت آرا ہی نہیں دس اور حسین و جمیل لڑکیاں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے ورنہ آپ نگہت آرا کو بھی بھول جائیں"۔

راجہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "پانچ نہیں ان سب کو آج ہی گرفتار کرائیں گے"۔ اعجاز بولا: "انہیں گرفتار کرتے ہی تخت بھیج دیجئے گا۔ ہم نگہت آرا اور دوسری لڑکیوں کو آپ کے وزیر کے ساتھ روانہ کر دیں گے اور اگر آپ کو ناکامی ہو تو پھر نگہت کو بھول جایئے گا"۔

راجہ نے کہا: "ہمیں یہ شرط منظور ہے"۔ غرض وہ تخت پر اپنے وزیروں اور مُصاحبوں کے ہمراہ واپس چلا گیا، اِدھر نگہت آرا اعجاز بخت سے معافی چاہنے لگی اور بولی: "اب تک میری طرف سے جو بےالتفاتی ہوئی آپ اسے فراموش کر دیجئے۔ میں آپ کی باندی ہوں۔ اب آپ کی مرضی ہے مجھے جہاں چاہیں رکھیں"۔ اعجاز نے کہا: "مجھے حقیقت حال کا علم ہو گیا ہے اس لئے مجھے تم

ہ بےتوجہی، بے پروائی کرنا۔

سے کوئی شکائت نہیں ہے یہاں میں ایک مسافر کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا ہوں۔ تم دو چار دن اپنے والد صاحب کی حویلی میں رہو اس کے بعد میں تمہیں اپنے وطن لے چلوں گا۔"

وہ بولی: "آپ بھی میرے ہمراہ چلئے اور اپنے دوست کو بھی ساتھ لے لیجئے" پھر وہ تینوں سوداگر احمد یار کی حویلی پر گئے اور وہاں ان کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ نگہت نے احمد یار کو سارا واقعہ سنایا تو وہ اعجاز سے کہنے لگا: "تم نے بڑی مہربانی کی ورنہ وہ کافر میری بچی کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھین لے گا۔"

راجہ اندر نے باون پریوں کی بہت تلاش کی۔ بہت سے دیوؤں کو سزا بھی دی لیکن وہ اسے نہ مل سکیں اور وہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اس طرح وہ نگہت آرا کو ہار بیٹھا۔

اعجاز بخت، اقبال فرحت اور نگہت چوتھے دن روانہ ہوگئے روانگی کے وقت انہوں نے بھٹیار اور اس کی بیٹی کو بہت سا مال و زر انعام دیا جسے حاصل کر کے وہ مالا مال ہوگئے۔ اور وہ اپنے وطن پہنچ کر آرام کی زندگی بسر کرنے لگے" یہ قصہ سنا کر زین دوبارہ ہاتھی بن گیا اور کہنے لگا کہ دیکھا دوست کیسے ہوتے ہیں تو نے بادشاہ کو میری محبوبہ سونپ کر کیا خوب حق دوستی ادا کیا ہے اب مرنے کے لئے تیار ہو جا۔ شہزادہ زین الجہاں نے فوراً انگلی میں انگوٹھی پہنی اور نیچے اتر کر تلوار کے دو تین ایسے ہاتھ دکھلائے کہ سونڈ کٹ کر ایک طرف گر پڑی پھر اس نے دو وار اس کی گردن پر کئے اور وہ ہاتھی ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ زین انگوٹھی اتار کر ظاہر ہوا تو مصور شیشہ ناز اس کے قدموں میں گر پڑا۔ زین نے اسے گلے سے لگایا اور اس سے کہا: "جاؤ۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری جان بچ گئی" مصور دعائیں دیتا رخصت ہوا اور اب ہم بھی اجازت چاہتے ہیں۔"

آٹھویں شب

آج آٹھویں شب ہے ——— !
طوطا حسبِ معمول قصّہ بیان کر رہا ہے
شاہ افروز بخت - مینا - وزیر - امیر اور
درباری غرض سب ہی غور سے سُن رہے ہیں

طوطا کہہ رہا ہے: "مصور شیث ناز کے جاتے ہی شہزادہ زین الجہاں شہر جنوں آباد کی جانب روانہ ہوا جنگل جنگل صحرا صحرا وہ چلا جا رہا تھا کہ ایک دریا کا کنارہ دیکھ کر وہ سُستانے کے لئے لیٹ گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں نے اُسے نیند کی آغوش میں پہنچا دیا اور وہ بے خبر ہو کر سو گیا۔ اسی بے خبری میں اُس نے جو کروٹ بدلی تو دریا میں گیا۔ گھبرا کر آنکھ کھل گئی۔ بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر نیچے بیٹھتا ہی چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد پاؤں زمین پر ٹکے تو پانی غائب ہو گیا۔ سجا ہوا کمرہ اور چار حسین پریاں نظر آئیں۔ انہوں نے اس کی خوب خاطر مدارات کی۔ پھر رات کو رقص و سُرود کی محفل گرم کی مگر وہ یوں بیٹھا رہا جیسے اُسے ناچ گانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نصف شب کے بعد محفل برخاست ہوئی تو ان پریوں نے اپنے اور اُس کے لئے بستر کئے۔ شہزادہ زین الجہاں آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا۔ بہت دیر کے بعد جب اُس نے دیکھا کہ چاروں پریاں سو گئی ہیں تو وہ اپنے بستر سے اُٹھ کر ایک پری کے پاس جا لیٹا اور اُسے جھنجوڑتے ہوئے بولا: "میرا دل گھبرا رہا ہے اور تم مزے سے سو رہی ہو" پری کی آنکھ کھل گئی اور وہ ناراض ہوتے ہوئے بولی: "یہ کیا بدتمیزی ہے کہ میرے پاس آ کر لیٹ گئے" وہ کہنے لگا: "مجھے تنہا سونے کی عادت نہیں ہے میں کیا کروں" وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور دوسری پریوں کو جگا کر بولی: "یہ آدمی ہے یا کوئی مصیبت کہتا ہے کہ مجھے تنہا سونے کی عادت نہیں ہے اور میرے پاس آ کر لیٹ گیا ہے"۔

دوسری پری نے کہا: "تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کہتے ہوئے۔ چلو اپنے بستر میں جاؤ"۔ اُس نے جواب دیا "نہیں میں ہرگز نہیں جاؤنگا" چاروں نے اشاروں ہی اشاروں میں ایک دوسرے کو سمجھایا پھر انہوں نے اسکے ہاتھ پاؤں پکڑ کر اٹھایا اور اسکے بستر میں لٹا دیا۔ زین الجہاں چادر اوڑھ کر لیٹا رہا اور وہ چاروں پھر اپنے اپنے بستروں میں لیٹ گئیں۔ ایک گھنٹے کے بعد زین نے دیکھا کہ وہ سو چکی ہیں تو اُس نے زور زور سے چلّانا شروع کر دیا: "نہیں نہیں۔ میں نہیں جانتا گلفام پری کون سی ہے۔ تم بھاگ جاؤ مجھے تمہاری صورت سے خوف آتا ہے۔ نہیں میں گلفام پری کو نہیں جانتا۔ تمہیں قسم ہے تم یہاں سے چلے جاؤ" پریاں پھر اُٹھ بیٹھیں اور کہنے لگیں کہ "تم کس کو بھگا رہے ہو؟" وہ بولا: "ایک ڈراؤنی شکل کا دیو کھڑا کہہ رہا تھا کہ ان میں سے گلفام پری کو اُٹھا کر میرے حوالے کر دو، صلہ میں تم کو خزانہ

کی جان دوں گا۔" پریوں نے آپس میں کانا پھوسی کرتے ہوئے کہا: "یہ سچ کہہ رہا ہے ورنہ اسے کیا معلوم کہ ہم میں سے ایک پری کا نام گلفام ہے اور وہ بدشکل دیو وہی کمبخت جنگو دیو ہوگا۔ صبح جاکر اسکی خبر لینی چاہیئے ورنہ یہ تو اور پاؤں نکال لے گا" اور زین الجہاں دل میں کہہ رہا تھا کہ "کیا جنگو دیو بے وقوف! تمہارا حال اور تمہارا نام تو جن کی زبانی اعجاز بخت اور اقبال فرحت کا قصہ سن کر معلوم ہوا تھا" پریوں نے جنگو دیو کے خوف سے آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگیں باندھ لیں تاکہ سوتے ہوئے اگر آدم زاد یا دیو کسی ایک کو اٹھانے کی کوشش کرے تو سب کی آنکھ کھل جائے۔ پھر وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گئیں۔ ان پر جیسے ہی غنودگی[1] طاری ہوئی۔ زین الجہاں نے تلوار سے رسی کاٹ کر ایک پری کا رشتہ باقی تین پریوں سے توڑ دیا اور اسے پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔ وہ گھبرا کر چلّانے لگی: "مُردار! کیا کرتا ہے کہاں لئے جاتا ہے"۔ وہ بولا: "دیو مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یا تو اسے کھینچ کر میرے پاس لاؤ نہیں تو تم کو جان سے مار دوں گا"۔ دوسری پریاں بھی بیدار ہو گئیں اور ایک زبان ہو کر چلّانے لگیں بے وقوف! اپنے بستر میں لیٹ جا۔ اس دیو کا حوصلہ نہیں ہے جو وہ ہمارے کمرے میں داخل ہو سکے تو اس کمبخت ذلیل کے بہکائے میں آکر ہمیں کیوں ستا رہا ہے صبح ہونے والی ہے نیند آنکھوں میں گھٹ رہی ہے اور وہ پاگل سونے ہی نہیں دیتا۔ اچھی آفت قسمت میں لکھی تھی"۔

زین الجہاں بولا: "اگر اس توی ہیکل دیو نے مجھے ہلاک کر دیا تو تمہارا کیا بگڑے گا میری جان مفت میں چلی جائے گی"۔ انہوں نے جواب دیا: "خاموش ہو کر سو جا۔ تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔

غرض زین اسی طرح ان چاروں کو ستاتا رہا سورج نکلنے میں جب تھوڑی دیر باقی رہ گئی تو وہ خاموش ہو کر لیٹ گیا اور پریاں سو گئیں۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ ساری رات جاگتے رہنے کے سبب پریاں دیر تک سوتی رہیں گی۔ ایسا ہی ہوا اور نہیں سوتا چھوڑ کر دالان میں گیا۔ یہاں کئی گھوڑے کھڑے تھے اس نے سُنے ہوئے قصے کے مطابق سیاہ گھوڑے کو منتخب کیا اور اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر چابک پوری قوت سے رسید کیا۔ چابک کھاتے ہی گھوڑا دالان سے باہر نکلا اور ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ اڑتے اڑتے اس نے صبح سے شام کی پھر شام سے صبح کر دی۔ زین بیٹھے بیٹھے تھک گیا مگر وہ بھی دُھن کا پکا تھا مضبوطی سے بیٹھا رہا۔ صبح وہ گھوڑا اسے پیٹھ پر بٹھائے ایک ویرانے میں اُتر گیا۔

زین الجہاں فوراً ہی اس کی پیٹھ سے کود پڑا اور کہنے لگا: "اے گھوڑے! یہ تو مجھے علم ہے کہ مشرق کی جانب ایک شہر آباد ہے لیکن میں جانا نہیں چاہتا۔ البتہ جنوں آباد جانے کا ارادہ ہے اس کی راہ اگر تجھے معلوم ہو تو مجھے بتا دے"۔ گھوڑے نے گردن ہلا کر جنوب کی طرف جانے والے راستہ کی

معنی: [1] کھسر پھسر کرنا [2] نیند کا غلبہ [3] جاگ گئیں [4] لحیم شحیم، مضبوط جسم کا [5] لگن۔

جانب اشارہ کیا۔ زین نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "اے مہربان گھوڑے! اب تم جا سکتے ہو" گھوڑا اسی وقت پرواز کر گیا اور زین الجہاں جنوب کی طرف چل دیا۔ وہ دن رات منزلیں طے کرتا رہا۔ تقریباً ایک ہفتہ کے بعد وہ ایک سرسبز علاقہ میں پہنچا، یہاں جگہ جگہ پھلوں اور میووں کے درخت تھے لیکن یہ پھل اور میوے بہت بڑے بڑے تھے۔ اس نے ان میں سے خوش رنگ دو تین پھل توڑے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر نیلے رنگ کا پھل تراشا۔ اس میں سے سیاہ رنگ کا ایک سانپ نکلا۔ زین نے اسے زمین پر پھینک کر تلوار سے سانپ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر دوسرا پھل تراشا تو اس میں سے زہریلے بچھوؤں کا گچھا سا نکلا۔ یہ حال دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ یہ پھل طلسم کا ایک کرشمہ ہے انہیں توڑ کر بے وقوف نہیں بننا چاہیئے۔ اور وہ ان کا خیال دل سے نکال کر آگے چل دیا۔ تیسرے دن اُسے ایک عالیشان محل دکھائی دیا جس کے مضبوط دروازے پر ایک آدمی لوہے کی زنجیروں میں جکڑا کھڑا تھا اور قریب ہی ایک بے رونق چہرے کا دیو بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ زین الجہاں نے فوراً ہی انگوٹھی انگلی میں ڈالی اور تلوار میان سے نکالکر دیو کے پیٹ میں گھونپ دی۔ وہ ہڑبڑا کر[1] اٹھا۔ اسی وقت زین نے تلوار کھینچ کر اُس کی گردن پر پے درپے کئی وار کئے۔ دیو حیران تھا کہ نظر کوئی آتا نہیں اور ضربیں[2] برابر لگ رہی ہیں آخر یہ کونسی بلا نازل ہوئی ہے۔ وہ جان بچا کر سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگا لیکن پیٹ اور گردن سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ تھوڑی دُور دوڑ کر وہ گر پڑا اور کراہتے کراہتے[3] ملک عدم کو روانہ ہوا۔

زین الجہاں نے اس آدمی کو زنجیروں سے آزاد کیا اور انگوٹھی اُتار کر سامنے آیا، وہ شخص اس کے پاؤں میں گر پڑا اور کہنے لگا: "تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں اس احسان کو مرتے دم تک فراموش نہیں کروں گا"۔ زین الجہاں بولا: "میں نے تم پر کیا احسان کیا ہے۔ یوں کہو خدا کو یہی منظور تھا۔ اب تم آزاد ہو چکے ہو لہٰذا یہاں ٹھہرنے کی بجائے اپنے وطن کی جانب روانہ ہو جاؤ۔" وہ کہنے لگا: "میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ جہاں آپ جائیں گے وہیں میں جاؤں گا۔ آپ نے میری جان بچائی ہے پھر میں آپ کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں"۔ زین الجہاں نے کہا: "نہیں! میں تنہا جاؤں گا"۔ وہ بولا: "حضور والا! ایک حقیر جانور یعنی کچھوا جب ایک آدمی کے کام آسکتا ہے تو میں کیوں نہیں آسکتا آپ مجھے ضرور ہمراہ لے چلئے"۔ زین الجہاں نے پوچھا: "کچھوے کا کیا ذکر ہے۔ وہ ایک آدمی کے کیا کام آسکتا ہے؟"

وہ بولا: "حضور والا! ایک مسافر اپنی راہ چلا جا رہا تھا کہ اس کی نظر ایک کچھوے پر پڑی جو بیچ راستہ میں کھڑا تھا۔ مسافر اس کے قریب پہنچا تو وہ کہنے لگا: "اے مسافر! کہاں کا ارادہ ہے؟" وہ بولا: "تجھے اس سے کیا مطلب؟ تو اپنی کہہ"۔ کچھوے نے کہا: "میں اپنی کہوں۔ بھائی! مجھے اپنے

معنی: [1] گھبراہٹ سے بے چین ہو کر [2] چوٹیں [3] آہ آہ کرتے۔

ساتھ لے چل"۔ مسافر نے مسکراتے ہوئے کہا: "تیرا میرا کیا ساتھ۔ تیری چال تو ساری دنیا میں مشہور ہے لہٰذا اگر تجھے ساتھ لے کر چلا تو منزل تک پہنچتے پہنچتے عمر ہی تمام ہو جائے گی"۔ کچھوا بولا: "بھولے مسافر! سفر میں ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں۔ دکھ درد کے علاوہ مصائب کا سامنا بھی ہوتا ہے۔ اگر تیری نظر میری چال پر ہے تو کیا تو مجھے پیٹھ پر بٹھا کر نہیں چل سکتا؟" مسافر نے کہا: "پیٹھ پر تجھے تو نہیں پہاڑ کو اٹھا سکتا ہوں، تیرے لئے تو میرے سر پہ جگہ ہے آمیں تجھے سر پہ بٹھا لوں، کیا مصیبت ہے نکلے تھے سفر کرنے بوجھ ڈھونا بھی پڑ گیا"۔ پھر اس نے کچھوے کو اٹھا کر سر پہ رکھ لیا اور سفر پر روانہ ہوا۔

کچھوا بولا: "اے مسافر! تو خاموش کیوں ہے۔ کیا کوئی وظیفہ پڑھ رہا ہے" اس نے کہا: "وظیفہ تو نہیں پڑھ رہا لیکن تجھ سے کیا بات کروں"۔ وہ بولا: "تیرا میرا رشتہ کیا، میں ایک حقیر جانور اور تو اشرف المخلوقات۔ مگر پیارے ساتھی! خاموش رہنے سے راہ کٹھن معلوم دیتی ہے"۔

مسافر نے کہا: "عجب آفت سے پالا پڑا ہے، ایک تو میرے سر پہ سوار ہے اوپر سے چاہتا ہے کہ بولتا بھی چلوں۔ ارے نادان! راہ مجھے کٹھن معلوم دینی چاہئیے نہ کہ تجھے"۔ وہ بولا: "بھائی! خاموش سفر تو آخرت کا ہوتا ہے۔ زندوں کا سفر تو ہنستے بولتے کٹتا ہے"۔ مسافر نے کہا: "اگر ہنسنا بولنا ہی ہے تو تو ہی کوئی قصہ بیان کر"۔ کچھوا بولا: "مجھے یاد کرنا پڑے گا۔ ہے وہ بہت دلچسپ قصہ۔ میرے دادا جان مرحوم و مغفور نے خواب میں سنا تھا اور کسی ایسے پارسا آدمی سے سنا تھا جس نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ دادا صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ قصہ اگر کوئی نوجوان آدمی آنکھ کھلتے ہی سن لے تو اسے ایسی نیک سیرت اور خدمت گذار بیوی ملے کہ مرنے کے بعد بھی خدمت ہی کرتی رہے اور سونے سے پہلے کوئی جوان کنواری لڑکی سن لے تو اُسے چاند جیسا خوبصورت شوہر نصیب ہو۔ کوئی رانڈ بیوہ کھانا کھاتے ہی سنے تو اُس کا بیاہ ہو جائے اگر کوئی رنڈوہ چاندنی رات میں اپنی بیوی کی زبانی سنے تو ساری عمر صحت مند اور تندرست رہے"۔

مسافر چونک کر بولا: "یہ کیا بکواس ہے رنڈوے کی بیوی کیسی؟" کچھوے نے جواب دیا: "واہ میاں مسافر! جب کوئی رانڈ بیاہ کر لیتی ہے تو اُس کا شوہر رنڈوہ ہی تو کہلاتا ہے نا"۔

مسافر بولا: "کیوں بکواس کرتا ہے تجھے خدا نے عقل بھی دی ہے۔ بے وقوف! جس مرد کی بیوی مرجاتی ہے وہ رنڈوہ کہلاتا ہے، رانڈ کا شوہر رنڈوہ نہیں کہلاتا"۔

کچھوا کہنے لگا: "بھئی تم کچھ بھی کہو مگر میں تو یہ جانتا ہوں کہ میرے دادا اسی طرح کہا کرتے تھے اور یہ میرا ایمان ہے کہ وہ کبھی جھوٹ بات زبان سے نہیں نکالتے تھے"۔ مسافر بولا: "نادان! یہ بات جھوٹ بولنے میں شامل نہیں ہے صرف سمجھنے میں غلطی ہے۔ خیر! اس بحث کو چھوڑ اور وہ قصہ بیان کر"۔

معنی: ۱؎ گزر جائے گی ۲؎ مصیبتیں ۳؎ بوجھ اٹھا کر چلنا ۴؎ پڑھنے کی دعا ۵؎ تمام مخلوق سے بزرگ تر ۶؎ دشوار ۷؎ پرہیزگار آدمی۔

کچھوے نے کہا: "مسافر! سچ کہتا ہوں کہ وہ بے¹ مثل قصہ ابھی تک یاد نہیں آیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے سُناؤں گا اور ضرور سُناؤں گا۔" مسافر بولا: "تیری مرضی!" پھر وہ راستہ طے کرتا رہا اور جب چلتے چلتے تھک گیا تو کچھوے سے کہنے لگا: "میاں کچھوے! میں تو اب تھک گیا، اگر تیری مرضی ہو تو اس بڑ کے درخت کے نیچے تھوڑی دیر سُستا لیں۔" کچھوا بولا: "ہاں مسافر! میں بھی تیرے سر پہ بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں" اور وہ دونوں بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سانپ اپنے بل سے نکل کر باہر آیا اور اُس نے مسافر کی پنڈلی پر منہ مار کر اُسے ڈس لیا۔ مسافر لوٹ پوٹ کر ٹھنڈا² ہو گیا اور سانپ اپنے بل میں چلا گیا۔ کچھوا حیران پریشان کہ یہ کیا ہوا اور میری موجودگی میں سانپ نے کیسے ڈس لیا۔ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اُسی وقت ایک کوّا آیا اور مسافر کے سینہ پر بیٹھ گیا لیکن کچھوے نے اُسے اُڑا دیا اور خود اس کے سینہ پر بیٹھ گیا چونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ کوّا مسافر کی آنکھیں نکال کر کھانے کی نیت سے آیا تھا۔ کوّا تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا اور کچھوے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ کچھوے نے فوراً اپنا سر باہر نکالا اور منہ سے کوّے کی ٹانگ پکڑ لی۔ کوّا چلانے لگا مگر کچھوا خاموش رہا۔ کوّا پروں کو پھڑپھڑاتا، کبھی ٹانگ چھڑانے کیلئے زور لگاتا اور چیختا چلاتا لیکن کچھوا پرواہی نہ کرتا۔ آخر اس کا شور سُن کر سانپ بل سے باہر آیا۔ اس نے بھی کوّے کو چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سُود۔ تو سانپ سمجھ گیا کہ کچھوا مسافر کا دوست ہے اور وہ اس کی لاش کی حفاظت کر رہا ہے اور کچھوا کوّے کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا۔ آخر اس نے پنڈلی پر کاٹی ہوئی جگہ کو دیکھا جو بالکل سیاہ ہو چکی تھی پھر اس پر منہ لگا کر اپنا سارا زہر چوس لیا۔ بدن سے زہر کے خارج³ ہوتے ہی وہ اُٹھ بیٹھا اور کچھوے نے کوّے کو چھوڑ دیا۔

سانپ اس خیال سے کہ مسافر کہیں بدلہ نہ لے فوراً اپنے بل میں چلا گیا اور کوّا ایک درخت کی شاخ پر جا بیٹھا۔ اب اِن کو معلوم ہوا کہ کوّے اور سانپ کی دوستی تھی، سانپ نے مسافر کو اسی لئے ڈس لیا تھا کہ وہ مر جائے گا تو اُس کا دوست کئی دن تک اس کا گوشت کھاتا رہے گا۔

مسافر بولا: "میاں کچھوے! تو نے سچ کہا تھا کہ سفر میں ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں اگر تو میرے ساتھ نہ ہوتا تو وہ موذی سانپ نے اپنے دوست کے لئے کئی دن کی خوراک کا سامان کر لیا تھا۔"

کچھوے نے کہا: "مسافر! تجھے کیا معلوم۔ ہماری زندگی بزرگوں کی صحبت میں گذری ہے اور بڑی بڑی باتیں ہمارے کانوں نے سُنیں اور ذہن نے محفوظ رکھی ہیں مگر بھیا! ہم سے کوئی صلاح نہیں لیتا۔ خیر اب یہاں سے⁴ چل کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ موذی دوسرا وار کر دے۔" مسافر نے اُسے اٹھا کر اپنے سر پہ بٹھایا اور آگے چل دیا۔

یہ قصہ سُنا کر عیار شہباز شہزادہ زین الجہاں سے کہنے لگا: "میرے مہربان! اب انکار نہ کیجئے اور

معنی: ۱ـ لاجواب۔ ۲ـ اکڑ مرگیا ۳ـ نکلنا ۴ـ ... ل کرنے والا۔

مجھے ساتھ لے چلئے۔" زین الجہاں نے کہا: "ممکن ہے اسی میں بھلائی کی کوئی صورت ہو چلو اب آگے چلیں" اور وہ دونوں عالیشان محل میں داخل ہو کر بہت دیر تک اس کی سیر کرتے رہے لیکن یہ محل ویران پڑا تھا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے دیکھا جاتا، آخر دونوں گھبرا کر محل کے پچھلے راستہ سے باہر نکلے اور بلند و بالا درختوں کے درمیانی راستہ پر چل دیئے۔ دو روز کے بعد وہ ایک مقام پر پہنچے جہاں سینکڑوں دیو ادب کے ساتھ بیٹھے اپنے سردار کی پُرجوش تقریر سُن رہے تھے۔ اُنکا سردار کہہ رہا تھا کہ ہمارے طلسمات میں ایک ایسا آدم زاد داخل ہوا ہے جو کسی خاص قوت کا مالک ہے اُس نے "خاموش محل" کے پہرے دار دیو کو قتل کر کے قیدی آدم زاد کو رہا کیا ہے، ہمیں خوف ہے کہ وہ کہیں ہم سب کو بھی ایذا[۱] نہ پہنچائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم سب وظیفہ[۲] خوانی میں مصروف ہوں، چونکہ ہماری وظیفہ خوانی کے سبب ابلیس[۳] یہاں آئے گا اور ہمیں اس خونی آدم زاد پر فتح حاصل کرنے کا راستہ بتائے گا۔" تمام حاضرین نے ہاتھ بلند کر کے سردار سے کہا کہ ہم سب وظیفہ خوانی کے لئے تیار ہیں۔ سردار بولا "دوستو! اگر ہم سب حقیقت میں دیو ہوتے تو ہم میں سے ایک دیو بھی اُس کے لئے کافی تھا لیکن ہم تو اصل میں جادوگر ہیں اور جادو کے عمل سے اپنی شکلیں ہم نے بدل رکھی ہیں ممکن ہے کہ وہ آدم زاد بھی کوئی جادوگر ہو اس لئے ہم سب کو لازم ہے کہ ایک پل بھی ضائع کئے بغیر "ابلیس کدہ" میں چلیں اور وظیفہ خوانی شروع کر دیں۔"

"سردار محمل جادو زندہ باد" کے نعرے بلند کرتے وہ سب ابلیس کدہ میں پہنچے اور قاعدے کے موافق ایک گہرے کنوئیں کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے پھر سردار محمل جادو نے وظیفہ خوانی کی ابتداء کی اور سب جادوگر سر جھکا کر مصروف ہو گئے۔ شہزادہ زین الجہان اور عیار شہباز ایک کونے میں کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ ایک پہر رات گذرتے ہی زین الجہاں نے انگوٹھی انگلی میں ڈالی اور شہباز کو وہیں چھوڑ کر ابلیس کدہ میں داخل ہوا اور کنوئیں کے قریب کھڑے ہو کر آواز میں بولا: "مرحبا اے ابلیس کے پرستارو! تم کو دنیا کی ساری نعمتیں نصیب ہوں، ابلیس کو تم سے محنت، ایثار اور قربانی ہرگز درکار نہیں ہے۔ تم نے اُسکو دل و جان سے یاد کیا تم نے اُسے بلانے کیلئے ابلیس کدے کو رونق بخشی اور تم نے ایک خونی آدم زاد کو ٹھکانے لگانے کا بیڑا اٹھایا، یہ سب کچھ تمہاری نیک نیتی اور ابلیس پرستی کا کھلا ثبوت ہے اس ثبوت کے ملتے ہی ابلیس بابا تم سب پر مہربان ہو گیا ہے اور اُس نے یہ پیغام دیا ہے کہ تم اور وہ سب لوگ جو یہاں موجود نہیں ہیں اپنی بیگمات کے ساتھ یہاں جمع ہو کر خوب شراب پیئں اور جشن منائیں۔ تم میں سے جو شخص سب سے زیادہ شراب پیئے گا اسی کو وہ راز بخشا جائے گا جس کے ذریعہ خونی آدم زاد موت کے گھاٹ اتارا جا سکے گا۔"

سردار محمل جادو اور دوسرے تمام جادوگر اس آواز کو سُن کر یقین کر بیٹھے کہ حقیقت میں ابلیس

معنی: [۱] تکلیف [۲] وظیفہ پڑھنا [۳] شیطان [۴] گھیرا [۵] بیٹرکار۔ ملامت [۶] پکا ارادہ کرنا۔

نے ہی پیغام بھیجا ہے اور وہ سب وظیفہ خوانی چھوڑ کر بستی کی جانب چلے گئے۔

شہزادہ زین الجہاں نے عیار شہباز سے کہا: "دوست! اب کسی کونے میں چل کر آرام کرو۔ یہ مردود جس وقت نشہ میں چور ہو جائیں گے تو انہیں جہنم میں پہنچا دینگے چونکہ یہ بے ایمان لوگ منکر خدا اور دشمن بندگان خدا ہیں۔" عیار شہباز خوب ہنسا اور پھر دونوں ایک چھوٹے کمرے میں جا کر دری پہ لیٹ گئے۔

محل جادو اور بستی کے تمام جادوگر اپنی اپنی بیگمات کو ساتھ لئے اور شراب کی ناندیں سروں پہ اٹھائے ابلیس کدے میں داخل ہوئے اور اپنے استاد کے اشارے پر ناندوں سے شراب اُلٹ اُلٹ کر ایک دوسرے کو پیش کرنے اور پینے پلانے لگے۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر شراب نے اپنے جوہر دکھائے اور وہ سب نشہ میں چور ہوتے چلے گئے، یہاں تک مدہوشی طاری ہوئی کہ وہ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ اس عالم میں بھی کسی کو ذرا سا ہوش آ جاتا تو وہ شراب کا پیالہ منہ سے لگا لیتا۔

زین الجہاں نے جب یہ حال دیکھا تو عیار شہباز سے بولا: "دوست! اب محنت کرنیکا وقت آ پہنچا ہے لہٰذا اللہ کا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ۔" عیار شہباز فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا پھر دونوں نے جا کر ایک ایک جادوگر کو اٹھا اور کنوئیں میں پھینک دیا۔ صبح تک سارے جادوگروں اور انکی بیگمات کو کنوئیں میں گرا دیا۔ پھر اس پر پتھر رکھ کر وہ باہر نکلے اور ہنستے ٹہلتے آگے روانہ ہوئے۔

ایک وسیع میدان کے وسط میں نہایت خوشنما حوض تھا جسکے چاروں اطراف میں چار سرو کے درخت کھڑے تھے اور طلائی[1] کرسیاں رکھی تھیں۔ عیار شہباز تو ایک کرسی پہ بیٹھ گیا مگر زین الجہاں حوض کی مینڈ پر بیٹھ کر اس میں تیرتی رنگ رنگ کی مچھلیوں کو دیکھنے لگا۔ اُسے یہ روپہلی اور سنہری مچھلیاں بہت پیاری معلوم دے رہی تھیں اور وہ انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک نازک لیکن بیحد خوشرنگ مچھلی ایک طرف سے آئی اور بڑے عجیب انداز میں شہزادے کو دیکھنے لگی۔ شہزادہ بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قریب آئی اور یکایک زین کی قمیض کا دامن منہ میں پکڑ کر ایک جھٹکا جو دیا تو وہ سیدھا پانی میں گیا۔ اُسے گرتا دیکھ کر عیار دوڑ کر حوض پہ آیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پانی میں دیکھنے لگا لیکن وہاں نہ مچھلیاں تھیں اور نہ شہزادہ صاف شفاف پانی تھا اور ہلکی ہلکی لہریں تھیں۔

عیار شہباز پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا کہ ایک جانب سے چھ سات نوجوان لڑکیاں آتی نظر آئیں۔ ان میں جو پیش پیش[2] تھی وہ دُبلی پتلی سُرخ و سپید اور بے حد حسین تھی اس کا زرق برق لباس اور زیور دیکھ کر وہ دل میں کہنے لگا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی شاہزادی ہے اور باقی اس کی خواصیں[3] ہیں۔ ممکن ہے یہ ہی ترس کھا کر میری کچھ رہنمائی کرے جو میں اپنے عزیز دوست کو دوبارہ حاصل کر سکوں۔

معنی: [1] سونے کی یا سنہری [2] آگے آگے [3] ممتاز کنیزیں۔

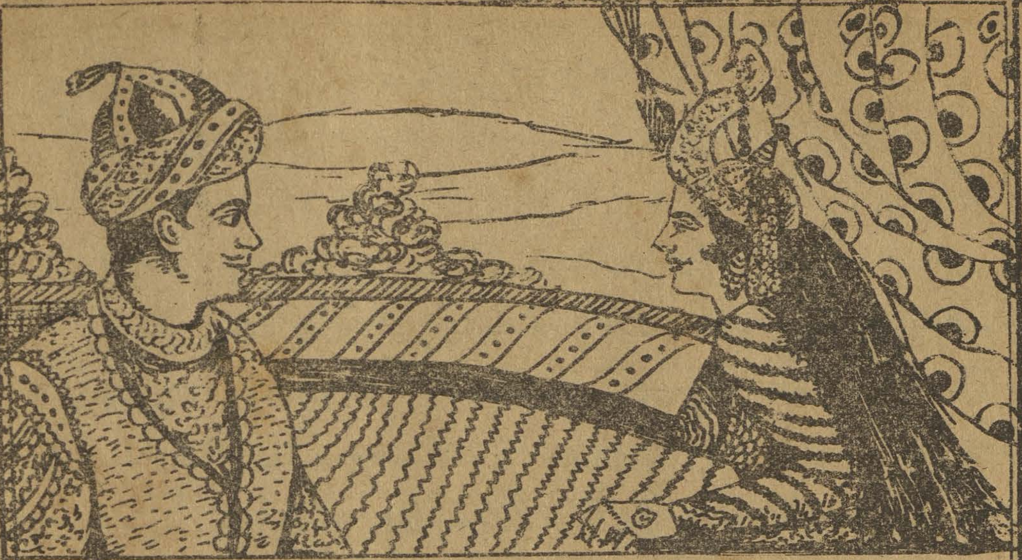

خواصوں کو چھوڑ کر گلنار عیّار شہباز کے پاس آئی اور مسکراتے ہوئے بولی: "میری آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہیں۔ کیا تم اجنبی ہو؟" اُس نے جواب دیا: "کیا عرض کروں، خیر میں نو وارد ہوں اور یہاں اپنے ایک عزیز دوست کو کھو بیٹھا ہوں۔ کیا تم میری مدد کر سکتی ہو۔" گلنار بولی: "میں حیران ہوں کہ تم یہاں تک زندہ سلامت کس طرح پہنچے ہو۔ یہ پانچواں طلسمات ہے اور اب تک کوئی آدمی پہلے یا دوسرے طلسمات سے آگے نہیں آیا ہے۔" عیّار نے جواب دیا: "ہمارا مقابلہ بھلا کون کر سکتا ہے ہم نے اس طلسمات کے تمام جادوگروں اور ان کی بیگمات کو ابلیس کدے کے گہرے کنوئیں میں قید کر دیا ہے۔"

وہ چونک کر بولی: "کیا سچ! اگر ایسا ہے تو ہماری قسمت جاگ اٹھی۔ اجنبی! میں تمہاری ضرور مدد کرونگی۔ تم یہ تو کہو کہ جادوگروں کا سردار کہاں ہے؟" اس نے کہا: "جادوگر سردار محل جادو بھی اسی کنوئیں میں قید ہے۔" اس بات کو سُن کر گلنار نے خواصوں کو حکم دیا کہ وہ شہباز کی خاطر کے لئے پھل میوے اور لذیذ مشروبات دسترخوان پر چُن دیں پھر وہ اُسے ہمراہ لے گئی اور ایک عالیشان محل میں پہنچکر اُسے تختِ مرصع پر بٹھایا پھر خوب خاطر تواضع کی اور کہنے لگی: "اجنبی! میں آج بیحد خوش ہوں چونکہ محل جادو میرا باپ ہے، وہ مجھ پر ہمیشہ ظلم کرتا رہا ہے چونکہ میں نے کبھی اُس کا ساتھ نہیں دیا۔ اب مجھے آزادی مل جائے گی میری بڑی بہن گلزار ابھی تک اُسکے عتاب میں ہے اس نے جادو کا علم باپ سے بھی زیادہ حاصل کیا ہے شاید اسی لئے باپ کو ڈر ہوا کہ وہ کہیں اُسے یا اُسکے چیلوں کو زیر نہ کر لے اور اس نے گلزار کو قید کر دیا۔ وہ اس حوض کے نیچے اپنے طلسمی محل میں رہتی ہے مجھے یقین ہے کہ تمہارے ساتھی کو وہی کھینچکر لے گئی ہے۔"

عیّار نے کہا: "تم مجھے اجنبی کہہ کر پکارنے کی بجائے میرا نام کیوں نہیں لیکر بات کرتیں مجھے عیّار شہباز

معنی: ۱؎ نیا آنے والا ۲؎ ملامت ۳؎ غصہ ۴؎ قابو میں کر لینا

کہتے ہیں اور تم کو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی: "مجھے گلنار کہتے ہیں مگر یہ تو کہو تم عیّار کیوں کہلاتے ہو؟"

اُس نے جواب دیا: "بزرگوں نے کہا ہے کہ سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلتا میں نے خود بھی کئی کام نکالنے چاہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی مگر جب عیاری اور مکاری سے کام لیا تو ہر مشکل آسان ہو گئی۔ بس میں نے عہد کر لیا کہ اب ہر کام عیاری سے کروں گا لہٰذا اپنی حرکتوں کی وجہ سے عیار مشہور ہو گیا۔"

گلنار بولی: "ایک دو واقعات تو سناؤ" اس نے کہا: "واقعات ایک دو نہیں ایک دو ہزار سناؤں گا مگر میرے دوست کو تو طلسمی محل سے نکلنے کی تدبیر کرو۔" اُس نے کنیزوں کو اشارہ کیا اور اسی وقت ناچنے گانے والی لڑکیاں حاضر ہو گئیں۔ شہباز بولا: "یہ کیا تماشہ ہے؟" وہ کہنے لگی: "فکر نہ کرو۔ تمہارے دوست کو جلد رہا کرا دونگی۔ اس وقت تو ناچ رنگ کی محفل جمے گی" پھر ناچ گانا شروع ہوا اور عیار شہباز مونچھوں کو تاؤ دے کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ صبح ہونے تک یہ محفل گرم رہی۔ اسی طرح تین راتیں گذر گئیں۔ آخر چوتھی شب رات کے آخری پہر میں گلنار بستر میں لیٹی اور عیار شہباز بھی چادر تان کر لیٹ گیا۔ ساری کنیزیں اور باندیاں بھی چلی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد گلنار سو گئی تو عیار دبے پاؤں اُٹھ کر اُسکے محل کی سیر کرنے لگا۔ پھرتے پھرتے وہ ایک دروازے پر پہنچا۔ اس میں ایک بڑا تالا پڑا ہوا تھا اور قریب ہی ایک کیل پر چابیاں لٹکی تھیں شہباز نے اس قفل کو کھولا اور باہر نکل گیا۔ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُسے کئی ہرن نظر آئے جو اسے دیکھ کر خوب اُچھل کود رہے تھے وہ انکو پکڑنا چاہتا تھا کہ خود بھی ہرن بن گیا۔ اُدھر گلنار کی آنکھ کھلی تو عیار کا بستر خالی نظر آیا۔ وہ گھبرا کر بستر سے اٹھی اور اُسے تلاش کرنے لگی لیکن وہ کہیں نہ ملا آخر اُس نے کنیزوں کو دوڑایا اور خود سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کنیزوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ عیار شہباز محل میں تو موجود نہیں ہے البتہ میدانِ طلسم کی جانب جو دروازہ ہے وہ کھلا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیار میدان میں چلا گیا ہے۔ گلنار کہنے لگی: "افسوس! وہ ضرور ہرن بن گیا ہے اب اسکا واپس آنا ممکن نہیں ہے۔"

ایک کنیز بولی: "اگر اجازت ہو تو ساگا سانی کو طلب کر لیا جائے وہ ایک دن میں ایک ہرن کو پکڑ کر اُس کی ہیئت بدلنے[۱] میں ماہر ہے؟" گلنار نے کہا: "آج ساگا سانی کا منہ بھی دیکھنا پڑیگا خیر کوئی بات نہیں جاؤ اُسکو ہمارا پیغام پہنچا دو۔" کنیز دوڑتی ہوئی گئی اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد بدشکل بڑھیا ساگا سانی کو ہمراہ لے آئی۔ گلنار نے اُسے سارا قصہ سنا کر عیار شہباز کو واپس لانے کی درخواست کی۔

ساگا سانی بولی: "ہرن کی شکل سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ عیار شہباز ہی ہے یا کوئی اور شخص ہے اس لئے میں ہر روز ایک ہرن پکڑ کر اُس کی ہیئت بدل دونگی اُسے تم خود پہچان لینا کہ وہ کون ہے لیکن اپنا معاوضہ لئے بغیر کسی ہرن کی بھی ہیئت نہیں بدلونگی" گلنار راضی ہو گئی اور وہ اُٹھ کر میدانِ طلسمی میں

معنی: [۱] سبب، شکل و صورت۔ روپیا۔

چلی گئی۔ اس نے چند سیب بائیں ہاتھ میں لیکر کوئی عمل پڑھا اور انہیں زمین پر پھینک دیا۔ اُسی وقت تمام ہرن دوڑتے ہوئے آئے اور سیب کھانے لگے۔ ساگا سانی نے آگے بڑھ کر ایک ہرن کو پکڑ لیا اور کھینچکر محل میں لے آئی۔ گلنار نے اُسی لمحہ موتیوں کا ایک خوبصورت ہار ساگا سانی کو انعام دیا۔ وہ ہار لے کر بہت خوش ہوئی اور ہرن کو حوض پر لیجا کر منتر پڑھنے اور حوض کے پانی سے غسل دینے لگی۔ عمل ختم ہوتے ہی ہرن آدمی بن گیا لیکن افسوس! وہ عیار شہباز نہ تھا۔ وہ کوئی اور شخص تھا۔ ساگا سانی تو دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی اور گلنار اس آدمی کو اپنے ساتھ محل میں لے گئی۔ ایک چوکی پر اُسے بٹھا کر پوچھنے لگی کہ تم کون ہو اور یہاں تک کیسے پہنچے تھے؟ وہ کہنے لگا "میں ایک سوداگر تھا۔ شکار کا مجھے شوق تھا اور اکثر شکار پر تنہا جاتا تھا۔ ایک دن میں شکار کی تلاش میں پھر رہا تھا کہ ایک خوبصورت ہرن نظر آیا۔ میں اُسے دیکھکر بہت حیران ہوا۔ چونکہ میں نے جنگل میں کبھی ہرن کو تنہا نہیں دیکھا تھا دوسری بات یہ کہ ایسا حسین ہرن کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اُسے زندہ پکڑنے کے خیال سے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا۔ وہ چوکڑیاں بھرتا ایک پُر فضا اور دلفریب باغ میں داخل ہو گیا۔ میں نے گھوڑے کو باغ کے دروازے پر چھوڑا اور خود تیر کمان اور کمند لئے باغ میں گیا۔ اُسے ایک ایک گوشہ میں تلاش کیا لیکن افسوس! وہ مجھے نہیں ملا۔ میں پھرتے پھرتے کچھ اور آگے گیا تو ایک دالان نظر آیا اور اس کے وسط میں بیٹھی ایک خوبرو۱؎ پری دکھائی دی۔ اُسے دیکھتے ہی میں ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اُسی وقت وہ پری اُٹھکر بڑے ناز سے میرے نزدیک آئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر دالان میں لے گئی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ بلا اجازت باغ میں داخل ہونے پر وہ ناراض ہوگی اور مجھے باہر نکلوا دیگی لیکن جب اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور خود بھی میرے پاس بیٹھ گئی تو جھجک جاتی رہی اور میں نے اُس سے پوچھا کہ اس جنگل میں تمہارا دل نہیں گھبراتا۔ وہ کہنے لگی 'مجبوری اسی کا نام ہے۔ ایک ماہ سے کسی کی صورت نہیں دیکھی تھی آج تم نظر آئے ہو تو جی چاہتا ہے کہ خوشیاں مناؤں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ میرے دم سے راجہ اندر کی سبھا میں رونق تھی میں نہ ہوتی تو راجہ پریشان ہو جاتا مگر خوبی قسمت کہ میں نے اپنی تفریح طبع۲؎ کیلئے یہ باغ بنوایا اور اسمیں جشن رقص منایا۔ راجہ اندر کو جیسے ہی یہ بات معلوم ہوئی اُس نے حکم دیا کہ چونکہ تم نے میری اجازت حاصل کئے بغیر جشن رقص منایا ہے اسلئے تم پر پابندی لگائی جاتی ہے کہ تم پرستان کی حدود سے ایک سال تک دور رہو گی اور اس عرصہ میں تم ہماری نوازشات۳؎ سے بھی محروم رہو گی۔ بس وہ دن ہے اور آج کا دن۔ اس باغ میں رہتی ہوں اور اپنی بدنصیبی پر آنسو بہاتی ہوں۔" میں نے اُسے تسلی دی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا: "تم اداس نہ ہو۔ میں تمہاری دلبستگی۴؎ کا سامان پیدا کر دونگا۔" وہ بولی: "اگر تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ تو یہی میرے لئے سب کچھ ہے۔" میں نے اُسے یقین دلایا کہ میں ہرگز اسکا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ پھر وہ مجھ پر مہربان ہو گئی اور مجھے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور

معنی: ۱؎ حور جیسی ۲؎ دل بہلانے کے لئے ۳؎ مہربانیاں ۴؎ دل بہلانے کا۔

کر لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا چونکہ ایسی خوبصورت اور حسین پری نظر سے تو کجا خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

نیلم پری کے ساتھ پندرہ دن عیش و آرام میں بسر ہوئے تو فلک* نے رنگ بدل لیا۔ بات یہ ہوئی کہ نیلم پری کی بہن گل پری کوہ قاف میں تھی اور اسے نیلم کے حال کی خبر نہیں تھی۔ نیلم نے اسکی پریشانی کا خیال کرتے ہوئے اسکے نام ایک خط لکھ کر مجھے دیا اور مجھ سے کہا کہ تم میرے تخت پر بیٹھ کر کوہ قاف چلے جاؤ۔ وہاں دیوؤں کی چوکی کے نزدیک ہی ایک درویش کی جھونپڑی ہے اس درویش سے کہنا کہ وہ تمہیں گل پری کے پاس جانیکی اجازت دیدے' اسکی اجازت ملتے ہی ایک دیو تمہیں میری بہن کے پاس پہنچا دیگا۔

غرض میں گل کے پاس پہنچ گیا اور نیلم کا خط ادب کے ساتھ اُسے دیا تو وہ پڑھ کر باغ باغ ہو گئی اور اس نے میری خوب خاطر مدارات کی۔ اِدھر کسی دیو نے راجہ اندر کو میرے بارے میں اطلاع پہنچادی اور اُس نے ایک دیو کو بھیج کر مجھے گرفتار کروالیا۔ جب میں اسکے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنی لمبی لمبی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا: "اس کمینہ کو میدانِ طلسم میں پھینک دو اور گل کو بھی گرفتار کرکے ہماری خدمت میں پیش کرو۔' اُسی وقت ایک دیو مجھے اٹھا کر لے آیا اور طلسمی میدان میں چھوڑ گیا۔ یہاں کچھ اور ہرن بھی تھے جو مجھے دیکھ کر اچھلنے کودنے لگے ابھی میں اُنکو دیکھ ہی رہا تھا کہ میں خود بھی ہرن بن گیا۔ آج آپ کی مہربانی سے اپنی اصل ہیئت میں آیا ہوں"۔

دوسرے دن بڑھیا ساگا ساتی ایک دوسرے ہرن کو میدانِ طلسم سے پکڑ لائی اور حوض پر لے جاکر اُسکی ہیئت بدلی۔ وہ بھی کوئی اور شخص نکلا عیار شہباز نہ تھا۔ گلنار نے محل میں لیجا کر اُسے کھانا کھلایا پھر لذیذ اور خوشبودار شربت سے تواضع کی اور اس کا حال دریافت کرنے لگی۔ وہ بولا: "ملک فارس کے سوداگر حسن علی کا بیٹا ہوں اور میرا نام ہے جمال علی۔ میرے والد جب ضعیفی کو پہنچے تو انہوں نے تجارت کا سامان میرے سپرد کیا اور مجھے ضروری ہدایتیں دیکر دوسرے ملکوں کے سفر پر روانہ کردیا۔ میں بہت سے سوداگروں کے ہمراہ جہاز پر سوار ہوکر ایک ہفتہ کے بعد ایک ملک میں پہنچا۔ وہاں بہت سا سامان فروخت کرکے نیا سامان خریدا اور اگلے ملک کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں بادٌ و باراں کے طوفان نے ہمارے جہاز کو سخت نقصان پہنچایا لیکن ہم سب نے مل کر اس کی مرمت کرلی اور سفر جاری رکھا مگر دوسرے دن ایک وہیل مچھلی نے ٹکر مار کر جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ میرے ساتھیوں میں سے پانچ چھ سوداگر اس مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے اور باقی ڈوب گئے یا انہیں بھی وہیل ہڑپ کر گئی چونکہ اُس کا منہ کھلنے پر اتنا بڑا راستہ بن جاتا تھا کہ اُس میں دس فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی کشتی آسانی سے داخل ہوسکتی تھی۔ خدا کی پناہ! اس کے تصور ہی

* یعنی ہوا سے آسمان سے تیز ہوا اور بارش کا طوفان۔

سے رُواں رُواں کانپ اُٹھتا ہے۔ خیر میرے ہاتھ ایک تختہ آگیا اور میں اُس کے سہارے بہتا ہوا کئی میل دُور پہنچ گیا اور کنارے پر اُتر کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ میرا مال و اسباب اور ساری دولت اِس حادثہ کی نذر ہو گئی تھی اور اسوقت میرے پاس سوائے تن کے کپڑوں اور اپنی جانِ ناتوان کے کچھ باقی نہ تھا۔ بھوک اور پیاس سے بُرا حال تھا اور اردگرد کوئی ایسا درخت نظر نہیں آیا جس میں پھل یا میوہ ہوتا۔ میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ قدرت نے میری قسمت میں نجانے کیا لکھا ہے اور اب میری زندگی کس طرح بسر ہو گی۔ اسیوقت میری نظر ایک سوراخ پر پڑی جسمیں سے چار سانپ ایک ایک کرکے باہر نکلے اور رینگتے ایک جانب چلے گئے۔ میں سوچنے لگا کہ اگر یہ چاروں سانپ مجھے لپٹ جاتے تو میرا کیا حشر ہوتا۔ میرا گوشت پوست پانی بنکر بہہ جاتا۔ تقریباً دو گھنٹے گذر گئے لیکن کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی۔ آخر میں نے ارادہ کیا کہ اُٹھکر چلنا چاہیئے شاید آگے کھانے پینے کیلئے کوئی چیز ملجائے۔ میں اُٹھنے ہی والا تھا کہ چار پریاں آتی نظر آئیں۔ اُنہیں دیکھکر میں بیٹھا رہا۔ وہ آپس میں باتیں کرتیں میرے پاس آئیں اور اُن میں سے ایک جو سب سے چھوٹی تھی مجھے ایک انار دیتے ہوئے بولی "تم شاید بھوکے ہو۔ لو اس انار سے تمہارا پیٹ بھر جائیگا"۔ میں اسکے ہاتھ سے انار لیکر چھیلا اور جلدی جلدی کھانے لگا۔ یہ انار بیحد شیریں اور رسیلا تھا۔ اسے کھاتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ میری بھوک اور پیاس جاتی رہی ہے۔ پری نے پھر مجھے ایک سیب دیا۔ یہ بہت چھوٹا تھا لیکن لذیذ اور شیریں تھا۔ اسے کھانیکے بعد ایک لمحہ کیلئے میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور جیسے ہی یہ کیفیت دُور ہوئی میرے سامنے پریوں کی جگہ چار سانپ تھے اور میری ہیئت بھی سانپ میں بدلی ہوئی تھی۔ وہ چاروں مجھے گھیر کر اسی سوراخ میں لے گئے اندر پہنچکر میں نے دیکھا کہ چار بڑے بڑے کمرے ہیں۔ ان میں سے تین کمروں میں تین خوبصورت نوجوان بیٹھے ہیں اور ایک کمرہ بالکل خالی ہے۔ چار سانپوں میں سے ایک ایک سانپ ایک ایک کمرے میں چلا گیا اور ایک سانپ مجھے اپنے ساتھ خالی کمرے میں لیگیا۔ اس میں داخل ہوتے ہی اُس نے ایک پیالے میں رکھے دودھ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسمیں منہ ڈالدیا اور تھوڑا سا دودھ پی لیا پھر اس نے بھی دو چار گھونٹ دودھ پیا اور ہم دونوں اپنی اصلی ہیئت میں آگئے۔

اس نازک اندام پری نے میری گلے میں دونوں بانہیں حمائل[1] کر دیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر مسکرانے لگی مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے دونوں ہاتھوں سے اُسکی پتلی کمر تھام لی۔ اب وہ میری بیوی تھی اور میں اُسکا۔ دن گذرنے لگے اور زندگی حسین ہوتی چلی گئی۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا "فرح! جب تم سیر کے لئے جاتی ہو اور دو ڈھائی گھنٹے تک میری نظروں سے دُور رہتی ہو تو میں دیوانہ ہو جاتا ہوں اور مجھ سے وقت نہیں گذارا جاتا۔ مجھے یہ تو بتاؤ کہ اُس وقت میں کس طرح اپنے دل کو سمجھایا کروں"۔

معنی: لہ کمزور بدن ۔ تہ حال ۔ انجام ۔ سہ ڈال دیں۔

اس نے جواب دیا "مجھے خود بھی اس بات کا احساس ہے تم ہوائی گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کیلئے چلے جایا کرو لیکن شرط یہ ہے کہ دو گھنٹے کے فوراً بعد واپس آنا ہوگا" میں نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ اب اُنکے جاتے ہی میں بھی ہوائی گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کیلئے چلا جاتا اور دو گھنٹے کے بعد واپس آتا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک مقام پر ایک دلکش باغ ہے جسمیں ہر قسم کے درخت، رنگ رنگ کے پھول، اور طرح طرح کے پودے ہوا میں لہلہا رہے ہیں میں اس بہار و لفزا کو دیکھکر نیچے اتر گیا۔ اُسی وقت ایک نہایت بدشکل اور بدڈول پری نے آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں اسکی صورت دیکھکر گھبرا گیا اور ہاتھ چھڑا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ کہنے لگی: "مجھ سے نفرت کا یوں اظہار[۱] معلوم ہوتا ہے نیلم پری کی تلاش میں آئے ہو، مگر نیلم پری اب کہاں، وہ غریب تو راجہ اندر کے عتاب میں ہے اور اُسکی بہن گل پری بھی قید میں ہے۔ اگر تم اپنی زندگی کو رنگین بنانا چاہتے ہو تو میرے نزدیک آؤ۔ آؤ۔ اور اتنے قریب آؤ کہ میں تمہارے سانس کی آواز سُن سکوں اور تم میرے دل کی دھڑکنیں گن سکو۔"

اُس چڑیل کی یہ باتیں سُنکر جی میں آئی کہ دونوں ہاتھوں سے اسکا گلا گھونٹ دوں مگر اس خیال سے کہ ایک نئی مصیبت میں نہ گرفتار ہو جاؤں۔ میں نے اس سے کچھ نہ کہا اور اپنے گھوڑے کی طرف جانے لگا۔ وہ بولی: "ذرا سُن تو سہی، اتنا بگڑ کر ذرا سی بات پر جاتا کہاں ہے"

میں نے کہا: "مجھے تیری مکروہ[۲] صورت دیکھنے کی فرصت نہیں ہے، مجھے جانے دے۔" وہ بولی: "میں تمہارے پاؤں میں بیڑیاں تو ڈالنا نہیں چاہتی تم ناراض کیوں ہوتے ہو؟ اگرچہ میری صورت مکروہ ہے میرا بدن بھدا اور بدنما ہے لیکن میرا دل بھی تو آخر دل ہے اگر تم اسے مٹھی میں نہیں لے سکتے تو نہ لو۔ مگر اسے بے دردی سے توڑ کر بھی تو نہ جاؤ۔ تھوڑا سا ناشتہ کر لو پھر شوق سے چلے جانا۔"

معنی: ۱ ظاہر کرنا ۲ ناقابل قبول - بدصورت - بھونڈا۔

میں اس آفتِ ناگہاں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے اسکی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے
تھوڑے سے بادام اور دو سیب کھالئے۔ انہیں کھا کر میں دسترخوان سے جیسے ہی اٹھا مجھے چکر آگیا اور میں فرش
پر گر پڑا۔ مجھے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا لیکن جب میرے حواس بجا ہوئے تو میں ایک طوطا بن چکا تھا۔ اس چڑیل
نے ہنس ہنس کر کہا "میرا دل توڑنے والے جا اب اپنی قسمت آزما"۔ اور میں اُڑ کر اپنی محبوبہ فرح کی تلاش میں روانہ
ہوا۔ دو دن کے بعد وہ مجھے ایک باغ میں نظر آئی۔ اس کا سرخ چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا، آنکھوں سے
ویرانی ٹپک رہی تھی اور اس میں شوخی و شرارت نام کو باقی نہ تھی۔ میں اُڑتا ہوا اس کے شانے پر بیٹھ گیا۔
اس نے مجھے پکڑ کر اپنے نازک نازک ہاتھوں میں سنبھال لیا اور بری طرح پیار کرنے لگی۔ دوسری پریاں کہنے لگیں،
"فرح! کیا دیوانی ہوگئی ہے طوطے کو بھلا کون پیار کرتا ہے۔" وہ بولی "مجھے تو اس میں جمال علی کی بو آتی ہے
میں تو اسے چومتی رہوں گی"۔ ایک پری نے قریب آکر میری آنکھیں دیکھیں اور کہنے لگی "فرح! تو سچ کہتی ہے۔
جمال علی کو کسی بدکار نے طوطے کا روپ دیدیا ہے، تو اسے کوہ قاف کی چوٹی کے قریب رہنے والے درویش کے
پاس لے جا۔ وہ اسکا روپ بدل دیگا" اور فرح مجھے لیکر کوہ قاف کی جانب پرواز کرگئی۔
درویش نے پیار سے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کوئی وظیفہ پڑھکر دعا کی تو میں فوراً ہی اپنی اصلی شکل میں
آگیا، فرح درویش کے قدموں میں گر پڑی اور میں نے بھی اسکا شکریہ ادا کیا پھر ہم دونوں تخت پہ سوار ہوکر
واپس روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک چشمہ دیکھ کر نیچے اُتر گئے اور چشمہ کا پانی پینے لگے۔ یکایک ایک جانب سے ہزاروں
پریزادوں کا غول آیا۔ اس میں سے دس بیس تو مجھے لپٹ گئے اور باقی فرح کو تخت سمیت اٹھا کر ہوا میں اُڑ
گئے۔ میں چیختا چلاتا رہا اور فریاد کرتا رہا کہ ظالمو! اسے نہ لے کر جاؤ۔ مگر وہاں کون تھا جو میری سنتا۔ سب
دشمن تھے۔ وہ مجھے اٹھا کر ہوا میں پرواز کر گئے اور میدانِ طلسم میں پھینک کر چلتے بنے۔ یہاں ایک نئی مصیبت
میں گرفتار ہوا اور ہرن بن گیا۔ خدا جانے وہ کمبخت میری پیاری فرح کو کہاں لے گئے اور اسکے ساتھ کیا سلوک
کیا۔ آج آپ کی مہربانی سے میری ہیئت پھر بدل گئی ہے۔ اب نہ جانے قسمت میں کیا لکھا ہے"!۔
گلنار نے اُسے تسلی دی اور ایک کنیز کے ہمراہ مہمان خانے میں بھیج دیا، جہاں اُسے پہننے کے لئے نئی
پوشاک دی گئی اور انواع و اقسام کے کھانے کھلائے گئے۔
تیسرے دن بڑھیا ساگا سانی پھر ایک ہرن کو میدانِ طلسم سے پکڑ کر لائی اور اپنے عمل کے ذریعہ
اُس نے ہرن کی ہیئت بدلی۔ گلنار اسے دیکھکر خوش ہوگئی چونکہ وہ تھا عیار شہباز۔ اور شہباز بھی خوشی سے
پھولا نہ سماتا تھا۔ گلنار نے اُسے مبارکباد دی اور اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی پھر کنیزوں کو اشارہ کیا
اور وہ دوڑ کر اُنکے لئے ناشتہ کا سامان لے آئیں اور دونوں نے بیٹھکر ناشتہ کیا۔

شام تک رنگ رلیاں منانے کے بعد عیار شہباز کو شہزادہ زین الجہاں کا خیال آیا تو وہ گلنار سے بولا: مجھے یہاں کئی روز گذر چکے ہیں لیکن تم نے ابھی تک میرے مہربان دوست زین الجہاں کو تلاش نہیں کیا۔ گلنار نے کہا "ہائے اللہ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔ آؤ میرے ساتھ طلسم خانہ میں چلو ابھی تمہارے دوست کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔" عیار شہباز اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں باغ کے مغربی گوشے میں بنے ہوئے طلسم خانہ میں گئے۔ یہاں ایک بڑی میز پر گول شیشہ رکھا تھا۔ گلنار نے کوئی منتر پڑھ کر اس پہ تین بار پھونکا، پھر عیار شہباز سے کہا کہ اب زین الجہاں کی شکل کا تصور کر کے اس آئینہ میں دیکھو۔ عیار نے ایسا ہی کیا تو اس نے دیکھا کہ جس حوض میں زین گرا تھا وہ ایک سرخ دائرے کے اندر ہے اور زین الجہاں اس دائرے سے باہر پھر رہا ہے۔

عیار نے گلنار کو بتایا تو وہ بولی: "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میری بہن کی حد سے باہر نکل گیا ہے بلکہ اب وہ طلسمات کی سرزمین پر ہی موجود نہیں ہے چونکہ سرخ دائرہ طلسمات کو ظاہر کرتا ہے۔"

عیار شہباز نے کہا: "وہ مجھ سے بچھڑ گیا ہے لیکن تمہاری بہن نے اسے آزاد کیوں کر دیا؟" گلنار بولی: "یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی بہن گلزار کی دائی "بجانا بھائی" کو بلوا کر اس سے دریافت کرتی ہوں وہ سب کچھ بتا دے گی۔" پھر اس نے محل میں واپس پہنچ کر بجانا بھائی کو طلب کیا اور اس سے زین الجہاں کا حال معلوم کیا۔ وہ کہنے لگی: "وہ آدم زاد عام لوگوں سے مختلف تھا، اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو دنیا کو چھوڑ کر گلزار کی زلفوں میں الجھ کر رہ جاتا۔ مگر اس ظالم نے تو گلزار سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ آخر گلزار نے اپنے عمل کے ذریعہ طلسمات سے باہر پہنچا دیا۔ اب خدا جانے وہ کہاں بھٹکتا پھر رہا ہے۔" عیار شہباز رنجیدہ ہو کر رہ گیا۔

دوسرے دن صبح کے وقت گلنار اور عیار شہباز جھولے میں بیٹھے ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے کہ چار کنیزیں دو پریوں کو گرفتار کئے حاضر ہوئیں۔ گلنار نے کنیزوں سے کہا کہ ان کی کلائیاں کھول دو۔ کنیزوں نے ریشمی ڈوری کھول کر انہیں تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ خاموشی سے بیٹھ گئیں۔

گلنار نے ایک پری سے پوچھا: "ہمارے باغ میں داخل ہونے کا سبب کیا ہے؟" اس نے جواب دیا: "بہن! اپنے گمشدہ ہیرے کی تلاش میں آئی ہوں۔" گلنار نے چونک کر کہا: "گمشدہ ہیرا اور میرے باغ میں کیا مطلب؟" اس نے جواب دیا: "بہن! میں راجہ اندر کی سبھا میں نیلم پری کے نام سے مشہور تھی اور راجہ میری بڑی قدر کرتا تھا لیکن جب میں نے اپنے لئے ایک باغ بنوایا اور اسکی خوشی میں جشن رقص و موسیقی منایا تو وہ مجھ سے ناراض ہو گیا۔" گلنار اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی: "بس بس! میں سمجھ

گئی۔" پھر وہ دوسری پری سے مخاطب ہو کر بولی: "اور تم نے کیسے تکلیف گوارا کی؟"

وہ کہنے لگی: "مجھے فرح کہتے ہیں ایک روز میں اور وہ ایک چشمہ پر پانی پی رہے تھے کہ پریزلوں کے ایک غول نے ہم پر حملہ کر دیا۔ کچھ مجھے اٹھا کر لے گئے اور باقی اس سے لپٹ گئے۔ پرستان میں جب پریزادوں نے مجھے اتارا تو چوکی کے نگہبانوں نے مجھے پہچان لیا اور انہوں نے پریزادوں سے کہا کہ ہمارے راجہ نے اس سے ناراض ہو کر اسے اس کی تین بہنوں سمیت پرستان سے نکال رکھا ہے اگر اسے علم ہو گیا کہ اسے پرستان میں لے آئے ہو تو وہ تم سب کو سزائے موت سے کم سزا نہیں دیگا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے واپس چھوڑ آؤ۔"

پریزاد گھبرا کر مجھے واپس اسی چشمہ پر لائے تو میرا ساتھی موجود نہ تھا میں نے انکی خوشامد کی اور ان سے عرض کی۔ مجھے یہ بتادو کہ اسے کہاں چھوڑا ہے غرض بڑی مشکل سے انہوں نے کہا کہ اُسے میدان طلسم میں پہنچا دیا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے اس میدان کا پتہ دیا اور میں اسکی تلاش میں روانہ ہو گئی۔ راہ میں اس نیلم سے ملاقات ہو گئی تو اس نے اپنی درد بھری کہانی سنائی۔ میں نے اسے تسلی دی اور اس سے کہا کہ میرے ساتھ چلو ممکن ہے تمہارے میرے کو بھی دشمن نے کہیں میدان طلسم ہی میں نہ پھینک دیا ہو اور ہم دونوں یہاں تک پہنچ گئے۔" گلنار بولی: "قدرت نے تمہیں یہاں اچھے وقت میں پہنچایا ہے ورنہ میں بھی تمہاری مدد نہ کر سکتی۔" پھر اس نے کنیزوں کو حکم دیا "ہمارے مہمان خانے سے دونوں مہمانوں کو بلا کر لے آؤ۔" وہ دونوں تھوڑی ہی دیر میں آ گئے۔ وہ نیلم اور فرح کو اور وہ دونوں ان کو دیکھتے ہی حیران رہ گئے۔ پھر ذرا ہوش میں آئے تو گلے ملے اور گلنار کی عنایات و نوازشات کا شکریہ ادا کرنے لگے اس نے کہا: "اگر کچھ عرصہ میرے ہاں تم سب قیام کرو تو مجھے دلی مسرت ہو گی۔" وہ بھلا اپنے محسن کا کہا کب ٹال سکتے تھے وہ راضی ہو گئے اور اس رات خوب جشن منایا گیا۔

مینا کہنے لگی: "خدا تجھے عمر دراز عطا کرے تو نے ایک قصہ چھیڑ کر سارے قصے بیان کر دیئے۔" طوطا بولا: "بی مینا! تم تو ابھی ... گھبرا گئی ہو۔ ابھی تو بہت کچھ باقی ہے۔" مینا نے کہا: "میاں طوطے پہلے تو میرا خیال تھا کہ تم کوئی من گھڑت قصہ بیان کر رہے ہو لیکن اب جس منزل پر پہنچے ہو اسکے حالات کا مجھے بھی علم ہے اور ان سے اندازہ ہوا کہ تم ایک گزری ہوئی حقیقت سنانے بیٹھے ہو۔" طوطا بولا: "بی مینا! کیوں مجھے بنا رہی ہو۔" مینا نے کہا: "اگر اجازت ہو تو بیان کروں؟"

شاہ افروز بخت کہنے لگا: "رات زیادہ ہو گئی ہے بہتر ہے کل بیان کرنا۔ ہم بھی دیکھیں گے کہ تم نے کیا دیکھا اور تمہیں کیا یاد ہے۔" طوطا بولا: "یہ بھی کیا سنائے گی اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔" شاہ نے کہا: "مجلس برخواست کی جا رہی ہے اس وقت ایسی باتیں نہ کرو میاں مٹھو!"

محسن: احسان کرنے والا

نویں شب

آج نویں شب ہے!

حاضرین مجلس کی نگاہیں مینا پر جمی ہیں چونکہ آج اُس کی باری ہے، شاہ افروز بخت نے طوطے سے مخاطب ہو کر کہا، "میاں طوطے! اگر تمہاری اجازت ہو تو مینا سے درخواست کی جائے کہ وہ قصہ بیان کرے"، طوطا بولا، "سلطان عالم پناہ! اس دربار میں ہم دونوں کو ایک ہی درجہ حاصل ہے اس لئے اگر بی مینا آج کی رات بیان کرنے کی تکلیف گوارا کر رہی ہیں تو کیا مضائقہ ہے۔"

حاضرین مجلس نے تالیاں بجا کر طوطے میاں کی فراخدلی کی خوب خوب داد دی۔

مینا کہنے لگی، "وہ ایک خوشگوار شام تھی جب میں شہر پناہ کے سامنے ایک درخت کی شاخ پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اس سے بہتر جگہ بسیرے کے لئے نہیں ملے گی چونکہ اس درخت تلے کئی درویش چٹائی بچھائے بیٹھے تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اُن کی موجودگی میرے لئے باعث سکون تھی۔ اور میں اطمینان سے بیٹھی تھی کہ ایک خوبرو مگر پریشان حال نوجوان لڑکھڑاتا اس درخت کی جانب آیا۔ درویشوں میں سے ایک نے پوچھا: "کیا تم شرابی ہو؟" اُس نے انوکھے انداز میں کہا ۱

جسے ڈھونڈتا ہوں وہ دُنیا کہاں ہے ⁂ میرا دل کہاں ہے میری جاں کہاں ہے

ایک دُرویش نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور کہنے لگا: "تمہارا حال کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ۲

کیسا وضو کہاں کا تیمم کہاں کی حد ⁂ جذب نماز عشق کو اتنی خبر کہاں

دُوسرا دُرویش نوجوان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا: ۳

بستی بھی جس کو تنگ ہو صحرا بھی جسکو تنگ ⁂ دیوانگی میں اپنی پھرے دربدر کہاں

تیسرے دُرویش نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور کہنے لگا ۴

بھٹکتا ہوں میں دربدر چار جانب ⁂ مجھے یہ بتا میری منزل کہاں ہے

نوجوان بولا ۵ اڑا کر دگر سوز غم ہنسی میں ⁂ لگا دی اور بھی تو نے لگی میں

اے میرے دوستو! میرا حال نہ پوچھو۔ ورنہ پشیماں ہو گے چونکہ ۶

تمام عیش و عشرت جہاں سے بے نیاز ہیں ⁂ ہم اپنے دل میں دولت غم نہاں لئے ہوئے

ایک دُرویش نے کہا ۷ زندگی دھوپ ہے کبھی چھاؤں ⁂ کبھی یکساں بسر نہیں ہوتی

میرے عزیز! سنو تو سہی آخر تمہیں کس نے غم دیا اور تم کس کی تلاش میں سرگرداں و پریشاں ہو؟

نوجوان کہنے لگا: "میں ایک شہزادہ ہوں اور میرا نام ہے زین الجہاں۔ اپنے محبوب کو ایک ظالم دیو کی

قید سے آزاد کرانے کیلئے خنجر طلسم شکن حاصل کرنے نکلا تھا اور شہر جنوں آباد کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ مگر شومئی قسمت کہ ایک حسین دوشیزہ جو شاید کسی جادوگر کی بیٹی ہے مجھے اپنے دامِ فریب[1] میں لے کر میری آرزوؤں کا خون بہانا چاہتی تھی لیکن میں نے اُس کی ہر کوشش اور ہر تدبیر کو ناکام بنادیا۔ آخر اُس نے پریشان ہو کر مجھے جادو کے عمل سے یہاں پھینک دیا۔ اب میں پریشان ہوں کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں۔"

درویشوں نے ایک زبان ہو کر کہا: "محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ ہم بھی ایسی ہی مصیبتوں کے مارے ہیں۔ اگرچہ یہ علاقہ بڑا صاف ستھرا ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ طلسمات کی حدود میں ہے چونکہ اکثر رات کے پچھلے پہر میں ہم نے یہاں بڑی عجیب و غریب چیزیں دیکھی ہیں۔"

شہزادہ زین الملوک بولا: "بھائیو! تمہارے ساتھ کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں ذرا بیان تو کرو۔ ممکن ہے تمہارا حال سُن کر اپنی مصیبتوں کا احساس کم ہو جائے۔"

ایک درویش کہنے لگا: "میرا نام صلاح الدین ہے اور میں ایک اوسط درجہ کے طبقہ سے تعلق رکھتا ہوں والدین نے ایک شریف گھرانا دیکھ کر میرا بیاہ کر دیا اور شادی کے کچھ عرصہ کے بعد مجھے ایک علیحدہ مکان دے دیا تاکہ میرے گھر کی تمام ذمہ داریاں میرے شانوں پر رہیں اور میں والدین کے سہارے زندگی بسر کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکوں۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب مجھے محسوس ہوا کہ زندگی کسے کہتے ہیں۔

میری آمدنی اگر زیادہ نہیں تو ہماری ضروریات سے کم بھی نہ تھی لیکن میں ہمیشہ تنگ دست اور پریشان حال رہا۔ بیوی مجھے طعنے دیتی، دوسروں کی مثالیں دے کر شرمندہ کرتی اور مجھ سے کہتی کہ میں اور زیادہ کمانے کی کوشش کروں اور میں سوچتا کہ یا الٰہی! میرے ایسے اخراجات بھی نہیں ہیں پھر تنگدستی اور پریشانی کا کیا سبب ہے۔ آخر میں نے غور کرنا شروع کیا اور ایک ایک خرچ پر نظر رکھنے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مجھے معلوم ہو گیا کہ میرا ایک سالا جواری ہے اُسے جب بھی روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ میرے پیچھے گھر میں آتا ہے اور میری بیوی سے دس بیس روپے لے کر چلا جاتا ہے۔

میری ساس بھی بڑی چالاک تھی، اُس کے رشتہ داروں میں جب کوئی تقریب ہوتی تو وہ میری بیوی کو سکھا پڑھا کر لینے دینے کے بہانے زیادہ سے زیادہ رقم وصول کر لیتی۔ تقریب میں برائے نام دیتی باقی خود رکھ لیتی۔ بیٹی اِس کو بھولا کر کے بہت سے تحفے جیب لیتی تھی۔ غرض ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں جو میرے دل پر میل پیدا کرتی رہیں۔ آخر ایک دن میں نے بیوی سے کہا: "تم میرے گھر کی مالک ہو تم کو لازم ہے کہ تم اسکا خیال رکھو میری کمائی اپنے بھائی اور والدین کو پہنچانا مناسب نہیں۔ میں تم کو بیاہ کر لایا ہوں کرائے پر تو لیکر نہیں آیا ہوں جو تم ہر مہینے کچھ نہ کچھ رقم اپنے میکہ میں دے دیتی ہو۔" اس بات پر وہ کچھ ناراض ہو گئی اور چار دن کے بعد

معنی: [1] مکر کا جال۔ دھوکے میں لینا۔

اپنے میکے گئی تو لوٹ کر نہیں آئی۔ ایک ہفتہ کے بعد میں سُسرال گیا تاکہ بیوی کو لے آؤں تو ساس اور سُسر نے مجھے سخت سُست کہا، بیجا و بے جا احسانات گنوائے اور مجھے مجبور کرنے لگے کہ میں آئندہ بیوی کو اس قسم کی باتیں نہ کہنے کا عہد کروں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگ بڑے ہیں اگر آپ کسی وقت میرے ساتھ کوئی سلوک کرتے ہیں تو وہ احسانات میں شامل نہیں ہوتا لیکن میری آمدنی میں سے رقم لینا اور وہ بھی حیلہ بہانے سے آپ کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ بیٹی کا بیاہ کرکے اُس کے گھر کو رونق بخشنے کی بجائے آپ ہم دونوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر رہے ہیں، کیا یہ مناسب ہے۔

میری اس بات پر وہ اور بھی چراغ پا ہو گئے اور کہنے لگے کہ جب تک تم اپنا دل صاف نہیں کرو گے ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجیں گے۔

مجھ سے اب برداشت نہ ہو سکا اور میں نے کہہ دیا کہ بیاہ ہونے کے بعد والدین کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ بیٹی داماد کے معاملات میں دخل دیں اور آپ نے جو بیٹی کو گھر بٹھا لینے کی دھمکی دی ہے یہ شرافت سے بعید ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں نہیں دی بلکہ میرے ساتھ گِروی رکھی ہے۔ گروی رکھنے کے لئے آپ کی بیٹی سے بہتر اور ہزاروں لڑکیاں موجود ہیں۔

اب وہاں ٹھہرنا بے سود تھا میں اُٹھ کر چلا آیا اور دوسرے دن میں نے گھر کا سارا مال و اسباب بیواؤں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا، مکان ایک مولوی صاحب کے نام کر دیا تاکہ وہ اس میں مدرسہ قائم کر لیں اور خود ایک دری اور ایک کمبل لے کر چل دیا۔

آج اس بات کو ڈھائی سال گذر چکے ہیں، شہر شہر پھرتا ہوں سُکھ کی زندگی بسر کرتا ہوں، کچھ دنوں سے ان لوگوں کا ساتھ ہو گیا ہے اور اسی جگہ دن گذر رہے ہیں۔ اب خدا جانے میری بیوی کا کیا حال ہے اور اسکے والدین اپنے کئے پر نادم ہیں یا اپنی بیٹی کے لئے کسی نئے شکار کی تلاش میں ہیں۔

زین الجہاں بولا: "افسوس! والدین کی ناعاقبت اندیشی نے کس طرح اپنی بیٹی کا گھر اُجاڑ دیا، خدا کرے کہ دوسرے لوگ اِس واقعہ سے سبق حاصل کریں۔"

دوسرا درویش کہنے لگا: "میرا نام ہے ممتاز سعود۔ میرے والد ایک متموّل سوداگر تھے اور وہ مجھے بھی تھوڑا بہت سامان دے کر دوسرے شہروں میں بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں دُور دراز کے شہر سے واپس آ رہا تھا کہ ایک پہاڑی راستہ سے گذرتے ہوئے میری نظر ایک حسین و جمیل نوجوان لڑکی پر پڑی جو ایک غار کے پاس بیٹھی عبادت میں مصروف تھی۔ اُسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا۔ وہ میرے قدموں کی آہٹ سے چونک اٹھی اور میری طرف دیکھ کر بولی: "کیا بات ہے کیا دیکھ رہے ہو؟"

معنی: مسئلہ اور زیادہ غصہ کرنا۔ شرافت سے باہر۔ بے کار۔ بے فائدہ۔ شرمندہ۔ متقی۔ خیال و کر۔ دولت مند۔ آسودہ حال۔

میں نے کہا مجھے اس بات پر حیرانی ہے کہ اس کم عمری میں تم اس ویران اور سنسان جگہ پر تنہا بیٹھی ہو آخر تمہیں ڈر نہیں معلوم ہوتا؟ وہ بولی "کیا کروں میرے پاس کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے، رات اس غار میں بسر کرتی ہوں دن میں باہر پھرتی رہتی ہوں یا عبادت کرتی ہوں۔ کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو غار میں چھپ جاتی ہوں کیا عرض کروں دوستو! وہ کس سادگی سے باتیں کر رہی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ اُس سے کہوں کہ

نگاہ میں مستی اداؤں میں شوخی — لبوں پہ گرمی حیا کی سُرخی — تمہیں تو حوروں کی پیشوا ہو؛

تمہاری آنکھوں میں ڈوب جاؤں — تمہاری باتوں میں چین پاؤں — سلگتے دل کی تمہیں دوا ہو

وہ مجھے خاموش دیکھ کر کہنے لگی: "اور تم کون ہو۔ کہاں سے آرہے ہو؟" میں نے جواب دیا: "میرا نام ممتاز مسعود ہے مختلف شہروں میں سامان تجارت فروخت کرکے واپس آرہا ہوں" اب وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی اور اسکے چہرے کی سُرخی اور بڑھ گئی۔ میں نے کہا: "میرے ساتھ چلوگی تمہیں اس تنہائی سے نجات ملجائیگی اور مجھے زندگی کا ایک حسین ساتھی"۔ وہ دھیرے سے بولی: "دھوکا تو نہیں دوگے؟" میں نے کہا: "تمہیں اگر دھوکا دیا تو پھر میرے نصیب میں رہ کیا جائیگا"۔ وہ مسکرانے لگی جیسے اُسکے من کی کلی کھل اُٹھی تھی۔ مجھے اُسکی حسین مسکراہٹ پر پیار آگیا اور میں نے اُسکا نازک ہاتھ پکڑ لیا "تمہارا نام؟" اس نے جواب میں کہا: "ساحرہ"۔ میں نے کہا: "حقیقت میں تم ساحرہ ہو۔ اسم بامسمی اسی کو کہتے ہیں" اور میں اُسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ والدہ نے اُسے دیکھتے ہی کہا: "نظر بد دور۔ کیا پرستان سے آئی ہو؟" وہ شرما کر ادب سے سلام کرنے لگی پھر میں نے ان کو سارا واقعہ سنایا اور ان سے خواہش ظاہر کی: "امی جان! مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں مل سکے

گی۔ آپ ابا جان کو راضی کیجئے۔ وہ بولیں: "بیٹا! وہ کیسے راضی ہوں گے۔ انہوں نے تو بڑے ارمانوں سے تمہاری منگنی اپنے دوست امجد علی کی صاحبزادی ساحرہ سے کی تھی۔" میں نے چونک کر کہا: "ساحرہ سے امی! اسکا نام بھی تو ساحرہ ہے۔" غرض بڑی منت سماجت سے انہیں اپنا ہم خیال بنایا اور انہوں نے اسی رات ابا جان کو بھی راضی کر لیا۔ دوسرے دن کچھ ابا جان کے اور کچھ میرے دوستوں کی موجودگی میں رسم نکاح خوانی ادا ہوئی اور وہ حسن و جمال کی ملکہ میرے دل کی دنیا پر راج کرنے کے لئے وقف ہو گئی۔

وہ حسین ساحرہ ایک خدمت گذار بہو، ایک فرمانبردار بیوی اور گھر کا روشن چراغ ثابت ہوئی۔ ہر فرد اس سے خوش تھا اور ہماری زندگی بڑے سکون اور عیش و آرام میں بسر ہو رہی تھی کہ وہ دن اور وہ تاریخ قریب آگئی جو میرے والد نے اپنے دوست امجد علی کی صاحبزادی سے میرے بیاہ کیلئے مقرر کی تھی۔ اب میرے والد سخت پریشان رہنے لگے۔ وہ بار بار کہتے کہ میں اپنے دوست سے انکار نہیں کر سکتا، اسکی بیٹی ہے اور بیٹی والے کو زبان دے کر پھر جانا اس کی سخت توہین ہے۔ تاریخ مقررہ سے تین روز پہلے انہوں نے کہا کہ میں بارات لے کر جاؤنگا لیکن نکاح سے قبل اسکو حقیقتِ حال سے آگاہ کر دونگا تاکہ وہ بعد میں زبان پر حرفِ شکایت نہ لائے۔ اگر اس نے رشتہ کو خود ہی ٹھکرا دیا تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

میری پیاری ساحرہ ان باتوں سے بے خبر تھی۔ میں نے مجبور ہو کر اسے سارے حالات بتائے، جنہیں وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ آخر میں نے اس سے سوال کیا: "ساحرہ! میرے دوسرے نکاح کے بعد تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی؟"

وہ بولی: "نہیں! میرے سرتاج! تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے۔ تمہاری عزت میری عزت ہے۔ والدین کے حکم کی تعمیل کرنا تمہارا پہلا فرض ہے چونکہ تمہاری فلاح و بہبودی کیلئے ان کی دعائیں ضروری ہیں۔"

اسکے اس حقیقت پسندانہ جواب کو سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے ان آنسوؤں کو دیکھ لیا اور اپنے دوپٹہ کے آنچل سے خشک کرنے لگی۔ وہ اس وقت بھی مسکرا رہی تھی لیکن میں اسکے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کر رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں اس کے زانو پر سر رکھ کر رونے لگا۔

دوسرے دن بارات کی روانگی تھی اور مجھے دولہا بنانے کا سامان موجود تھا مگر میرے دل نے قطعی گوارا نہیں کیا کہ میں ساحرہ کے سامنے دولہا بنایا جاؤں۔ میں نے ابا جان سے درخواست کی: "مجھے معاف کر دیجئے ابا جان! میں ساحرہ کے دل کو زیادہ دکھی نہیں کرنا چاہتا۔ آپ سب روانہ ہو جائیں، امی جان اور ساحرہ بھی چلی جائیں۔ میں بعد میں آجاؤنگا اور جب ایک میل کا فاصلہ رہ جائے تو مجھے دولہا بنوا دیجئے گا۔ اس گھر سے تیار ہو کر میں جانا نہیں چاہتا۔" ابا جان نے میرے جذبات اور احساسات کی قدر کرتے ہوئے میری مرضی کے مطابق سب کو روانگی کا پیغام دیا۔ امی جان نے گھر پر ہی رہنا پسند کیا البتہ ایک پالکی میں ساحرہ بیٹھی اور

دوسری پالکی میں چند رشتہ کی عورتیں۔ میں گھر پر ہی ٹھہر گیا۔
شام ہوتے ہی میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا ہوا روانہ ہوا۔ رات کا آخری پہر تھا کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں باراتی آرام کر رہے تھے سب مجھے دیکھتے ہی ابا جان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں حیران رہ گیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ ابا جان! خیر تو ہے یہ آنسو کس لئے؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے پھر میں نے اپنے منشی جی سے دریافت کیا کہ آخر بات کیا ہے؟
منشی جی مجھے ایک طرف لے جا کر بولے: "گھر سے روانہ ہونے کے بعد ہم نے راہ میں دو مقام پر قیام کیا تھا ایک مرتبہ شام کے ناشتے کے لئے اور دوسری مرتبہ رات کے کھانے کیلئے۔ ہم نے دیکھا کہ ساحرہ اپنی پالکی میں موجود تھی لیکن جب اس جگہ پڑاؤ ڈالا تو اسکی پالکی خالی ملی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں اور کیسے غائب ہو گئی۔"
میں نے کہا "وہ مجھے ایک ویرانے سے ملی تھی اور اب کسی ویرانہ ہی کی طرف چلی گئی ہے چونکہ میرے دوسرے نکاح کو وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی اور وہ کیا۔ کوئی عورت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ خیر! میں اُسے تلاش کر لوں گا ممکن ہے اس نے میرے بیاہ کی رسموں میں شریک ہونا گوارا نہ کیا ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اُسکو مجھ سے بیحد پیار ہے۔ وہ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔ وہ مجھ سے دور نہیں رہے گی" اور میں بہت دیر تک یوں ہی بڑبڑاتا رہا جیسے میں ایک دیوانہ تھا۔ سودائی تھا۔
یہ ایک عظیم حادثہ تھا لیکن ہم سب نے برداشت کیا اور صبح اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ دوپہر سے بہت پہلے ہماری بارات پہنچ گئی۔ وہاں شاندار استقبال کیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد نکاح خوانی کی تیاری ہوئی قاضی صاحب سنبھل کر بیٹھے ہی تھے کہ امجد علی روتے ہوئے آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے: "قدرت کے کھیل نرالے ہیں یہاں نکاح کی تیاری ہے اور گھر میں آہ و زاری ہے خدا نے میری بچی کو مجھ سے چھین لیا ہے۔" اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ باراتی اس منحوس خبر کو سن کر ششدر رہ گئے اور چاروں طرف صف ماتم بچھ گئی لیکن میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے میری ساحرہ کا دل رکھ لیا۔
امجد علی نے بہت دیر تک رونے کے بعد میرے ابا جان سے کہا کہ آپ سب کو لیکر واپس چلے جائیے چونکہ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ جو لوگ دُلہن کا ڈولا لینے آئے تھے وہ اسکے جنازے کو کاندھا دیں۔ ابا جان نے ان کی بات کو مانتے ہوئے سارے باراتیوں کو یہ کہکر رخصت کر دیا کہ وہ اسی جگہ ہمارا انتظار کریں جہاں رات پڑاؤ ڈالا تھا۔ ہم تجہیز و تکفین کے بعد شام تک وہاں پہنچ جائیں گے۔
باراتیوں کے جانے کے بعد امجد علی ہمیں بھی رخصت کرنا چاہتے تھے لیکن ابا جان راضی نہیں ہوئے آخر انہوں نے ہم دونوں کو لے جا کر دیوان خانے میں بٹھایا اور ملازموں سے بولے کہ ناشتہ کا سامان لے آؤ

ابا جان نے کہا: "نہیں نہیں! تجہیز و تکفین سے پہلے کھانا پینا جائز نہیں ہے"۔ انہوں نے جواب دیا: "ہمارے ہاں جائز ہے آپ کو انکار نہیں کرنا چاہیئے"۔

"ابا جان! آداب!" ہم سب اس آواز پر چونک اٹھے ہماری نگاہیں اٹھ گئیں۔ ہم نے دیکھا کہ بیرونی دروازہ سے ساحرہ دیوان خانے میں داخل ہوئی اور دوڑ کر امجد علی سے لپٹ گئی۔ فرطِ مسرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ اسے گلے سے لگا کر بولے: "بیٹی! تم کہاں تھیں؟"

ابا جان نے کہا: "میری بہو ساحرہ! امجد کیا یہ تمہاری بیٹی ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! یہ میری بیٹی ہے کیا بیان کروں دوست! میں تجارت کا سامان لے کر دوسرے ملکوں کے سفر پر روانہ ہوا تھا واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ ساحرہ گھر سے فرار ہو گئی ہے۔ مجھے اس اطلاع سے سخت صدمہ پہنچا۔ عزت کا معاملہ تھا میں نے کسی رشتہ دار کو خبر نہ ہونے دی اور چپکے چپکے تلاش کرتا رہا مگر ناکامی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ ادھر تم بارات لے آئے تو مجھے جھوٹ کہنا پڑا کہ..." اور وہ چپ ہو گیا۔

ساحرہ بولی: "ابا جان! آپ نے روانگی سے قبل اصغر کو حکم دیا تھا کہ وہ میری اجازت کے بغیر کوئی سامان فروخت نہ کرے لہٰذا وہ اس حکم کی تعمیل کرتا رہا۔ ایک دن حسب معمول وہ میرے پاس آیا تو میں سمجھی کہ وہ سامان فروخت کرنے کے لئے اجازت چاہتا ہے لیکن اس نے تو دو دھاری چاقو نکال لیا اور کہنے لگا کہ اگر شور کیا تو یہ چاقو تیرے سینہ میں گھونپ دوں گا" میں نے اس سے پوچھا کہ آخر تو چاہتا کیا ہے تو وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولا: "تجھے میرے ساتھ چلنا ہوگا اور جہاں میں چاہوں گا۔ تجھے لے جاؤں گا اور جس طرح رکھوں گا تجھے رہنا ہوگا"۔ میں اس کے ناپاک ارادے کا اندازہ لگا کر بولی: "اصغر! اس چاقو کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو یوں بھی تمہارے ہی ساتھ زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس ملک سے باہر چلنا ہوگا"۔ میرے اس جواب کو سن کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اور وہ کہنے لگا: "باہر جانے کے لئے تو بہت زیادہ دولت کی ضرورت ہوگی میں سارا مال واسباب فروخت کرکے رقم کیوں نہ سمیٹ لوں" میں نے جواب دیا: "ہاں اصغر! سارا سامان جلد از جلد فروخت کر دو" اور وہ خوش ہو کر چلا گیا۔ میں اسی رات گھر سے نکل بھاگی اور پہاڑ پر پہنچ کر ایک غار میں رہنے لگے۔ اتفاق سے ایک روز .... اور وہ شرما کر خاموش ہو گئی۔

میرے ابا جان نے پھر باقی واقعہ نہیں سنایا تو وہ حیران رہ گئے اور پیار سے ساحرہ کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگے۔ ساحرہ کے والد بولے: "بیٹا! یہی تو تمہاری منگیتر تھی۔ تم نے خود ہی شادی کر لی۔ اور پھر یہ راز کھلا کہ انہوں نے نکاح کے وقت بیٹی کی موت کی جھوٹی اطلاع دے کر خود کو بدنامی کے داغ سے محفوظ

معنی: ملہ باہر کی طرف کھلتی: ۱۱-۲ بھاگ گئی ۲-۳ زیادہ خوش ہونا۔

رکھنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے اپنے ملازموں کو بلا کر اصغر کو سخت سزا دی اور اسے ملازمت سے علیٰحدہ کر دیا۔ پھر ہمیں کئی روز تک مہمان ٹھہرایا اور وقتِ رخصت انہوں نے ساحرہ کو زیور، کپڑے اور جہیز کا بہت سا سامان دیا، مجھے بھی بہت کچھ دیا اور ہم خوشی خوشی لوٹ آئے۔

ساحرہ نے گھر پہنچ کر مجھے بتایا کہ راستہ میں جب ایک جگہ بارات ٹھہری تو ہمارے مُنیم منوّر نے مجھ سے کہا: "مسعود میاں کو تمہارا تو خیال ہی نہیں ہے جب ہی تو وہ دوسرا بیاہ کرنے چلے ہیں اگر تم اپنی زندگی بنانا چاہتی ہو تو اس رات کی تاریکی میں میرے ساتھ بھاگ چلو۔ میں ساری عمر تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیونگا میں نے اُسے تسلی دی اور اگلی منزل پر پہنچ کر ساتھ چلنے کا وعدہ کر لیا لیکن اس کے جاتے ہی میں چھپ چھپا کر نکل بھاگی اور بڑی مشکل سے اپنے ابا کے گھر پہنچی"۔

اس بات کو سُن کر مجھے مُنیم پر بڑا غصہ آیا، جی میں آئی کہ جا کر اُس کے دو ٹکڑے کر دوں مگر ساحرہ کے سمجھانے سے میں نے ضبط کیا۔ اور منیم کو بُرا بھلا کہہ کر اُسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا۔

ایک ماہ کے بعد میں شکار کھیلنے کی غرض سے جنگل میں گیا تو مجھے منوّر مل گیا۔ وہ بڑی عاجزی اور انکساری سے ملا اور شکار کے بہانے جنگل میں لئے پھرتا رہا۔ دوپہر کے وقت میں تھک کر ایک درخت تلے بیٹھ گیا تو وہ جا کر مشکیزہ میں پانی لایا اور مجھ سے بولا: "آپ منہ ہاتھ دھو لیجئے۔ کچھ تھکن دُور ہو جائے گی"۔

میں نے فوراً ہی منہ دھویا لیکن اُسی وقت ہر چیز میری نظروں سے غائب ہو گئی۔ نہ منیم نظر آتا تھا نہ جنگل اور نہ میرا گھوڑا۔ بس ایک لق و دق میدان تھا اور میں تھا۔ اپنی بدنصیبی پر آنسو بہاتا ایک طرف چل دیا۔ سات دن کے بعد اس مقام پر پہنچا تو کچھ صورتیں نظر آئیں۔ میں کئی بار اپنے شہر جانے کے ارادے سے چلا۔ لیکن ایک دو فرلانگ کا فاصلہ طے کرتے ہی سوائے لق و دق میدان کے کچھ نظر نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر یہاں ان بھائیوں کے ساتھ زندگی کے دن گزار رہا ہوں"۔

شہزادہ زین الجہاں بولا: "وہ کمبخت منیم آپ پر جادو کر گیا ہے مگر گھبرانے کی بات نہیں ہے خدا مدد کرے گا اور تم اس مصیبت سے نجات حاصل کر لو گے"۔

طوطا کہنے لگا: "سبحان اللہ! دل خوش ہو گیا اس قصہ کو سُن کر۔ بی مینا! اب تیسرے درویش کا قصہ بیان کرو"۔ مینا بولی: "ہاں میاں مٹھو! اب تیسرے درویش کا قصہ سنو! وہ بھنگ پینے کا عادی تھا اور اکثر بھنگ پی کر اپنے ایک دوست کی دکان پر جا بیٹھتا تھا۔ اسی شہر میں ایک مالدار حسینہ بھی رہتی تھی اس کا نام تھا مَن موہنی۔ ایک روز اس کی دائی نے کہا: جانِ مادر! اب تم سیانی ہو چکی ہو میرا کہا مانو تو بیاہ کر لو۔ وہ بولی: بات تو مناسب ہے لیکن کوئی عقلمند نوجوان ملے تو بیاہ کا ارادہ کروں"۔

معنی: ۱۔ برطرف یا علیحدہ کر دیا ۲۔ منت سماجت، اخلاق ۳۔ خاکساری۔

دائی نے کہا: "جانِ مادر! عقلمند آدمی کیسے تلاش کیا جائے گا؟" من موہنی نے کہا: "یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ذرا جگنی کو تو بلاؤ۔" دائی نے جگنی کو بلایا تو من موہنی نے دو روپے دیئے اور کہا: "بازار میں جا کر کسی راہگیر سے کہنا کہ میری مالکن نے یہ دو پیسے دیئے ہیں اور ان میں چار چیزیں منگائی ہیں اور یہ کہا ہے کہ ایک ہی دکاندار سے لانا۔ لہٰذا مجھے وہ دکان بتا دو اور جب وہ چیزوں کے نام پوچھے تو کہنا۔ (۱) کھانے کو حلوہ (۲) پینے کو شربت (۳) چنے (۴) اور بکری کا چارہ۔"

جگنی جانے لگی تو من موہنی نے کہا: "جب تک یہ چیزیں نہ مل جائیں واپس نہ آنا۔"

جگنی نے بازار میں پہنچ کر ایک ایک راہگیر سے پوچھا لیکن جس نے سنا ہنس کر چل دیا۔ یہ درویش جس کا نام مشتاق نذر تھا، بھنگ پیئے اپنے دوست کی دکان پر بیٹھا تھا۔ اس کی نظر جو باندی پر پڑی تو وہ دکاندار سے کہنے لگا: "یہ غریب ایک ایک سے نجانے کیا پوچھ رہی ہے۔" دکاندار نے جگنی کو بلا کر پوچھا: "تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟" اس نے اپنا سوال دہرا دیا اور بولی: "میں تو ایک ایک راہگیر سے پوچھتے پوچھتے تھک گئی مگر ان میں سے ایک شخص بھی یہ نہیں بتا سکا کہ وہ کونسا دکاندار ہے جس کے پاس یہ چاروں چیزیں مل سکتی ہیں۔" دکاندار نے ہنس کر کہا: "تمہاری مالکن نے مذاق کیا ہے۔" جگنی مایوس ہو کر چلنے لگی تو مشتاق نے روک کر کہا: "تم دو پیسہ کا تربوز لے جاؤ۔ اگر وہ خوش نہ ہو تو میرے پاس آجانا۔"

جگنی تربوز خرید کر لے گئی تو من موہنی دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پوچھنے لگی: "یہ کس نے بتایا تھا؟" وہ بولی: "ایک دکان پر ایک نوجوان بیٹھا تھا اس نے مشورہ دیا کہ تربوز لے جاؤ۔"

من موہنی نے اُسے ایک تھال میں رکھ کر تیس لڈو، بارہ گلاب جامن اور ایک آبخورہ دودھ سے بھر کر رکھا اور دودھ پر خوب بالائی ڈال دی پھر جگنی سے کہا: "جس نوجوان نے تجھے تربوز خریدنے کا مشورہ دیا تھا یہ تھال انعام میں اُسے دے آ اور کہنا کہ تیس دن کا مہینہ اور بارہ مہینے کا سال بھرا ہے کنواں اُوپر پڑا گیا جال۔" جگنی تھال اُٹھا کر چلی تو راستہ میں اُس کا شوہر مل گیا۔ اُس نے پوچھا: "یہ کہاں لے جا رہی ہے؟" وہ بولی: "مالکن نے ایک آدمی کے لئے انعام میں بھیجا ہے۔" وہ کہنے لگا: "لا تھوڑی سی چیزیں مجھے بھی دیتی جا۔ اُسے کیا معلوم ہوگا کہ کیا کم ہوا" اور اُس نے آٹھ لڈو اور تین گلاب جامن لے لیں۔ آدھا دودھ پی کر ساری بالائی چٹ کر گیا اور گھر کی جانب روانہ ہوا۔ جگنی نے دکان پر جا کر مشتاق نذر سے کہا: "مالکن نے یہ آپ کے لئے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ تیس دن کا مہینہ اور بارہ مہینے کا سال۔ بھرا ہے کنواں اُوپر پڑا گیا جال۔" مشتاق نذر نے تھال خالی کر کے اُسے دیا اور بولا: "اپنی مالکن سے جا کر کہنا:

"بائیس دن کا مہینہ اور نو مہینے کا سال۔ آدھا کنواں جس پر جال ہے نہ وال"۔

جگنی نے گھر پہنچ کر یہی الفاظ مالکن سے کہہ دیئے۔ وہ سن کر چپ ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جگنی کو بلا کر کہنے لگی: "تھال میں سے مٹھائی کس نے لی تھی، بالائی کس نے کھائی تھی اور دودھ کس نے پیا تھا؟" وہ بولی: "کسی نے بھی نہیں۔" من موہنی نے کہا: "جھوٹ نہ بول ورنہ سخت سزا بھی دوں گی اور ملازمت سے علیحدہ بھی کر دوں گی۔" وہ غریب مجبور ہو کر بولی: "مالکن! میں نے تو انکار کیا تھا مگر میرے شوہر نے زبردستی آٹھ لڈو۔ تین گلاب جامن لے لیں۔ ساری بالائی کھا گیا اور آدھا دودھ پی گیا۔"

دائی نے پوچھا: "جانِ مادر! تم کو کیسے معلوم ہوا کہ اس نوجوان تک سب چیزیں کم پہنچی ہیں۔" من موہنی نے جواب دیا: "وہ بے حد عقلمند نوجوان ہے۔ میں نے تیس لڈو اور بارہ گلاب جامن رکھ کر کہا تھا کہ تیس دن کا مہینہ اور بارہ مہینے کا سال۔ آبخورہ دودھ سے بھرا تھا اور اوپر بالائی تھی اسی لئے میں نے کہا تھا "بھرا ہے کنواں اوپر پڑ گیا جال۔ وہ میری پہیلی کو سمجھ گیا اور اس نے چیزوں کا شمار کر کے دیکھ لیا کہ آٹھ لڈو کم ہیں اور تین گلاب جامن۔ لہٰذا اس نے کہا، بائیس دن کا مہینہ اور نو مہینے کا سال۔ بالائی بالکل نہیں تھی دودھ آدھا تھا اِسی لئے اس نے کہا۔ آدھا کنواں جس پر جال ہے نہ وال۔"

دائی بولی: "واقعی بہت عقلمند آدمی ہے۔ کمال کر دیا اُس نے۔" من موہنی نے کہا: "میں نے دو پیسے میں چار چیزیں ایک ہی دکاندار کے ہاں سے منگوائی تھیں اس نے تربوز خریدنے کا مشورہ دیا۔ اب ذرا غور تو کرو۔ کھانے کیلئے حلوہ یعنی تربوز کا گودا ۲۔ پینے کے لئے شربت، تربوز کا پانی ۳۔ چنے یعنی تربوز کے بیج اور ۴۔ بکری کا چارہ گویا اُس کا چھلکا۔"

دائی بولی: "جانِ مادر! اس نوجوان کو تو یہاں بلاؤ۔" من موہنی نے جواب دیا: "آج نہیں پھر کسی دن بلاؤں گی۔" اور پھر ایک دن اس نے مشتاق نذر کو بلا لیا۔ وہ بہت حسین اور صحت مند نوجوان تھا اور من موہنی حسن و جمال میں یکتا و لاثانی۔ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے۔ دائی دونوں کی نظروں کو دیکھتے ہی بھانپ گئی اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگی کہ ان دونوں کی جوڑ بہت اچھی رہے گی لیکن تھوڑی ہی دیر میں یہ خوشی خاک میں مل گئی۔ چونکہ من موہنی نے اس سے کہا: "اگر تم بھنگ پینا چھوڑ دو تو میں تمہاری ہو سکتی ہوں۔" وہ اسوقت بھی نشہ میں تھا کہنے لگا: "اے حسین عورت! تو میری نگاہوں کی پیاس تو بجھا سکتی ہے لیکن میرے دل اور دماغ پر حکومت نہیں کر سکتی۔ بھنگ کو اگر میں چاہوں تو نالی میں بہا دوں، اگر میری خواہش ہو تو اُسے حلق

سے اتار لوں اور تو مجھے اپنا تابع کرنا چاہتی ہے ہرگز نہیں کرسکتی۔ اگر میری بن کر رہنا چاہتی ہے تو بن جا مگر میرے دل و دماغ کا ساتھ دینا پڑے گا۔" من موہنی بولی "میں سب کچھ کرسکتی ہوں لیکن نشہ آور چیز کو پسند نہیں کرسکتی۔" مشتاق نے کہا "تو میں تجھے پسند نہیں کرسکتا" اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

طوطا بولا: "اے مینا! تو درویش کا قصہ سنا رہی ہے مگر تو بھول گئی پہلے درویش ان کا قصہ ان ہی کی زبان میں سنا چکی ہے لیکن اس درویش کا قصہ تو نے اس کی اپنی زبان میں نہیں سنایا۔"

مینا نے کہا: "ہاں میاں طوطے! مجھ سے بھول ہوئی۔ خیر کوئی بات نہیں اب سنو اور سر کو خوب دھن۔ درویش کہہ رہا تھا کہ من موہنی سے ناراض ہو کر میں واپس تو آگیا لیکن دل پر جو قیامت گذری بیان نہیں کرسکتا۔ ہائے واکی ترچھی نجر گئی مو میں اُتر۔ جیارا مورا گھبراوت ہے۔ میں اپنے الفاظ کو یاد کرکے روتا رہا۔ کاش میں کہہ دیتا کہ اے حُسن کی دیوی! تیرے نشاہ، بھنگ تو کیا شے ہے جان تک قربان ہے' دوستو! کیا بیان کروں۔ دن کا چین، رات کا نیند۔ ہائے سب کچھ بھول گیا لیکن دوبارہ اُسکے در پہ جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر میرا دل اس قدر گھبرایا کہ میں نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا اور خاک چھانتے چھانتے یہاں پہنچ گیا اور ان دوستوں کی مہربانی سے ابھی تک اِسی جگہ پڑا ہوں ہائے [1]

شام ڈھلے، من کے آنگن میں قدموں کی یوں چاپ آئے
جیسے کوئی چلتا چلتا دھیرے دھیرے رُک جائے

اے دوستو! خدا ایسا آزار کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ ہائے کیا کہوں [2]

دل کی حالت، دل کا عالم ٭ قصر شکستہ، شہر خموشاں

مینا کہہ رہی تھی: "وہ درویش من موہنی کو یاد کرکے آہ و زاری کرنے لگا تو سب نے اُسکو تسلی دی اور چوتھے درویش سے کہا کہ آپ بھی اپنی داستان بیان کیجئے۔ وہ کہنے لگا: دوستو! میں ایک سوداگر تھا اور اپنے ہم وطن سوداگروں میں مالدار تھا۔ خدا نے مجھے چار بیٹے دیئے تھے جب وہ جوان ہوئے تو میں نے اُن کی شادی کردی اور اُن کو مشورہ دیا کہ وہ میری حویلی میں ایک ہی جگہ اتفاق کے ساتھ رہیں۔ انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔ ان کی محبت ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک دیکھ کر میں نے اپنی ساری جائداد اور نقد دولت ان میں برابر برابر تقسیم کردی اور اُن سے کہا کہ اب وہ چاروں سارا کاروبار خود سنبھال لیں اور مجھے آرام کرنے دیں۔

دو تین مہینے تو بہت اچھے گذرے لیکن اس کے بعد ان کی بیویوں نے میرے ساتھ بُرا برتاؤ کرنا شروع کردیا۔ ناشتہ میں باسی روٹی اور شوربہ، دوپہر کو سب کے بعد مجھے کھانا دیتیں اور شام کو خود تازہ

[1] سیمیں، مکھ مخمار۔ معنی: [1] غلام بنانا چاہتی ہے۔

کھانا کھاتیں لیکن مجھے دوپہر کا بچا ہوا ملتا۔ کبھی میرے کپڑے دھوبی کو نہ دیتیں۔ میں شکایت کرتا تو صاف کہہ دیتیں کہ خالی پڑے پڑے چارپائی کا بان توڑتے ہو، کپڑے کیوں نہیں دھوتے۔ غرض میری زندگی ایک عذاب جان ہو گئی۔ آخر ایک روز میں اپنے پرانے دوست کے پاس گیا، وہ شہر کا قاضی تھا اور میری بہت عزت کرتا تھا۔ میں نے سارا حال اُسے سُنایا تو وہ ہنس کر بولا "دوست! لالچ بُری بلا ہے اور لالچ انسان کی بڑی کمزوری ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ بس اتنا کرنا کہ جمعہ کی شام کو عصر اور مغرب کے درمیان گھر سے کہیں چلے جانا۔"

جمعہ کو میں عصر سے پہلے ہی گھر سے چلا گیا اور مغرب کے بعد واپس آیا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی بڑی بہو نے کہا "ابا جان! کہاں چلے گئے تھے۔ ہم لوگ تو کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" دوسری بہو بولی "آپ کے بغیر کھانے میں لطف بھی تو نہیں آتا۔" چھوٹا بیٹا کہنے لگا "ابا جان کو میٹھی چیزیں بہت مرغوب ہیں۔ کیا تم نے کوئی میٹھی چیز تیار کی ہے؟" اس کی بیوی بولی "ہاں! سوئیاں پکائی ہیں۔" غرض ان سب نے باری باری خوب اپنی اپنی کہی۔ پھر دسترخوان چنا اور مجھے عزت کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ میں سمجھ گیا کہ قاضی صاحب کا جادو چل گیا ہے۔ صبح ناشتہ پر بھی یہی کیفیت رہی۔ دوپہر کو میں قاضی صاحب کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ یہ تو بتائیے آپ نے کونسا عمل کیا ہے جو سب میرے فرمانبردار اور خدمت گذار ہو گئے ہیں؟

قاضی صاحب ہنس پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد بولے: "میں سرکاری کاغذ پر آپکی طرف سے فرضی وصیت نامہ لکھکر آپ کے مکان پر لے گیا۔ میں نے اُس میں لکھا تھا کہ میری وہ دولت جو شاہی خزانے میں بطور امانت رکھی ہوئی ہے میری وفات کے بعد اس طرح تقسیم کی جائے کہ اُس کے نصف حصہ سے ایک سرائے تعمیر کرائی جائے، چوتھائی حصہ میرے اکلوتے بھانجے میاں محمد اختر کو اس وقت دیا جائے جب وہ سن بلوغ[1] کو پہنچ جائے اور باقی دولت یتیموں کی پرورش پر صرف کی جائے۔ میں اپنی جائداد، نقد دولت اور سارا مال و اسباب اپنے چاروں بیٹوں میں تقسیم کر چکا ہوں لہٰذا ان کو ایک درہم[2] بھی نہ دیا جائے۔

آپ کے منجھلے بیٹے نے مجھ سے دریافت کیا کہ ابا جان سے آپ کو کیا کام ہے؟ میں نے سادگی سے کہا "بیٹا! انہوں نے اپنی اُس دولت کے لئے جو شاہی خزانے میں بطور امانت رکھی ہے ایک وصیت نامہ لکھوایا ہے۔ میں اس وقت ان سے اس وصیت نامہ پر دستخط کرانے اور مُہر لگوانے آیا ہوں۔" اس نے میرے ہاتھ سے لے کر وصیت نامہ پڑھا پھر اپنے تینوں بھائیوں کو بلوا کر پڑھنے کیلئے دیا۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے میری خوشامد شروع کر دی۔ اور کہنے لگے کہ آپ ابا جان کو مشورہ دیجئے کہ وہ یہ دولت بھی ہمارے نام لکھ دیں۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ اس دولت میں سے ایک سرائے ابھی بنوا دیں گے۔ میں نے اُن کو تسلی دی اور ان سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ میں کسی مناسب موقع پر انہیں سمجھا کر وصیت نامہ

[illegible] درہم [illegible] چاندی کا ایک سکہ۔

ہمارے حق میں لکھوا دوں گا۔" غرض قاضی شہر کی تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور میرے بیٹے بھی دن رات میری خدمت بھی کرنے لگے اور کھانے کے لئے عمدہ عمدہ چیزیں بھی دینے لگے۔

ایک دن میں نے سوچا کہ اولاد خواہ کیسا ہی سلوک کرے لیکن اُسے دھوکا نہیں دینا چاہیئے پھر مجھے خیال آیا اگر میں نے اولاد کو حقیقت سے آگاہ کر دیا تو پھر میرا وہی حال ہوگا جس سے گھبرا کر میں قاضی کے پاس گیا تھا۔ آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں اپنی اولاد سے کہیں دور جا کر اپنے دن گزاروں گا پھر ایک رات میں خاموشی سے گھر چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا اور فقیروں جیسی زندگی بسر کرنے لگا۔

دو تین مہینے کے بعد میرا حلیہ ہی کچھ اور ہو گیا۔ سر اور داڑھی کے بال خوب بڑھ گئے۔ کپڑے میلے بھی ہوئے اور جگہ جگہ سے پھٹ بھی گئے۔ اب میں جنگل سے شہر میں آیا اور ایک امیر آدمی کے پاس جا کر ملازمت کا خواہشمند ہوا اور میں نے اُسے بتایا کہ میں آدمی، گھوڑے اور ہیرے کو بخوبی پہچان لیتا ہوں۔ ان صفات کو سُن کر اُس نے مجھے اسی وقت ملازم رکھ لیا، تنخواہ مقرر کی رہائش کے لئے ایک کوٹھری دے دی اور گودام کے داروغہ کو ہدایت کر دی کہ وہ مجھے ایک پاؤ آٹا، آدھ پاؤ دال اور پاؤ چھٹانک نمک یومیہ دیا کرے غرض میں وہاں رہنے لگا۔ ایک روز ایک آدمی گھوڑا فروخت کرنے کی غرض سے آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر تم میرے گھوڑے کو بے عیب بتاؤ گے تو میں تمہیں دس اشرفی انعام دوں گا لیکن میں نے ایسا انعام لینے سے انکار کر دیا اور امیر کو بتایا کہ گھوڑا اچھی نسل سے ہے تندرست ہے لیکن اس کا پسینہ بدبودار معلوم ہوتا ہے امیر نے پوچھا کہ پسینہ کیوں بدبودار ہے۔ میں نے جواب دیا: "اس گھوڑے نے کچھ عرصہ تک گدھی کا دودھ پیا ہے۔" امیر اور گھوڑے کا مالک دونوں میری بات سن کر بڑے حیران ہوئے۔ گھوڑے کا مالک بولا، یہ بات

بالکل سچ ہے یہ گھوڑا چھ دن کا تھا کہ اس کی ماں مر گئی۔ میں نے گدھی کا دودھ پلا پلا کر اس کی پرورش کی " امیر نے کہا: " ٹھیک ہے مجھے ایسا گھوڑا نہیں چاہیے " گھوڑے کا مالک چلا گیا اور امیر نے میری خوراک میں اضافہ کر دیا یعنی چھ چھٹانک آٹا اور تین چھٹانک دال یومیہ ملنے لگی۔

ایک دن ایک جوہری ایک ہیرا لے کر آیا تو میں نے اسے دیکھ کر بتایا: " یہ ہیرا اگر کھانے پینے کی چیز سے لگ گیا تو اس میں زہر پھیل جائے گا۔" امیر نے آزمانے کے لئے ہیرے کو دودھ میں ڈال دیا اور پھر ہیرا نکال کر دودھ ایک کتے کو پلا دیا۔ کتا تھوڑی ہی دیر بعد مر گیا اب تو دونوں حیران ہوئے اور امیر مجھ سے پوچھنے لگا: " تم نے کیسے پہچان لیا کہ اس ہیرے پر زہر کا اثر ہے؟" میں نے جواب دیا کہ " ابھی ابھی اس ہیرے پر ایک مکھی بیٹھی تھی اور فوراً ہی مر گئی تھی اسے دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس ہیرے کو کسی سانپ نے ضرور اپنے منہ میں رکھا ہے اور اس میں زہر سرائیت کر گیا ہے " امیر نے جوہری کو چلتا کر دیا اور میری خوراک میں ایک ایک چھٹانک آٹے اور دال کا اضافہ کر دیا۔ پھر ایک دن امیر نے مجھے بلا کر پوچھا: " آج میری بیوی جس وقت گھوڑا گاڑی میں سوار ہو رہی تھی اسے دیکھ کر تم مسکرائے کیوں تھے؟" میں نے جواب دیا: " حضور والا! میرے جواب سے ناراض ہو جائیں گے۔" امیر بولا: " نہیں! سچ بات سے میں کبھی ناراض نہیں ہوتا۔" میں نے کہا: " آپ کی بیوی کی چال دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ذات کی ڈومنی ہے اور مسکرایا اس خیال سے تھا کہ خدا جیسے کو تیسا ہی دیتا ہے " امیر چونک کر بولا: " کیا مطلب؟" میں نے جواب دیا: " مطلب یہ کہ آپ ذات کے بقال ہیں۔ اگرچہ بے حد مالدار اور امیر ہیں لیکن آپ کو ڈوم خاندان کی ہی بیوی ملی۔" اس نے کہا: " یہ درست ہے کہ میں بقال اور میری بیوی ڈومنی ہے لیکن تم نے میری ذات کیسے پہچان لی؟" میں نے کہا: " آپ نے مجھ سے خوش ہو کر نہ کبھی تنخواہ میں اضافہ کیا نہ نقد کچھ دیا جب بھی انعام دیا آٹے دال میں اضافہ کر دیا بس یہی بات ثابت کر رہی تھی کہ آپ بقال ہیں۔" امیر لاجواب ہو گیا اور مجھے چھ مہینے کی تنخواہ یکمشت دے کر بولا: " اب تمہیں اپنے ہاں ملازم رکھنا مناسب نہیں۔"

ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد اولاد کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا اور بس اِدھر اُدھر کی خاک چھاننے لگا۔ اب کچھ عرصہ سے اس جگہ قیام کر رکھا ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔"

شاہ افروز بخت نے کہا: " بی مینا! ہمارا دل بہت خوش ہوا تم سے قصہ سن کر۔" طوطا کہنے لگا: " ہے تو کالی کلوٹی مگر ہے آفت کی پڑیا " مینا بگڑتے ہوئے بولی: " پھر فضول باتیں کرنے لگے " شاہ افروز بولا: " میاں طوطے! تم ہماری مینا کو کچھ نہ کہا کرو۔" طوطا کہنے لگا: " مجھ سے قصور ہوا معافی چاہتا ہوں۔" شاہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور محفل برخواست ہوئی:

دسویں شب

یہ دسویں شب ہے۔

شاہ افروز بخت خدا کے فضل و کرم سے رو بصحت ہے۔ طبیب حاذق۔ وزیر یا امیر غرض ہر شخص حیران ہے کہ قصے کہانیوں میں وہ کیا جادو ہے کہ شاہ کا وہ مرض جو کسی دوا سے نہ جا سکا ان کو سن سن کر جاتا رہا۔ اس وقت بھی شاہ افروز بہت خوش نظر آرہا ہے۔ چہرے پہ سُرخی دوڑ رہی ہے اور آنکھوں میں چمک ہے۔ مینا اور طوطے کے پنجرے سامنے رکھے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں اجازت دی تو مینا بولی "جس وقت چوتھے درویش نے داستان ختم کی سُورج طلوع ہو رہا تھا"۔

طوطا پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے بولا "چونچ بند رکھ! کل رات میں خاموش ہو گیا تھا آج تو قصہ نہیں سنا سکتی"۔ مینا نے کہا "نہیں! میں سناؤں گی تو کون ہوتا ہے سنانے والا"۔

طوطا بولا "یہ قصہ میں نے شروع کیا تھا میں ہی اسے ختم کروں گا"۔ شاہ افروز بخت نے ہنس کر کہا "اس جھگڑے سے کیا حاصل۔ لینا ایک نہ دینا دو"۔ مینا کہنے لگی "سلطان عالم پناہ! گستاخی معاف! یہ تو فرمایئے "لینا ایک نہ دینا دو" سے کیا مراد ہے؟"

شاہ افروز بولا "ایک سوداگر کے لڑکے بہت شریر تھے وہ ایک روز دریا سے ایک کچھوے کو پکڑ لائے اور صحن میں چھوڑ کر خوب ستانے لگے، سوداگر نے جو کچھوے کو دیکھا تو اُس کو ترس آگیا اور اُس نے نوکر سے کہا کہ اس کچھوے کو دریا پہ چھوڑ آ۔ نوکر کچھوے کو اٹھا کر چل دیا اور راستہ میں کہنے لگا "میاں کچھوے میں نے سنا ہے کہ دریا میں ہیرے لعل اور یاقوت ہوتے ہیں اگر تو قسم کھا کر وعدہ کرتا ہے کہ مجھے ایک ہیرا لا کر دے گا تو میں تجھے دریا پہ چھوڑ آتا ہوں ورنہ نہیں کہیں کسی نالے میں پھینک دوں گا۔

کچھوے نے قسم کھا کر وعدہ کر لیا اور نوکر نے اُسے دریا پہ چھوڑ دیا۔ کچھوا غوطہ مار کر نیچے گیا اور ایک ہیرا منہ میں لے کر واپس آیا۔ نوکر ہیرا دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے کچھوے کو پھر پکڑ لیا اور کہنے لگا تو قسم کھا کر وعدہ کر کہ اس ہیرے کے جوڑ کا ایک ہیرا اور لا کر دے گا نہیں تو میں تجھے یہاں سے لے جا کر کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیتا ہوں۔ کچھوا بے بسی کے عالم میں تھا اس نے وعدہ کر لیا۔ نوکر نے دریا میں چھوڑ دیا تو وہ غوطہ کھا کر اوپر آیا اور کہنے لگا کہ دریا میں ہزاروں ہیرے اور لعل بکھرے پڑے ہیں تم مجھے اپنا لعل دو تا کہ میں دیکھ کر اس کے جوڑ کا لے آؤں"۔ نوکر نے وہ لعل اسے دے دیا اور وہ پھر پانی میں چلا گیا۔ نوکر بہت دیر تک انتظار کرتا رہا لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ آخر ملازم چلا چلا کر اُسے آواز دینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کچھوے نے پانی سے سر نکال کر کہا "لالچی! میں نے وعدہ کے موافق ایک ہیرا تجھے دیا

تو بجائے میرا شکریہ ادا کرنے کے مجھے اندھے کنوئیں میں پھینکنے کی دھمکی دینے لگا۔ اب جا سوچ کر مجھ کو مینا ایک نہیں مجھے دینا دو نہیں۔ اے مینا! اس وقت سے یہ بات چلی آتی ہے کہ مینا ایک نہ دینا دو۔"

طوطا بولا: بہت خوب! اب سنیئے! صبح ہوتے ہی شہزادہ زین الجہاں نے ان درویشوں سے کہا: "بھائیو! مجھے تو خنجر طلسم شکن کی تلاش ہے اس لئے مجھے تو اجازت دو۔ تم لوگ تو تھک ہار کر بیٹھے ہو۔"

درویشوں نے کہا: "نہیں بھائی! ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں جہاں تم جاؤ گے وہیں ہم بھی چلیں گے۔" زین بولا: "میری قسمت میں تو مصائب و آلام لکھے ہیں تم کیوں میری وجہ سے خود کو مصیبت میں ڈالتے ہو۔"

درویشوں نے کہا: "اب ہماری زندگی ہی کیا ہے دو چار دن باقی ہیں وہ تمہارے ساتھ گزر جائیں گے۔"

غرض چاروں درویش زین الجہاں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ یہ جنگل جنگل صحرا صحرا چلتے رہے۔ ایک مہینہ کے بعد ایک پُر فضا مقام پر پہنچے تو ان سب کی رُوح تازہ ہو گئی چونکہ یہاں پھلوں اور میووں کے بے شمار درخت تھے میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور حسین و دلکش پھولوں کی بہار تھی۔ ان سب نے سیر ہو کر پھل اور میوے کھائے چشمہ کا پانی پیا۔ اپنے اپنے کپڑے دھو کر صاف کئے اور خوب نہائے۔ ساری رات کے جاگے ہوئے تھے اس لئے گھاس پر لیٹے اور ہاتھ پاؤں پھیلا کر سو گئے۔ جب اُن کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ اُن کے چاروں طرف سفید کبوتر ہی کبوتر ہیں۔ وہ گھبرا کر اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ وہ کبوتر پرواز کر گئے اور ان سب کی ہیئت بھی بدل گئی اور وہ بھی کبوتر بن کر ان میں شامل ہو گئے۔

اُدھر عیار شہباز شہزادے کے لئے پریشان تھا۔ اُسکی شوخی ہی نہیں چہرے کی رنگت بھی جاتی رہی۔ گلنار اس پر دل و جان سے فریفتہ تھی اس نے شہباز کی حالت دیکھ کر طلسمی آئینہ پر عمل پڑھا اور دیکھنے لگی کہ شاید زین الجہاں کا حال معلوم ہو جائے۔ اس عمل کے اثر سے آئینہ میں صرف آدم زاد ہی نظر آ سکتے تھے اس لئے اُڑتے کبوتروں کا غول دکھائی دیا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ سب آدم زاد ہیں اور ممکن ہے شہزادہ زین بھی ان ہی میں شامل ہو۔ اس نے فوراً ہی بڑھیا ساگاسائی کو بُلوایا اور اس کو حکم دیا کہ جا کر ان کبوتروں کو پکڑ لاؤ۔ ساگاسائی کبوتروں کو پکڑنے میں تو ماہر تھی، اُس نے میدان میں جال پھیلایا اور سارے کبوتروں کو پکڑ لیا پھر ان میں سے ایک کبوتر کو حوض کے پانی سے غسل دیا تو اُس کی ہیئت بدل گئی اور وہ ایک نوجوان بن گیا گلنار نے اُسے دیکھ کر کہا: "افسوس! یہ وہ نہیں جس کی ہمیں تلاش ہے لیکن پھر بھی بہتر ہوا اپنی اصل ہیئت میں آیا۔" وہ اس نوجوان کو اپنے محل میں لے گئی اُسے کھانا کھلا کر کہنے لگی: "تم کون ہو اور انسان سے کبوتر کیسے بنے؟" یہ نوجوان بولا: "کیا عرض کروں۔ میں فارس کے سوداگر احمد رضا کا بیٹا کاظم رضا ہوں میں گرمی کے موسم میں حویلی کی چھت پر سوتا، خواہ تیز ہوائیں چلتیں یا اوس پڑتی۔ ایک رات میری آنکھ کھلی تو میں یہ

معنی: لمہ تکلیف، پریشانیاں، مصیبتیں۔

دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرے برابر ایک حسین پری لیٹی ہوئی مسکرا رہی ہے۔ میں نے اُس کا حال پوچھا تو وہ کہنے لگی: "میں تمہیں کئی بار چاندنی راتوں میں دیکھ چکی تھی آج مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نیچے اتر آئی" میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ پہر رات تک خوب ہنستے ہنساتے رہے پھر وہ دوسری رات آنے کا عہد کر کے چلی گئی۔ میں سارا دن پریشان رہا۔ نگاہوں میں اُسی کی صورت گھومتی رہی۔ رات ہوتے ہی وہ آ گئی غرض اسی طرح دس پندرہ دن گذر گئے تو میں نے اُس سے کہا: "پیاری جعفر! مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلو یہاں تمہارے بغیر وقت نہیں گذرتا" وہ کہنے لگی: "تمہارا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا چونکہ ابا جان ساغر پریزاد آدمی کی صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے"۔ میں نے کہا: "مجھے ایسی جگہ رکھنا جہاں اُن کا قدم نہ پہنچتا ہو" وہ بولی: "اگر تمہاری یہی ضد ہے تو کل میں تخت لے کر آؤں گی اور تمہیں اپنے ہمراہ لے چلوں گی"۔ جعفر پری مجھ کو دیوانہ وار چاہنے لگی تھی شاید اسی لئے اگلے دن وہ تخت لے کر آئی اور مجھے اس پر بٹھا کر لے گئی۔ رات کا وقت تھا۔ ہم کو کسی نے نہیں دیکھا اور جعفر نے کمال ہوشیاری کے ساتھ مجھے اپنے محل میں پہنچا دیا۔ اب وہ رات دن میرے پاس رہتی اور ہم عشق و محبت کے متوالے ہر لمحہ ایک دوسرے میں کھوئے رہتے۔ ایک مہینے کے بعد ساغر پریزاد نے محسوس کیا کہ اب اس کی بیٹی کہیں سیر کرنے نہیں جاتی بلکہ ہر وقت اپنے محل میں رہتی ہے۔ اُس نے اپنے ایک دوست جن کو بُلا کر اُس سے کہا کہ وہ چھپ کر معلوم کرے کہ جعفر پری محل میں کیوں رہتی ہے باہر کیوں نہیں نکلتی۔

جن صبح ہوتے ہی ایک ننھی چڑیا کی شکل میں چلا گیا اور روشندان میں بیٹھ کر سب کچھ دیکھنے لگا۔ شام ہوتے ہی وہ اُڑ کر باہر نکلا اور ساغر پریزاد کے پاس جا کر بولا: "دوست! بڑی بُری خبر لایا ہوں"۔ ساغر نے کہا: "جلد کہو کیا بات ہے؟ میرا تو دل دھڑکنے لگا" جن کہنے لگا: "دوست! تمہاری صاحبزادی ایک آدم زاد کے ساتھ دن رات رنگ رلیاں منا رہی ہے، شرم و حیا دونوں کی آنکھوں سے اُڑ چکی ہے۔ میں نے دونوں کو جس حال میں دیکھا ہے بیان نہیں کر سکتا"۔

ساغر پریزاد نے اسی وقت پریزادوں کے ایک غول کو حکم دیا کہ جعفر پری کو سُرخ کنوئیں میں قید کر دو اور آدم زاد کو حوضِ خاص میں پھینک دو۔ پریزادوں کے غول نے محل پر حملہ کر دیا اور ہم دونوں کو الگ الگ پکڑ کر لے گئے مجھے حوض میں پھینکا تو میں نے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا مگر بے سود۔ میں نیچے ہی بیٹھتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے پاؤں زمین پر لگے تو میں نے دیکھا کہ وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں تھا بلکہ ایک کھلا میدان تھا، ویرانی تھی اور میں تھا۔ میں حیران پریشان کہ یا الٰہی اب کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا آخر میں ایک جانب چل دیا۔ دو ڈھائی

فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک مکان نظر آیا جس کے دروازے کے سامنے سینکڑوں بوَنے کھڑے تھے وہ مجھے دیکھ کر اُچھلنے کودنے لگے اور جب میں قریب پہنچا تو وہ مجھے گھیر کر مکان میں لے گئے۔ مکان کے صحن میں ایک مُردہ بونا فرش پر پڑا تھا اور اس کے چاروں طرف خالی قابیں رکھی تھیں۔ بونوں نے مجھے مُردے کے سرہانے بٹھا دیا اور باقی سب برابر برابر بیٹھ گئے پھر کھانا رکھا گیا اور ایک زرد بونے نے مجھ سے کہا کہ کھانا شروع کرو۔ میں بھوک سے بے حال ہو رہا تھا اس لئے اشارہ ملتے ہی کھانے لگا۔ میرے بعد ان بونوں نے کھانا شروع کیا۔ کھانا کھانے کے بعد ان سب نے مِل کر مُردے کو اُٹھایا اور مکان کے عقب[۳] میں کھودے ہوئے بہت بڑے گڑھے کے پاس لے گئے پھر مجھ سے کہنے لگے: "ہمارے ہاں کی رسم ہے کہ جب کوئی آدم زاد آتا ہے تو اس کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں پھر مُردے کو گڑھے میں لٹا کر آدم زاد کو اس کے ساتھ ہی دفن کر دیتے ہیں لہٰذا تم اس گڑھے میں کود جاؤ اور ہم سے مُردے کو لے کر اپنے پاس لٹاؤ۔"

میں نے انکار کیا تو وہ بولے: "تم نمک حرامی نہ کرو۔ تم نے ہمارا کھانا کھایا ہے جو ہم کہیں گے تمہیں کرنا ہوگا" میں نے کہا: "کچھ بھی کہو۔ میں اس مُردے کے ساتھ دفن ہونے کو تیار نہیں" میرے اس انکار پر وہ مجھے بُری طرح لپٹ گئے اور زبردستی گڑھے میں دھکیلنے لگے۔ اُسی وقت ایک بہت موٹی، سیاہ فام اور بدصورت پری آ پہنچی۔ اس کی شکل دیکھتے ہی تمام بونے پیچھے ہٹ گئے اور وہ میرا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئی۔

اُس کا مکان جعفر پری کے محل سے بھی زیادہ سجا ہوا تھا لیکن وہ کمبخت پری تو کیا تھی ایک بلا تھی اس کی صورت سے نفرت آتی تھی اور وہ تھی کہ بازو پکڑ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتی اور اپنے پاس بٹھانے کی کوشش کرتی۔ میں نے اُس سے کہا: "اس میں شک نہیں کہ تم نے مجھے موت کے منہ میں جانے سے بچایا ہے لیکن تم مجھ پر مہربانی کرو۔ میں تمہارے قریب آنا نہیں چاہتا۔" اُس نے اپنی بھاری آواز میں کہا: "خبردار! اگر انکار کیا اور میری طرف توجہ نہ دی تو ایسی سزا دوں گی کہ ہوش و حواس جاتے رہیں گے۔" میں نے کہا: "مجھے اِس بات کی پروا نہیں ہے۔" وہ بولی: "پھر سوچ لے۔" میں نے کہا: "جو کچھ سوچنا تھا پہلے ہی سوچ لیا ہے۔"

اُس موٹی بھدی اور بدصورت بلا نے تالی بجا کر ایک پریزاد کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ "اس احسان فراموش کو لے جا کر باغِ طلسمات میں چھوڑ دو" میرا خیال تھا کہ پریزاد میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن اس میں بے پناہ قوت تھی وہ مجھے اُٹھا کر لے گیا اور باغِ طلسمات میں پھینک کر واپس چلا گیا۔ اس وقت پیاس کی شدت سے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اس لئے میں نے حوض کے کنارے بیٹھ کر پانی پیا۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ اس پانی کا کیا اثر ہوگا۔ پانی پیتے ہی میں کبوتر بن گیا۔ اس باغ میں اور بھی کبوتر تھے میں ان کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک مدت کے بعد آج میری ہیئت بدلی ہے اور میں آپ کے سامنے ہوں۔"

معنی: ۱؎ ٹھٹکنا ۲؎ پلٹیں ۳؎ پیچھے، پچھلی طرف۔

گلنار نے اُسے مہمان خانے میں بھیج دیا اور کنیزوں کو ہدایت کر دی کہ اس کے لیے کپڑے اور کھانا فراہم کر دیا جائے۔ پھر اگلے دن ساگا ساتی نے دوسرے کبوتر کو پکڑ کر حوض کے پانی سے نہلایا[۱] اور اس کی ہیئت بدلی۔ وہ بھی کوئی اور تھا۔ زین الجہان نہ تھا۔ گلنار نے وقت گذارنے کے لیے اس کا بھی حال دریافت کیا تو وہ کہنے لگا: "میں ایک سوداگر ہوں اور میرا نام تقی دلدار ہے۔ مجھے اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی۔ میں جب دوسرے شہروں اور ملکوں کے سفر پر جاتا تو اُسے بھی ہمراہ لے جاتا۔ ایک مرتبہ ہم سمندری سفر کر رہے تھے کہ راہ میں ہمارا جہاز طوفانِ باد و باراں کی بھینٹ چڑھ گیا[۲]۔ سوائے چار پانچ مسافروں کے سب ڈوب گئے۔ بچنے والوں میں ہم دونوں تو ایک تختہ پر سوار ہوئے اور باقی دو تین آدمی تیرتے ہوئے ایک جانب چلے گئے۔ ہمارا تختہ سارا دن اور ساری رات بہتا رہا۔ ہمیں کچھ خبر نہ تھی کہ ہماری منزل کہاں ہے اور ہم کب تک بہتے رہیں گے۔ مگر خدا جسے رکھے اُسے کون چکھے۔ ہم دوسرے دن دوپہر کے وقت ایک جزیرے کے کنارے اُتر گئے۔ تھکن سے بدن چُور چُور ہو رہا تھا اس لیے ہم ایک درخت کے نیچے لیٹ کر سو گئے۔

شام سے کچھ پہلے ہوا کے ایک تیز جھونکے نے مجھے گویا جھنجوڑ دیا۔ میں آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔ بیوی موجود نہ تھی۔ میں نے اُسے آوازیں دیں، اِدھر اُدھر تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملی۔ آخر اسکی تلاش میں سرگرداں و پریشاں پھرنے لگا۔ چار دن گذر گئے۔ پانچویں دن میں ایک ایسے سنسان علاقے میں پہنچا جہاں صاف ستھری سڑکیں تھیں۔ عالیشان مکان تھے۔ سبزہ تھا۔ بہار تھی لیکن چرند پرند تو کیا کہیں آدمی کا سایہ بھی نہ تھا۔ میں ایک ایک مکان کو دیکھتا چلا جا رہا تھا کہ ایک محل نظر آیا۔ جس کے سامنے خوشنما باغ تھا اور باغ کے وسط میں بارہ دری تھی۔ مجھے یہ منظر بہت بھلا معلوم دیا اور میں بارہ دری میں چلا گیا۔ یہاں توبہ شکن[۳] غارت گر ایمان[۴] ایک حسین دوشیزہ نظر آئی جو حوض میں تیرتی چھوٹی چھوٹی سنہری و روپہلی مچھلیوں کو دیکھنے میں محو تھی۔

میں نے ادب کے ساتھ عرض کی: "اے ملکہ حسن و جمال۔ آداب"۔

وہ چونک گئی۔ اس نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر تالی بجا کر اپنی خواص کو بلایا اور اسے اشارہ کیا۔ خواص میرے نزدیک آکر بولی: "نوجوان! یہ ایک ساحرہ[۵] کا محل ہے یہاں کسی کو آنیکی اجازت نہیں ہے۔ اگر اپنی جان عزیز ہے تو فوراً چلا جا۔ ورنہ ساحرہ زندہ نہیں چھوڑے گی"۔

میں نے کہا: "افسوس! مجھے اپنی جان پیاری نہیں ہے۔ میں تو خود موت کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں بہتر ہے اگر یہاں موت آسکتی ہے تو میں ایک طرف بیٹھ کر اس کی آمد کا انتظار کرتا ہوں"۔

"موت سے دُور بھاگنے والے ❊ ہو گئے دُور زندگانی سے"

معنی: [۱] نہایا [۲] نذر ہو گیا [۳] توبہ توڑنے والا [۴] ایمان کو ختم کرنے والا [۵] جادوگر۔

حسین دوشیزہ اور اُس کی خواص دونوں چلی گئیں اور میں بارہ دری کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خواص میرے پاس آئی اور رازداری کے لہجہ میں کہنے لگی "اجنبی! یہ ہماری مالکن اس شہر کے کوتوال کی بیٹی ہے۔ ایک دفعہ اپنے مکان کے دریچہ میں کھڑی تھی کہ ایک فقیر نے اسے دیکھ لیا اور دوسرے دن کوتوال کے پاس جاکر بولا کہ میں تیری بیٹی سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں۔ ان کو فقیر کی بات پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے تھپڑ اور مکے مار کر اُسے باہر نکال دیا۔

وہ ذلیل آدمی فقیر نہیں بلکہ ایک جادوگر تھا اس نے بلبلے کھنچے ہی جادو کے گلے سے ساری آبادی کو نیست ونابود کر دیا۔ کوتوال بھی ملک عدم کو رخصت ہوا۔ سارے شہر کی آبادی میں میری مالکن اور ایک میں بس دو بچے باقی کوئی نہ رہا۔ وہ ذلیل جادوگر ہم دونوں کو اس محل میں لے آیا اور مالکن سے بولا "اب تو ہمیشہ میرے دل کی پیاس بجھاتی رہے گی، دخل دینے والا اب یہاں کوئی نہیں ہے"؟

میری مالکن غزالہ بی بی نے کہا: "میرے اور آپ کے معاملات میں دخل دینے کی جرأت کسے ہو سکتی ہے لیکن آپ میرے حال پر اتنا کرم فرمائیں کہ ایک سال تک مجھ سے بیاہ کرنے کی خواہش کو دبا رکھیں۔ میں اپنے والد صاحب مرحوم کی برسی منانے کے بعد خود کو آپ کے حوالے کردوں گی"۔

جادوگر اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہنے لگا "یہ محل تمہارے لئے ہے تم دونوں اسمیں آزادی کے ساتھ رہو۔ میں اپنے "طلسم کدے" میں رہوں گا۔ البتہ ہر شام خیریت دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوتا رہوں گا" اور وہ اس روز سے ہر شام گھڑی دو گھڑی کے لئے آتا ہے۔ غزالہ بی بی اسے بنانے کے خیال سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی ہیں اور وہ خوش ہو کر چلا جاتا ہے۔ اب ایک سال پورا ہونے میں صرف دس دن باقی رہ گئے ہیں اگر اے اجنبی! تم غزالہ بی بی کو یہاں سے کہیں دور لے چلو تو وہ ساری عمر تمہارے ساتھ گذار دیں گی۔ "مجھے اور کیا چاہیئے تھا میں نے اقرار کر لیا اور خواص مجھے محل میں لے گئی۔

خواص نے غزالہ کو میرا جواب سنایا تو وہ بھی خوش ہو گئی اور ان دونوں نے مجھے ایک چھوٹے کمرے میں چھپا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد منحوس شکل جادوگر آپہنچا۔ خواص نے اُس کے سامنے شراب سے بھری صراحی بھنے کباب اور تازہ پھل رکھے پھر غزالہ نے کمرے میں داخل ہو کر اُسے سلام کیا اور اپنے ہاتھ سے جام میں شراب انڈیل کر اُس کے سیاہ موٹے موٹے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ ذلیل بولا "غزالہ! تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔ دس روز کی بات اور ہے پھر وہ فاصلہ جو میرے اور تمہارے درمیان باقی ہے طے ہو جائے گا" غزالہ نے بناوٹی انداز میں کہا "مگر میں ڈرتی ہوں کہ آپ مجھے بہت ستانے لگے ہیں یہاں محل میں آپ کی راہ دیکھا کروں گی اور آپ مزے میں طلسم کدے کو زینت بخش رہے ہوں گے"۔

معنی: نیست ونابود: ہستی سے مٹا دیا۔ غارت کر دیا۔

جادوگر نے ٹھہرتے ہوئے کہا "نہیں غزالہ! اس وقت جہاں میں رہونگا وہیں تم ہوگی، اچھا! میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں دو روز کے لئے ایران جا رہا ہوں وہاں سے قالین اور تمہارے شوق کا سامان بھی لاؤنگا اور اپنے استاد اعظم جادوگر کو شادی میں شرکت کے لئے ساتھ لے کر آؤں گا"۔

غزالہ بولی: "آپ کا جانا کیا ضروری ہے کسی اور کو بھیج دیجئے"۔ اس نے جواب دیا: "نہیں غزالہ! استاد مکرم اس وقت تک نہیں آئیں گے جب تک میں ان کی خدمت میں حاضری نہیں دونگا۔ فکر کی کیا بات ہے دو ہی دن میں تو واپس آجاؤنگا"۔ غزالہ نے گلدستے سے ایک پھول توڑ کر اسے دیا "یہ میری یاد تازہ رکھے گا"۔

جادوگر چلا گیا تو غزالہ نے خدا کا شکر ادا کیا اور خواص سے کہا کہ محل کے تمام دروازے کھڑکیاں اور روشندان بند کر دو۔ پھر اس نے مجھے کمرے سے باہر نکالا اور کہنے لگی "اب آپ کھانا کھا کر سو جایئے صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل بھاگیں گے وہ منحوس تو دو روز کے بعد واپس آئے گا اور ہم دو دن میں نجانے کہاں سے کہاں پہنچ جائینگے"۔

غرض وہ رات گذار کر صبح سویرے ہم تینوں محل سے نکل بھاگے اور خواص کے بتائے راستہ پر چل دیئے خواص کا کہنا تھا کہ محل سے بیس میل کے فاصلے تک جادوگر نقصان پہنچا سکتا ہے اسکے بعد وہ کچھ نہیں کر سکتا اسی لئے ہم بغیر آرام کئے چلتے رہے۔ دوسرے دن ہم تقریباً تیس میل کے فاصلے پر پہنچ گئے اور اب ہم ایک کھلے میدان میں آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔

ہمیں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ پریزادوں کا ایک غول آیا اور غزالہ اور اسکی خواص کو زبردستی اڑا کر لے بھاگا۔ میں زمین پر ان کے تعاقب میں ازحد بھاگا مگر ان کی رفتار کو کہاں پہنچ سکتا تھا وہ میری نظروں سے غائب ہوگئے اور میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ مجھے جب ہوش آیا تو میری ہیئت بدلی ہوئی تھی اور میں ایک

کبوتر بنا ہوا تھا، ایک مدت کے بعد آج اپنی اصلی شکل میں آتا ہوں"۔

گلنار بولی: "آپ نے بڑے صدمات اٹھائے ہیں، خدا رحم کرے" پھر اُس نے تقی دلدار کو بھی مہمان خانے میں بھیج دیا اور خود عیار شہبار کے پاس چلی گئی تاکہ اُسے تسلی دے کر اُس کا دل بہلانے کی کوشش کرے بڑھیا ساگا ساتی نے اگلے دن پھر ایک کبوتر کی ہیئت بدلی تو وہ بھی زین المجہان نہ تھا بلکہ ذابلبان کے ایک سوداگر کا لڑکا نورِ عالم تھا۔ اُس نے گلنار کے دریافت کرنے پر اپنا حال بیان کرنا شروع کیا: "مجھے شکار کا شوق تھا اور میں اکثر اپنے دوستوں کے ہمراہ شکار پر جاتا تھا۔ ایک روز ہمیں شکار نہ ملا اور ہم پریشان پھرتے رہے۔ آخر مایوس ہو کر واپسی کا ارادہ کیا تو میری نظر ایک خوبصورت ہرن پر پڑ گئی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اپنا گھوڑا اُس کے پیچھے ڈال دیا۔ ہرن چوکڑیاں بھرنے لگا لیکن میرا گھوڑا بھی بے حد تیز رفتار تھا اور دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ دوڑتے دوڑتے میرے ساتھی بہت پیچھے رہ گئے اور ہرن ایک باغ میں داخل ہو گیا میں بھی اسکے پیچھے پیچھے باغ میں گیا لیکن وہاں ہرن نظر نہیں آیا البتہ سامنے دالان میں مسندِ زرنگار پر بیٹھی ایک خوبصورت دوشیزہ نظر آئی۔ اس کے اردگرد اس کی خواصیں اور کنیزیں بنی سنوری بڑی سج دھج سے کھڑی تھیں۔ مجھے کنیزوں نے روکا لیکن دوشیزہ نے فوراً ہی انہیں آواز دی: "ہماری اجازت کے بغیر کیوں روکتی ہو۔ آنے دو"۔ اب مجھے اور بھی حوصلہ ہو گیا اور میں اس کے مسند کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے ایک شانِ دلربائی کیساتھ پوچھا "تم اس باغ میں کیسے داخل ہوئے تھے؟" میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو وہ ہنس کر بولی: "جنگل میں سینکڑوں لوگ آتے ہیں لیکن ہمارے باغ کا راستہ کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ ہمارا دشمن ایک جن ہے جو ہرن بن کر لوگوں کو اس طرف لانے کی کوشش کرتا ہے مگر سب ہی تھوڑی دور تک تعاقب کرنے کے بعد لوٹ جاتے ہیں۔ یہ تم پہلے شخص ہو جو اسکے پیچھے پیچھے باغ میں آ گئے ہو" میں نے پوچھا: "وہ ہرن کہاں ہے؟" اس نے جواب دیا: "باغ میں داخل ہوتے ہی وہ سانپ بن جاتا ہے اور اپنے بل میں جا بیٹھتا ہے" پھر اس نے کنیز سے کہا: "اس سانپ کے بل پر بھاری پتھر رکھ دو اور اس کے اردگرد آگ روشن کر دو تاکہ وہ کوئی اور شرارت نہ کر سکے"۔

اِس دوشیزہ کا نام تھا "گیتی آرا" اور وہ ایک عرصہ سے خوبرو نوجوان کی تلاش میں تھی خدا کی قدرت کہ میں ایک بہانے سے وہاں پہنچ گیا اور وہ مجھے دل دے بیٹھی۔ رات میں نے اُسی کے ساتھ گذاری اور صبح ہوتے ہی ہم دونوں ہوا خوری کے لئے باہر نکلے۔ ایک گھوڑے پر وہ سوار ہوئی اور دوسرے پر میں۔ ہم دونوں گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے چلے جا رہے تھے کہ ایک جگہ پہنچ کر دونوں گھوڑے بگڑ گئے اور دونوں مختلف سمتوں میں چل دیئے روکنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر بے سود گیتی آرا اب مجھ سے دور جا چکی تھی۔ میرا گھوڑا دوڑتا رہا اور ایک تالاب کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے باگ کھینچی مگر وہ دوڑتا رہا اور تالاب میں گر پڑا۔ میں تو بے ہوش ہی ہو گیا اور جب

ہوش میں آیا تو میں ایک میدان میں پڑا ہوا تھا گھوڑے کا کہیں نام نہ تھا میں اٹھنا چاہتا تھا کہ ہیئت بدل گئی اور میں ایک کبوتر بن گیا۔ اس وقت سے سرگرداں و پریشان تھا کہ آج مشکل دور ہوئی"۔

گلنار نے اُسے بھی مہمان خانے میں بھیج دیا اور بڑھیا ساگا ساتی سے کہنے لگی "تم ہر روز ایک کبوتر کی ہیئت بدلا کرو اور اُسے مہمان خانے میں بھیج دیا کرو۔ اگر ان میں زین الجہاں ہو تو مجھے بتا دینا۔ اب روز روز ان کے قصے سُنتا نے کا رہے۔ جسے دیکھئے۔ عورت پر فریفتہ۔ جسے دیکھئے محبت کا مارا۔

ساگا ساتی نے کہا: "کمال تو یہ ہے کہ ان مردوں کو روزگار کی فکر نہ اپنے گھر کا خیال، ایک عورت کو دیکھتے ہی دین کے رہے نہ دُنیا کے۔ اگر ان میں سے کوئی ہرن بن گیا کوئی کبوتر بن گیا تو ان پر افسوس نہیں کرنا چاہیئے چونکہ یہ فضول لوگ ہیں اور دھرتی پر بوجھ ہیں"۔ گلنار مسکراتی چلی گئی۔

دوسرے دن ایک کبوتر کی ہیئت بدلی تو وہ ممتاز مسعود تھا جو اب درویش بنا ہوا تھا۔ تیسرے دن مشتاق نذر درویش چوتھے دن صلاح الدین درویش، پانچویں دن وہ درویش جس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا لیکن اُسے بیٹوں سے شکایت تھی اور چھٹے دن زین الجہاں مل گیا۔ ساگا ساتی خوشی سے بے حال تھی۔ وہ دوڑتی بھاگتی گلنار کے پاس گئی اور کہنے لگی: "بیٹی! آج تمہارے من کی مراد بر آئی۔ وہ شہزادہ تمہارا اور عیار شہباز کا انتظار کر رہا ہے"۔ گلنار بہت خوش ہوئی اور عیار شہباز کو ساتھ لے کر فوراً ہی اس کے پاس گئی۔ عیار شہباز اُسے لپٹ گیا اور اس کی بغل میں ہاتھ ڈال کر محل میں لے گیا۔ گلنار نے اسی وقت دسترخوان چُنوایا۔ لذیذ اور مرغن کھانے رکھے گئے اور تینوں نے ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا۔

گلنار نے اس خوشی میں رات کے وقت محفلِ رقص و موسیقی منعقد کی اور صبح تک خوب جشن منایا گیا۔ صبح کے ناشتہ کے بعد زین الجہاں نے چار درویشوں کے ملنے کا ذکر کیا اور ان کے حالات بیان کئے۔ جنہیں سُن کر گلنار کہنے لگی کہ ان درویشوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے واقعی بے چارے مصیبت کے مارے ہیں۔ ان سے پہلے تین کبوتروں کی ہیئت بدلی تو معلوم ہوا ان میں سے صرف تقی دلدار نامی نوجوان قابلِ رحم ہے چونکہ ایک جزیرے سے اُس کی بیوی غائب ہو گئی تھی باقی دو تو میرے خیال میں دیوانے ہیں، وہ پریوں پر عاشق ہوئے ہیں اور انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں بھلا پریاں بھی کسی آدم زاد کے گھر میں رہی ہیں۔ بے وقوف لوگ ہیں"۔

شہزادہ زین الجہاں نے کہا "یہ تو ممکن ہو سکتا ہے کہ پریوں نے اپنا دل بہلانے کیلئے چند روز اپنے پاس رکھ لیا ہو مگر یہ غلط ہے کہ وہ ان کے ساتھ بیاہ کر کے ان کا گھر بسانا بھی چاہتی ہوں۔ آدم زاد اور پری زاد کا کبھی میل نہیں ہوا"۔ گلنار معنی خیز نگاہوں سے اُسے دیکھ کر زیرِ لب مسکرانے لگی۔

زین الجہاں بولا: "اب مجھے اپنی مہم پر روانہ ہونا چاہیئے چونکہ ٹھوکریں کھاتے ایک زمانہ گذر گیا ہے۔"

گلنار نے کہا: "ایک طلسمات سے گذر کر دوسرے طلسمات میں خنجر طلسم شکن آپ کو ملے گا لیکن اس تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔" زین بولا: "اب تک کیا کم مشکلات پیش آئی ہیں اگر زندگی ہے اور خدا کا فضل شریک حال ہے تو ان دو طلسمات پر بھی فتح حاصل ہوگی۔"

گلنار نے کہا: "جادوگروں نے کاغذ کی بے شمار تصویریں بنا رکھی ہیں وہ اپنے خاص عمل کے ذریعہ انہیں ہوا میں اُڑا دیتے ہیں اور یہ تصویریں حقیقی دیو بن کر آدمیوں کو ڈراتی ہیں لہٰذا یاد رکھئے جب بھی آپ کے سامنے دیو آئیں آپ یقین کر لیجئے کہ وہ کاغذی تصویروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ اگر کسی جگہ آپ کو پری ملے تو اُسے بھی جادو کا عمل سمجھئے۔" زین نے پوچھا: "کیا مطلب۔ یہاں پریاں نہیں ہیں؟" اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "جن اور دیوؤں کا مسکن کوہ قاف ہے اور اسی علاقہ میں پرستان ہے جہاں پریزاد رہتے ہیں۔ اور یہ سب طلسمات ہے جسے ہزاروں جادوگروں نے بنا رکھا ہے۔ اس میں جن، دیو اور پریوں کا ہرگز نہیں ہیں ہے اور اگر کسی کو کہیں پری مل جاتی ہے تو وہ حقیقت میں کاغذ کی تصویر ہوتی ہے۔"

زین الجہاں نے عیار شہباز کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا: "دوست! کیا ارادہ ہے۔ تم تو میرا خیال ہے ضرور میرے ہمراہ چلو گے؟" گلنار کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہوئے اور وہ عیار شہباز کو اشارہ کر کے اُسے کہنا چاہتی تھی کہ وہ ساتھ دینے سے انکار کر دے لیکن اُس کے اشارے سے پہلے ہی عیار شہباز بول اُٹھا: "کیوں نہیں! میں نے ہی تو آپ سے کہا تھا کہ سفر میں ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں۔ اب آپ کو تنہا کیسے جانے دوں گا۔"

زین الجہاں نے گلنار سے کہا: "حقیقت ہے کہ سفر میں ایک سے دو ہوں تو بہت اچھا رہتا ہے اگر یہ شہباز میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں کبوتر کی شکل میں کہیں بھٹکتا پھر رہا ہوتا۔"

غرض دونوں نے طے کر لیا کہ صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔ اس فیصلے سے گلنار بہت پریشان تھی چونکہ وہ عیار شہباز پر دل و جان سے فریفتہ تھی اور اسے ایک لمحے کے لئے بھی اُسکی جدائی گوارا نہ تھی، وہ بہت پریشان ہو گئی۔ آخر اُس نے کپڑے کی ایک ٹوپی اور تانبے کی ایک مشعل جو ڈیڑھ بالشت سے زیادہ بڑی نہ تھی اُسے دیتے ہوئے کہا: "اس ٹوپی کو سر پہ رکھتے ہی تم سب کی نظروں سے غائب ہو جاؤ گے اور جب طلسمی دیو تم پر حملہ آور ہوں تو اس مشعل کو جلا لینا، اس کی روشنی اور اس کے دھوئیں کے اثر سے وہ دیو جل کر راکھ ہو جائیں گے۔" عیار شہباز نے دونوں چیزوں کو اپنے پاس رکھ لیا اور وہ تینوں اپنے اپنے بستروں میں لیٹ گئے۔" شاہ افروز بخت نے مسکراتے ہوئے کہا: "بستر کا ذکر سنتے ہی ہمیں بھی بستر یاد آ گیا اب کیوں نہ کل تک کے لئے مجلس کو برخواست کر دیا جائے۔" طوطا بولا: "آپ نے تو دل لگی کہی ہے۔"

گیارہویں شب

یہ گیارہویں شب ہے — !

طوطا قصہ بیان کر رہا ہے حاضرین خاموش ہیں مینا چپ ہے شاہ افروز بخت کی نگاہیں اسکے چہرے پر جمی ہیں اور کان اس کی آواز پر لگے ہیں۔ وہ کہہ رہا ہے — گلنار کی آنکھوں میں آنسو اور لب پر دعائیں تھیں۔ عیار شہباز اور شہزادہ زین الجہان دونوں چلے جا رہے تھے شہباز ہر دس یا پانچ قدم کا فاصلہ طے کرنیکے بعد مڑ کر دیکھتا اور ہاتھ کے اشارے سے گلنار کو تسلی دیتا جاتا تھا۔ اسی طرح تھوڑی دیر کے بعد وہ بہت دور چلے گئے۔ اب گلنار شہباز کو اور شہباز گلنار کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ دونوں دشت و بیابان کی خاک چھانتے ڈیڑھ ہفتے کے بعد ایک پختہ اور خوشنما قلعہ کے سامنے پہنچ گئے۔ شہباز بولا "یہ نظر کا فریب تو نہیں؟" زین الجہان نے کہا "اس قلعے کے دروازے پر نہ دربان ہیں نہ نگہبان ہیں لیکن اس قلعہ میں داخل ہوئے بغیر آگے جانا ممکن بھی نہیں۔ خدا کا نام لیکر قدم بڑھاؤ جو ہوگا دیکھا جائیگا۔" اور وہ دونوں اس قلعہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اسکے ایوان، دالان سب ویران ہیں ایسے غیر آباد قلعوں میں چمگادڑوں اور ابابیلوں کے ٹھکانے ہوتے ہیں لیکن یہاں وہ بھی نہیں۔ زین بولا "ہمیں بیرونی دروازے سے باہر نکلنا چاہیئے۔ اس قلعہ میں تو کچھ نہیں رکھا" وہ تیز تیز قدم بڑھاتے صحن میں پہنچے ہی تھے کہ چاروں طرف ایک دھواں پھیلا اور ہیبت ناک دیو بھاری بھاری گرز اٹھائے نمودار ہوئے۔ زین الجہان نے فوراً اسم اعظم پڑھ پڑھ کر چاروں طرف پھونکا تو وہ دیو پھیلے ہوئے دھوئیں میں غائب ہو گئے اور چند لمحوں میں دھواں بھی ہوا میں تحلیل ہو گیا پھر دونوں بیرونی دروازے سے باہر نکلے۔ چند قدم چلتے ہی دیوؤں کی ایک فوج آتی نظر آئی۔ شہباز بولا "دوست! کچھ بھی کہو مگر میں تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جادوگروں نے کاغذی تصویروں کو اپنے عمل کے ذریعہ کس عمدگی اور نفاست کے ساتھ دیوؤں میں تبدیل کیا ہے۔"

زین الجہان نے کہا "واقعی کمال کیا ہے۔ اگر تمہاری محبوبہ گلنار ہمیں یہ راز نہ بتاتی تو ہمیں سخت پریشانی ہوتی دوسرے ایک بات یہ ہے کہ یہ فوج مصنوعی ہے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ صرف ڈرانے کے کام آتے ہیں یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔" شہباز بولا "کیا مطلب! اگر خدانخواستہ انہوں نے نقصان پہنچا دیا تو کیا ہوگا۔"

زین نے کہا "وہ سامنے دیکھو! پہاڑ میں ایک کھوہ نظر آ رہی ہے ہم چل کر اسمیں چھپ جاتے ہیں۔" عیار کہنے لگا "اس میں چھپ کر بیٹھنا عقلمندی نہیں ہے بلکہ ان کی نظروں کے سامنے اس کھوہ میں چلے جاتے ہیں پھر فوراً ہی تم انگلی میں انگوٹھی پہن لینا اور میں سر پہ ٹوپی رکھ لوں گا اسطرح دونوں ان کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اور باہر نکل کر ان کا تماشہ دیکھیں گے۔"

زین الجہان کو یہ تدبیر بہت پسند آئی اور وہ عیار شہباز کے ہمراہ کھوہ میں چلا گیا پھر دونوں نے جلدی جلدی

انگوٹھی اور ٹوپی پہنی اور کھوہ سے باہر نکل کر ایک جانب دوڑنے لگے۔
دیوؤں کی فوج نے ان دونوں کو کھوہ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا، وہ بڑی تیزی کے ساتھ آئی اور بہت سے دیو کھوہ کے ارد گرد کھڑے ہوگئے پھر ایک دیو نے اپنا گرز کھوہ کے بالکل اوپر پہاڑ پر مارا۔ پتھر ریزے ریزے ہو کر اڑ گئے۔ اس نے پھر دوسرا وار کیا اور اس مرتبہ ارد گرد کے پتھر گر پڑے سب دیوؤں نے دیکھا کہ وہ دونوں آدمی کھوہ میں موجود نہیں ہیں تو ان میں سے ایک بولا، پتھروں کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بھی ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہوگئے ہیں اب ان کا کہیں وجود نہیں ہے" اور وہ سب واپس چل دیئے۔ جب وہ بہت دور چلے گئے تو زین نے انگوٹھی اور شہباز نے ٹوپی اتار لی اور دونوں خوب ہنسے عیار شہباز بولا: "دیکھ لیا۔ ان میں بھی غضب کی قوت ہے۔ اگر ہم ان کے قریب جاتے تو ہرگز زندہ نہ بچتے"۔
زین الجہاں نے کہا: "دن میں تو ہم ہوشیار رہیں گے لیکن رات کے وقت کیا ہوگا؟" عیار شہباز بولا "اللہ مالک ہے" وہی دن میں ہمارا محافظ ہے اور وہی رات کی تاریکی میں ہمارا نگہبان"۔
وہ دونوں چلتے رہے اور کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیوؤں کی فوج نے واپس پہنچ کر کہا ہوگا کہ ہم نے دونوں آدم زادوں کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ انہیں چلتے چلتے رات ہوگئی تو انہوں نے آپس میں صلاح ٹھہرائی کہ انگوٹھی اور ٹوپی پہن کر کسی درخت کے نیچے سو جانا چاہیئے اور وہ ایک گھنا درخت دیکھ کر اس کے نیچے لیٹ گئے۔ تکان کے سبب انہیں جلد ہی نیند آگئی اور وہ سو گئے۔
صبح ان کی آنکھ کھلی تو انہیں اپنے قریب ہی بہت سے تیتر پھرتے نظر آئے۔ عیار شہباز نے اشارے سے کہا: "انہیں کیوں نہ پکڑ لیا جائے بھوک بھی لگ رہی ہے بھون کر کھانے میں بڑا لطف آئیگا۔" زین بولا: "خیال نیک ہے۔ چلو پکڑ لیں" اور دونوں نے جا کر انہیں پکڑنے کی کوشش کی تو زین کے ہاتھ دو اور عیار شہباز کے ہاتھ تین تیتر لگے۔ باقی اڑ گئے۔ انہوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر انگوٹھی اور ٹوپی اتاری تو دونوں عالم ظاہری میں آگئے۔ عیار شہباز نے جیسے ہی جیب سے لمبا چاقو نکال کر ایک تیتر کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ کہنے لگا، "خدا کے لئے میری جان بخش دو" عیار بولا "کیا تم بولنا جانتے ہو" تیتر نے کہا: "تم دونوں بھی کوئی جادوگر معلوم ہوتے ہو تم نے جس وقت ہمیں پکڑا تم نظر نہیں آ رہے تھے ورنہ ہم پہلے ہی اڑ جاتے"۔
عیار نے کہا: "میری بات کا جواب نہیں دیا کیا تم بولنا جانتے ہو" تیتر بولا: "اگر ہم بولنا نہ جانتے تو یہ باتیں کس طرح کرتے۔ خیر اب ہمیں چھوڑ دو" عیار نے کہا: "ایسے تیتر بھلا ہمیں کہاں ملیں گے جنہیں قوت گویائی بھی حاصل ہو بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تمہارا گوشت بھی عام تیتر کے مقابلہ میں زیادہ لذیذ ہوگا"۔ اور اس نے پھر اس کی گردن کی جانب چاقو بڑھایا تو تیتر پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے بولا، "ایسا ظلم نہ

گرو! میں بھی تمہاری طرح ایک آدم زاد ہوں۔"

زین الجہاں چونک کر بولا: "کیا کہا آدم زاد ہو پھر تیتر کیسے بنے؟" وہ کہنے لگا: "ہم سب جادوگر ہیں ہم نے اپنے اُستاد قہر آلود جادو کی حکم عدولی کی تو اس نے طلسم کے زور سے ہم سب کو تیتر بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ اُستاد کے طلسم کا توڑ کسی کے پاس نہیں ہے اور اب ہماری زندگی اسی حال میں گزرے گی۔"

زین الجہاں نے کہا: "مجھے خنجر طلسم شکن کی ضرورت ہے اور اسی کی تلاش میں یہاں تک پہنچا ہوں کیا اُسے حاصل کرنے میں تم ہماری رہنمائی کر سکتے ہو۔" عیار شہباز بولا: "اگر تم نے ہمارا ساتھ دیا تو ہم تمہیں مالا مال کر دینگے" تیتر کہنے لگا: "طلسم شکن خنجر حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ہے مگر یہ مشکل حل ہو سکتی ہے یہاں سے مشرق کی جانب تقریباً سات میل کے فاصلہ پر ایک خوشنما باغ ہے اسکے وسط میں نیم کے چار درخت کھڑے ہیں ان کے درمیان تم دیکھو گے کہ زمین کا رنگ سفید ہے اسی جگہ ایک جن مٹکے میں قید ہے وہ ان جادوگروں کا جانی دشمن ہے اگر تم کسی طرح اُس جن کو آزاد کر دو تو وہ تمہاری مدد ضرور کرے گا مگر یہ یاد رکھنا کہ جس وقت تم زمین کھودو گے اُستاد قہر آلود جادو کو فوراً علم ہو جائے گا اور وہ تمہارے خلاف ایک بڑا لشکر روانہ کرے گا۔"

عیار شہباز نے کہا: "اس وقت ہم تمہیں چھوڑ دیں تو پھر تم کہاں ملو گے؟" تیتر بولا: "ہم سب آپ کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں چونکہ آپ نے اگر خنجر حاصل کر لیا تو ہماری ہیئت بھی تبدیل ہو جائیگی۔"

زین الجہاں اور عیار شہباز دونوں نے پانچوں تیتر آزاد کر دیئے اور خود مشرق کی جانب روانہ ہو گئے۔ بھوک سے اُن کا بُرا حال تھا لیکن راستہ میں نہ کوئی میوے دار درخت تھا اور نہ کوئی دوسری چیز نظر آتی تھی۔ اُنہوں نے بڑی مشکل سے سات میل کا فاصلہ طے کیا اور اللہ کا نام لے کر باغ میں داخل ہوئے۔ نیم کے چاروں درخت دُور سے صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے اُنکے پاس پہنچے اور سفید زمین دیکھ کر کہنے لگے: "تیتر نے ہمیں صحیح بات بتائی تھی۔" زین الجہاں بولا: "گلنار نے تمہیں جو مشعل دی تھی میرا خیال ہے تم اُسے جلا کر کھڑے ہو جاؤ اور میں زمین کھود کر مٹکا نکالتا ہوں، اگر طلسمی دیو یا کوئی اور بلا یہاں آئی تو اس مشعل کی روشنی اور اسکے دھوئیں سے جل کر راکھ ہو جائے گی۔" عیار شہباز نے فوراً مشعل کو جلایا اور ان درختوں کے پاس کھڑا ہو گیا پھر زین الجہاں زمین کھودنے لگا۔ اُدھر جادوگروں کو اس بات کا علم ہو گیا اور وہاں سے سینکڑوں دیو آناً فاناً باغ میں پہنچ گئے لیکن مشعل کی روشنی میں آنے کے بعد اُسکا دھواں لگتے ہی جلتے چلے گئے ادھر زین الجہاں نے مٹکا باہر نکالا، اُدھر سارے دیو جو دراصل کاغذ کے تھے جل کر راکھ ہو گئے۔

معنی: ۱؎ حکم کی تعمیل نہ کرنا۔

عیار شہباز نے کہا: "دوست! اسکا سوچ سمجھ کر کھولنا۔ پہلے جن سے وعدہ لینا ضروری ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دیئے بغیر ہم سے جدا نہیں ہوگا"۔ اُسی وقت مٹکے سے مدھم آواز آئی: "مجھے تمہاری شرط قبول ہے۔ مجھے جلدی کھول دو میرے سینہ میں انتقام کی آگ سُلگ رہی ہے"۔ عیار شہباز بولا: "اے جن! ہمیں اُس جن کا قصہ معلوم ہے جو ایک عرصے سے بوتل میں بند تھا۔ ایک غریب مچھیرے نے اُسے کھولا تو وہ جن اس کا دشمن ہوگیا اور اس کی جان لینے پر آمادہ نظر آنے لگا۔ مگر مچھیرے کی عقلمندی سے وہ دوبارہ بوتل میں بند ہوگیا۔ اگر تو نے بھی باہر نکل کر ہمیں آنکھیں دکھائیں تو کیا ہوگا؟"

جن کہنے لگا: "میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پائے تخت کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارا وفادار رہوں گا"۔ شہزادہ زین الجہاں بولا: "اب مجھے یقین ہے کہ جن ہمیں دھوکا نہیں دے گا"۔ اسی وقت تھوڑے فاصلہ پر ایک زبردست دھماکا ہوا جیسے پہاڑ پھٹ گیا ہو اور بڑے بڑے پتھر اُڑتے اور انہیں کی جانب آتے نظر آئے۔ زین الجہاں نے کھڑے ہو کر اسم اعظم پڑھ پڑھ کر اس طرف پھونکنا شروع کیا۔ خدا کی قدرت کہ وہ پتھر واپس ہوگئے۔ چند لمحوں کے بعد تیروں کی بوچھار شروع ہوگئی مگر اسم اعظم کی برکت سے تمام تیر اِدھر اُدھر گرے اور ان میں سے کسی کا ایک تیر بھی نہیں لگا۔ زین الجہاں نے عیار شہباز سے کہا: "جادوگر جوش میں آئے ہوئے ہیں تم مٹکے کو کھولو۔ میں ان کے حملوں کو روکتا ہوں"۔

ایک بہت بڑا اژدھا منہ پھاڑے آتا نظر آیا۔ اُس کے منہ سے سانس کے ساتھ آگ کے زبردست شعلے نکل رہے تھے۔ زین الجہاں نے اسم اعظم پڑھ کر اُس پر پھونکا تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ سمٹ کر ایک بالشت کا رہ گیا۔ زین نے پھر اسم اعظم پڑھا تو وہ خاک میں لوٹ پوٹ کر غائب ہوگیا۔ ادھر عیار شہباز نے مٹکے کا منہ کھول دیا۔ اس میں سے سیاہ دھواں نکلا اور چند ساعت میں وہ جن کی صورت میں نمودار ہو کر وہ جھک کر کہنے لگا: "میرے مہربانو! تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟"

زین بولا: "مجھے خنجر طلسم شکن درکار ہے"۔ جن کہنے لگا: "ارادہ نیک ہے۔ میں خود بھی اسی خنجر کو حاصل کرنے آیا تھا چونکہ ان بدمعاش جادوگروں نے فرضی جن، دیو اور پریاں بنا بنا کر ہمارے پرستان ہی کو نہیں بلکہ کوہ قاف کو بدنام کر رکھا ہے۔ میں خنجر حاصل کر کے ان کے طلسمات کو خاک میں ملانا چاہتا تھا لیکن ان جادوگروں نے ایک فرضی بلکہ طلسمی بوڑھا جن میرے پاس بھیجا۔ اُس نے مجھ کو غلط راہ پر ڈال دیا اور اس کی مدد سے ان بزدل کمینوں نے مجھے قید کر لیا۔ اب تمہارے لئے بھی میرا یہ مشورہ ہے کہ اگر کوئی پری یا آدم زاد تم کو ملے تو اس کو دھتکار دو چونکہ وہ تمہارا خیرخواہ نہیں بلکہ دشمن ہوگا"۔ عیار شہباز نے کہا: "اب ہمیں بتاؤ کہ کس طرف روانہ ہونا چاہیئے؟" جن بولا: "اس مقام سے صرف

معتوب ... ۲ گھڑی۔ فوراً ہی ۳ لعنت ملامت کرنا۔

گیارہ میل دور آخری طلسمات کی حد ہے۔ جادوگروں کا استاد قہر آلود جادو اور طلسمات کے بڑے بڑے سرداروں کا اسی جگہ قیام رہتا ہے۔ ہمیں وہاں چل کر اُن کا مقابلہ کرنا ہے۔"

جن زمین پر اوندھے منہ لیٹ کر کہنے لگا: "تم دونوں میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں لے کر پرواز کرتا ہوں مگر ہوشیار رہنا۔" دونوں اللہ کا نام لیکر اُس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے اور اس کی لمبی چوٹیا مضبوطی سے پکڑ لی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اوپر اُٹھتا چلا گیا۔ جب وہ زمین سے کافی بلندی پر پہنچ گیا تو اُس نے پرواز کی رفتار تیز کر دی۔ اُدھر جادوگروں نے گرد و غبار کا زبردست طوفان اُن کی جانب روانہ کیا۔ جن تو اس طوفان کو نہیں روک سکتا تھا وہ واپس لوٹنے لگا مگر زین الجہاں بولا: "واپس نہ چلو، یہ طوفان ابھی ختم ہو جائے گا۔" پھر وہ اسم اعظم پڑھ پڑھ کر طوفان کی طرف پھونکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے طوفان پلٹ گیا۔ پھر بڑے بڑے گدھ ہزاروں کی تعداد میں آتے نظر آئے۔ جن چلایا: "ہوشیار! یہ گدھ مردار خور[1] ہیں ہم پر ضرور حملہ کریں گے۔" زین الجہاں بولا: "تم اُڑتے رہو یہ گدھ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے" اور اس نے اسم اعظم پڑھ کر پھونکا تو اُن کے پیروں میں آگ لگ گئی اور وہ ایک ایک کر کے زمین پر گرنے لگے۔ جن کہنے لگا: "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم جیسے صاحب کمال لوگوں کا ساتھ نصیب ہوا۔"

غرض بے شمار حملوں کو پسپا کرتے وہ آخری طلسمات میں داخل ہوئے اور ایک سنسان جگہ پر اُتر گئے۔ نیچے اُترتے ہی انہوں نے دیکھا کہ تیتر بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ زین بولا: "خوش آمدید! اگرچہ بہت چھوٹے ہیں مگر بڑی تیز رفتار پائی ہے اب یہ تیتر ہی ہمیں راہ دکھائیں گے۔"

تیتر ان کے پاس اُترتے ہی بولے: "یہی وہ طلسمات ہے جس میں خنجر طلسم شکن موجود ہے۔ یہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک بارہ دری ہے جس میں ہر سنیچر کی رات محفلِ رقص و سرود منعقد ہوتی ہے اس محفل میں تمام جادوگر شرکت کرتے ہیں البتہ قہر آلود جادو یہاں نہیں آتا۔ اس بارہ دری کے نیچے ایک تہ خانہ ہے اور اُس تہ خانے میں سے ایک سرنگ گنبد ہفت رنگ[2] کو جا رہی ہے ہر روز تہ خانے کا دروازہ اندر سے بند رہتا ہے اور اسے کھولنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے یہ دروازہ صرف سنیچر کی رات کو کھولا جاتا ہے اور ایک ہفتہ تک تہ خانے میں رہنے والے جادوگر ناچ رنگ سے دل بہلاتے ہیں۔"

جن بولا: "گنبد ہفت رنگ سے کیا مطلب ہے؟" ایک تیتر نے جواب دیا: "یہ گنبد ہے جس کے نیچے ایک آتش کدہ ہے اور اس میں ہر وقت آگ روشن رہتی ہے اسی آتشکدہ کے درمیان کھڑے ہوئے سیاہ بت کے ہاتھ میں خنجر طلسم شکن ہے اور یہ گنبد چوبیس گھنٹوں میں سات مختلف رنگ بدلتا ہے جس کی وجہ سے اسے گنبد ہفت رنگ کہا جاتا ہے۔"

معنی: (۱) مرے ہوئے کو کھانے والے (۲) سات رنگ والا۔

عیار شہباز بولا "تہہ خانے میں داخل ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔" شہزادہ زین الجہاں کہنے لگا "گھبرانے کی بات نہیں۔ وہ بہت آسان کام ہے۔" جن حیرانی سے شہزادے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "بہت آسان کام ہے! اُس میں تو میں خود بھی داخل نہیں ہو سکا تھا۔" شہزادے نے کہا "فکر نہ کرو۔ میں اُس میں چلا جاؤں گا مگر یہ تو کہو کہ آج بدھ ہے اور تین دن باقی ہیں یہ وقت کہاں اور کیسے گزارا جائے ادھر بھوک اور پیاس سے بُرا حال ہے۔" ایک بیتر کہنے لگا "یہاں سے دائیں جانب تھوڑے ہی فاصلہ پر پہاڑ کے دامن میں ایک خوبصورت محل ہے جو داستان محل کے نام سے مشہور ہے آرام کے لیے اُس سے بہتر جگہ نہیں ملے گی۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی وہاں مل جائیں گی۔" عیار شہباز بولا "چلو پھر وہیں آرام کریں گے" اور وہ سب داستان محل کی طرف چل دیئے۔ راستہ میں انہیں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا اور وہ محل میں داخل ہو گئے۔

یہ محل کچھ زیادہ بڑا نہ تھا۔ چھ کمرے چھوٹے تھے اور درمیان ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کے وسط میں مسہری پر ایک پری چہرے پر دوپٹہ ڈالے گہری نیند سو رہی تھی اور اُس کے سرہانے طلائی تھال میں چاندی کا ایک چراغ رکھا تھا۔ چھت سے دو بالشت نیچے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بُتوں کے سر لٹک رہے تھے اور ان سب کے مُنہ کھلے تھے اور زبانیں باہر نکلی تھیں۔ اسی کمرے کے ایک کونے میں

ایک بونا سر پہ خالی تھال اٹھائے کھڑا تھا اور اس کے قریب ہی طاق میں ایک چراغ رکھا تھا تیتر نے کہا: "اس چراغ کو جلاتے ہی یہ بونا حرکت میں آئے گا اور ہم سب کیلئے کھانا لیکر حاضر ہوگا۔" عیار شہیار نے فوراً طاق میں رکھا ہوا چراغ جلا دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

بونا اپنی گول گول آنکھوں کو مٹکاتا کمرے سے نکل گیا اور دس منٹ کے بعد لوٹ آیا۔ اسکا تھال مختلف کھانوں اور پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک تیتر بولا: "اس کے ہاتھ سے تھال لیجئے بونا اپنی مقررہ جگہ پر کھڑا ہو جائے گا پھر چراغ گل کر دیجئے گا" عیار شہباز نے آگے بڑھ کر تھال ہاتھ میں لے لیا اور بونا کونے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ زین الجہاں نے پھونک مار کر چراغ گل کر دیا۔ پھر سب نے فرش پر بیٹھ کر ایک ساتھ کھانا کھایا اور تھال خالی کر کے بونے کے سر پہ رکھ دیا۔

زین نے تیتر سے پوچھا: "یہ پری کس وقت نیند سے بیدار ہوتی ہے؟" اس نے جواب دیا: "جب کوئی نووارد اس کے رخ سے دوپٹہ ہٹانے کے لئے اسے ہاتھ لگاتا ہے یہ دراصل پری نہیں ایک فریب ہے اس کے بیدار ہوتے ہی گنبد ہفت رنگ کے محافظ جادوگروں کو علم ہو جاتا ہے کہ ان کا کوئی دشمن داستان محل میں داخل ہوا ہے پھر وہ اپنے عمل کے ذریعہ نووارد کو ہلاک کر دیتے ہیں۔"

عیار شہیار بولا: "اس کا مطلب ہے کہ اسے چھیڑنا نہیں چاہیئے۔" تیتر نے کہا: "ہرگز نہیں۔" زین نے پوچھا اس کا نام داستان محل کیوں رکھا گیا ہے؟" تیتر نے کہا: "چھت کے نیچے لٹکے سر باری باری داستان بیان کرتے ہیں اسی کی مناسبت سے یہ نام رکھا گیا ہے۔ اگر آزمانا ہے تو رات کے وقت پری کے سرہانے رکھے چاندی کے چراغ کو جلا دینا مگر پری کو ہرگز ہاتھ نہ لگانا۔" غرض رات ہوئی تو شہزادے نے چاندی کے چراغ کو جلا دیا۔ اسی وقت ان لٹکے سروں سے آوازیں نکلنی شروع ہو گئیں۔

کسی شہر میں دو جواری تھے ایک کا نام گل ضمیر تھا اور دوسرے کا لالہ ہری چند۔ ایک روز گل ضمیر جوئے میں ساری رقم ہار گیا اور وہ اٹھنے لگا تو لالہ ہری چند نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا اور کہنے لگا: "دوست! ابھی تو جائداد باقی ہے۔" گل ضمیر نے کہا: "جائداد تو بیوی کے نام کر چکا ہوں اب اپنے سر کی بازی لگا سکتا ہوں۔ اگر میں ہار جاؤں تو میرے سر کے تم مالک ہو جاؤ گے اور اگر میں جیت گیا تو تم پانچ سو روپے مجھے دے دینا۔" لالہ اس شرط پر راضی ہو گیا اور دونوں پھر جوا کھیلنے لگے اتفاق سے گل ضمیر ہار گیا اور لالہ ہری چند اس کے سر کا مالک بن گیا۔

گل ضمیر نے ایک سرد آہ بھری اور اس سے کہنے لگا: "لالہ جی! مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرا سر ایک دوست کے کام آئے گا۔ اب مہربانی کر کے میرا سر فوراً کاٹ لو۔"

پتلی دال کا کھانے والا سر کٹنے کیلئے نہ جانے کہاں سے آ تا ہے۔ کہنے لگا: "بس بس تم جاؤ۔ یہ سر میری امانت ہے کسی اور کو نہ دینا جب ضرورت ہوگی میں تم سے مانگ لوں گا۔"

گل ضمیر چلا گیا مگر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو کر۔ اُس نے بیوی سے کچھ نہ کہا بلکہ چوری چھپے اُونی شال بازار میں فروخت کر آیا اور جو رقم ملی وہ بیوی کے سپرد کر دی۔ دوسرے دن اس نے سوچا کہ اگر میں ہر روز ایک ایک چیز فروخت کرنے لگا تو گھر کا سارا سامان ٹھکانے لگ جائے گا اس لئے لالہ ہری چند کے پاس چلنا چاہیئے۔ اور وہ اُٹھ کر لالہ کے پاس گیا۔ اس نے پوچھا: "کیا پھر جُوا کھیلنے آئے ہو؟" ضمیر بولا: "نہیں لالہ تمہارا یہ سر کھانے کیلئے مانگتا ہے۔ بیوی بچوں کو دینے کے لئے رقم طلب کرتا ہے میں اس کی ضرورتیں پوری کرنے کے قابل نہیں رہا اس لئے تم ہی اس کی مدد کرو۔" لالہ نے کہا: "یہ عجیب بات ہے خیر! میں دو روپے دے دیتا ہوں" ضمیر بولا: "نہیں لالہ! یہ پانچ روپے سے کم ہرگز قبول نہیں کرے گا۔" آخر لالہ نے پانچ روپے دے دیئے۔ ضمیر گل اگلے دن پھر اسی طرح پہنچ گیا اور پانچ روپے لے آیا۔ لالہ بہت پریشان ہوا کہ یہ کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ آخر تیسرے دن اس نے صاف انکار کر دیا کہ اب میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گا۔ گل ضمیر کو بہت غصہ آیا اور اُس نے شور و غل مچا کر لوگوں کو جمع کر لیا اور ان سے کہا: "بھائیو! یہ سر اس کی امانت ہے اور یہ مجھ سے مختلف ضرورتوں کے لئے روپیہ طلب کرتا ہے اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ میں اس کی خواہش کیوں پوری کروں۔ لالہ سے روپیہ مانگتا ہوں تو یہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ آپ ہی سمجھائیے کہ یا تو یہ سر قلم کر کے اپنے پاس رکھ لے یا رقم دے۔" لوگوں نے لالہ سے کہا: "لالہ جی! بات تو ٹھیک ہے یا تو ابھی سر کاٹ کر اپنے پاس رکھ لو یا اسے خرچ کے لئے ہر روز کچھ نہ کچھ رقم دیتے رہو۔" سر قلم کرنے کی تو اس میں ہمت اور جرأت نہ تھی لہٰذا اس نے چار روپیہ یومیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس طرح ایک مہینہ گذر گیا۔ آخر اس نے اپنے ایک دوست کو سارا حال سنایا اور اس سے کہا: "بھیا! تم ہی کوئی راستہ بتاؤ جو اس مصیبت سے نجات حاصل ہو ورنہ یہ کمبخت تو میری ساری دولت چٹ کر جائے گا۔" اُس کا دوست جرنجی داس بولا: "آج جس وقت وہ روپے لینے آئے تو اُس سے کہنا کہ میں نے اپنا سر آج سے اسکے حوالے کیا لہٰذا اب میرے پاس ہرگز نہ آنا۔ یہی سر کا مالک ہے اور اسی کو اب اختیار ہے کہ جو چاہے سو کرے۔"

گل ضمیر وقت مقررہ پر لالہ ہری چند کے پاس آیا اور روپے مانگنے لگا تو لالہ نے کہا: "دوست! آج میں جوئے میں اپنا سر ہار بیٹھا ہوں لہٰذا اب اُس پر میرا کوئی اختیار باقی نہیں رہا ہے بلکہ اسکا مالک آج سے جرنجی داس ہے اور اب اس کی مرضی ہے کہ تم کو روپے دے یا نہ دے۔"

گل ضمیر بولا: "بہت بہتر لالہ جی! جیسی آپ کی مرضی"۔ چرنجی داس نے کہا: "لالہ ہری چند نے تو یہ سر تمہارے پاس بطور امانت چھوڑ رکھا تھا لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، بلکہ تم سے لے کر اپنے پاس رکھوں گا"۔ گل ضمیر نے کہا: "آپ کی چیز ہے اسے جہاں چاہے رکھیں مگر اس کی آج کی خواہش پہلے پوری کریں یہ کہتا ہے کہ مجھے ایک ہزار روپیہ درکار ہے"۔ چرنجی داس بولا: "یہ بکواس ہے"۔ اس نے کہا: "بکواس نہیں حقیقت ہے اس خواہش کو پورا کرنے کے بعد کل سے آپ کو اختیار ہوگا کہ اس کی خواہش کو رد کریں یا نہ کریں"۔ چرنجی داس نے لالہ ہری چند سے ایک ہزار روپیہ لیکر اس کے سپرد کیا پھر فوراً ہی تیز دھار کا چاقو نکال کر بولا: "میں اپنی چیز اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا ہوں، تم یہاں لیٹ جاؤ میں پہلے آنکھیں نکالوں گا پھر ناک اور کان کاٹ لوں گا"۔ گل ضمیر نے کہا: "میں ایک ایک چیز تو ہارا نہیں تھا جو تم ایک ایک عضو کاٹنا چاہتے ہو"۔ چرنجی داس بولا: "یہ سر میری ملکیت ہے لہٰذا جس طرح میری مرضی ہوگی اسے کاٹوں گا"۔ گل ضمیر نے کہا: "نہیں لالہ! نہ تم آنکھ نکال سکتے ہو نہ کان اور ناک کاٹ سکتے ہو"۔ لالہ ہری چند بولا: "یہ تو کچھ عجیب آدمی ہے اسے قاضی کے پاس کیوں نہ لے چلیں"۔ پھر وہ اسے پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے گئے اور تینوں نے علیحدہ علیحدہ بیان قلمبند کرائے

قاضی نے کہا: "آنکھ کان ناک ہونٹ کاٹنے کی شرط کسی کے بیان سے ظاہر نہیں ہوتی البتہ سر کی بازی اس نے ہاری ہے قانون کی رو سے سر کا مالک لالہ ہری چند ہے وہ لے سکتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ سر لینے میں اس کی جان نہیں جانی چاہیئے ورنہ جان لینے والا پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا جائے گا"۔

لالہ ہری چند اور اس کا دوست لالہ چرنجی داس حیرانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے، قاضی نے کہا: "اب کیا سوچ رہے ہو تمہیں علم ہونا چاہیئے کہ جان کا بدلہ جان اور خون کا بدلہ خون ہے۔ عدالت خون بہانے یا دوسرے آدمی کی جان لینے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اب یہاں سے چلے جاؤ"۔

عدالت سے نکل کر گل ضمیر بہت خوش تھا اور وہ دونوں رو رہے تھے، لالہ ہری چند مرتے دم تک جیتے ہوئے سر کی خواہشات پوری کرتا رہا۔ دوستو! شرط لگانا برا ہے جو بات زبان سے نکالو سوچ سمجھ کر جو کام کرو۔ غور و فکر کے بعد۔ بلا سوچے سمجھے بات کرنے والا اور انجام پر غور کئے بغیر کسی کام کا کرنے والا پچھتاتا ہے روتا ہے نقصان اٹھاتا ہے اور دنیا اس پر ہنستی ہے۔

عیار شہبا نے چراغ گل کر دیا اور کہنے لگا: "واہ صاحب! یہ گل ضمیر تو بادولت پر بھی سبقت لے گیا"۔ سب ہنسنے لگے پھر رات بسر کرنے کے لئے فرش پر بچھے قالین پر لیٹ گئے۔

سنیچر کی شب تک یہ سب اسی داستان محل میں رہے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔

معنی: لہ قبضہ۔ ٢ لہ بیان درج کرانا ٣ لہ بازی لے گیا۔

سینچر کی شام جن بولا: "اب بارہ دری میں کس طرح داخل ہونا چاہیئے۔" شہزادہ زین الجہاں اور عیّار دونوں نے کہا، "ہم دونوں جادوگروں کی نظروں سے پوشیدہ نیچے پہنچ جائیں گے اور سُرنگ میں کھلنے والے راستہ کو بند کر دیں گے۔ تم اوپر رہ کر ان سب کو سنبھالنے کی کوشش کرنا۔" تیتر بولے: "گنبد ہفت رنگ میں صرف قہر آلود جادو ملے گا، اس کے گلے میں موٹے موٹے دانوں کا ایک ہار پڑا ہوا ہے پہلے اس ہار کو توڑنے کی کوشش کرنا، اس کے بعد اُس کے تخت پر دائیں جانب پیتل کا ایک مور ہے اُسے اکھاڑ کر آگ میں پھینک دینا اور سات بار آگ پر تھوک دینا۔ آگ اسی وقت سرد پڑ جائے گی پھر بُت پر چڑھ کر خنجر اپنے قبضہ میں کر لینا، اس خنجر کی یہ صفت[۱] ہے کہ اس کی نوک جس چیز کو لگائی جاتی ہے اس پر کیا ہوا جادو فوراً زائل[۲] ہو جاتا ہے اسی لیے اس خنجر کا خنجر طلسم شکن کا نام دیا گیا ہے۔ آگ سرد پڑتے ہی یہ طلسمات اور طلسم زدہ چیزیں اپنی اصلی حالت پر آ جائیں گی۔"

شہزادہ زین الجہاں اور عیّار شہباز ان سے رخصت ہو کر داستان محل سے باہر نکلے اور بارہ دری کی جانب روانہ ہوئے جن اور سارے تیتر محل میں ہی ٹھہر گئے۔ بارہ دری روشنی سے خوب جگمگا رہی تھی اور وہاں بڑی چہل پہل تھی البتہ شراب کی بُو نے فضا کو مکدّر[۳] کر رکھا تھا۔ عیّار شہباز نے سر پہ ٹوپی رکھ لی اور شہزادہ زین الجہاں نے انگلی میں انگوٹھی پہن لی۔ وہ دونوں اُسی لمحہ سب کی نظروں سے اوجھل ہو گئے

بارہ دری میں تمام جادوگر پہنچ چکے تھے شراب کی بوتلیں کھُلی تھیں کھانے کی چیزیں دسترخوان پر سجی تھیں اور حسین لڑکیاں رقص کے لیئے ایک جانب بیٹھی آپس میں اٹکھیلیاں کر رہی تھیں، دونوں دست بستہ تانے بارہ دری میں داخل ہوئے اور ہر چیز پر نظر ڈالتے تہ خانے میں اُتر گئے۔ اس وقت جادوگر چونکے تو سہی لیکن انہیں نظر کچھ نہ آیا۔ اور وہ وہم سمجھ کر اپنے شغل میں مصروف رہے۔ تہ خانے میں اُترتے ہی انہوں نے بارہ دری اور تہ خانے کے درمیانی راستہ کو آہستہ اور بڑی احتیاط سے بند کر دیا پھر تیز تیز قدم اٹھاتے سُرنگ کی راہ گنبد ہفت رنگ کی جانب چل دیئے۔

قہر آلود جادو کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بارہ دری میں سارے با کمال جادوگروں کی موجودگی میں انکے دشمن تہ خانے میں داخل ہو سکتے ہیں وہ تخت پر بے فکر بیٹھا شراب پینے میں مشغول تھا۔ دونوں دبے پاؤں اُسکی پُشت[۴] پر پہنچے عیّار شہباز نے پیتل کا مور اُٹھا کر آگ میں پھینکا اور سات مرتبہ تھوکا۔ اُسی لمحہ میں زین الجہاں نے اس کے گلے میں پڑا ہار ایک جھٹکے میں توڑ کر پھینک دیا۔ قہر آلود چلایا، "ہائے مر گیا، یہ کیا آفت ہے، یہ کونسی بلا ہے۔ کمبختو! دوڑو۔ بھاگو۔ تمہاری دنیا تباہ ہونے کو ہے۔"

آتش کدہ سرد پڑ گیا اور زین الجہاں دوڑ کر بُت پر چڑھ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خنجر نکال کر نیچے

معنی: ۱ خوبی، خاصیت ۲ ختم ہو جانا ۳ دھندلا، گندہ ۴ پیٹھ کی ۵

اُتر آیا اور انگوٹھی ہاتھ سے اُتارتے ہوئے عیار شہباز کو پکارا "دوست! ٹوپی اُتار لو" اُس نے بھی ٹوپی اُتار لی۔ دونوں کی صورتیں دیکھ کر قہر آلود کی آنکھیں خون برسانے لگیں مگر خنجر زین کے ہاتھ میں دیکھ کر اُس کے اوسان خطا ہوئے اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دونوں دوستوں نے اس کی مشکیں باندھ دیں اور کپڑوں کے سوا جو چیز بھی تھی اسے توڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ پھر سرنگ سے نکل کر تہ خانے میں آئے اور دروازہ کھول کر بارہ دری میں جا پہنچے۔ منحوس جادوگر سر پکڑے بیٹھے رو رہے تھے اور جن اپنے ساتھ ایک مختصر فوج لئے انہیں بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ دونوں کو دیکھتے ہی فوج کے ہر آدمی نے ان کا شکر ادا کیا اور جن کہنے لگا: "یہ وہ لوگ ہیں جو تیتر کی شکل میں ہمارے ساتھ تھے۔" عیار شہباز نے ان سب کو ہیئت بدل جانے پر مبارکباد دی۔ زین الجہان نے خنجر طلسم شکن بارہ دری کی دیوار پر لگایا تو بارہ دری غائب ہو گئی اور ایک میدان نظر آنے لگا۔ جن بولا: "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اب ہمیں واپس چلنا چاہیئے۔" زین کہنے لگا "دوست! اب ہمیں گلنار کے پاس پہنچا۔ وہاں غریب انتظار کر رہی ہوگی۔" جن نے سب کو اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور ہوا میں پرواز کرتا گلنار کے پاس پہنچا۔ وہاں اب بھی نہ محل تھا نہ حوض اور نہ باغ۔ ایک لق و دق میدان تھا جس میں گلنار، اُس کی بہن، چاروں درویش، سوداگر اور وہ لوگ کھڑے تھے جو میدانِ طلسم میں ہرن کی صورتوں میں دن گذار رہے تھے۔ ان سب نے دونوں کو مبارکباد پیش کی۔ البتہ گلزار کچھ پشیمان تھی اور نگاہیں نیچی کئے کھڑی تھی۔ زین الجہان بولا: "آپ کس سوچ میں ہیں آپ بھی تو کچھ فرمایئے۔" گلزار کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ کہنے لگی "میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک[2] نہیں کیا تھا۔" زین ہنس کر بولا "ایسا ہی ہوتا ہے افسوس کرنے کی کوئی بات نہیں۔ وہ قوت جو تم نے اپنے والد سے حاصل کی تھی اب زائل ہو چکی ہے۔"

زین الجہان کے تصور میں پری نور قمر تھی جس نے اُس کو انگوٹھی دی تھی اور خنجر طلسم شکن کا راز بتایا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لینے کے بعد اب جلد از جلد واپس پہنچ کر اُسے اپنانا چاہتا تھا اس لئے وہ گلنار اور عیار شہباز سے کہنے لگا: "مجھے آپ لوگ اجازت دیجئے اور آپ سب اپنے اپنے وطن کو روانہ ہو جائیں البتہ پندرہ دن کے بعد مجھ سے ملاقات کیلئے میرے پاس ضرور تشریف لائیں" پھر اس نے ان سب کو اپنا پتہ بتایا اور جن کی پیٹھ پر سوار ہو کر جنگل کی طرف چل دیا۔ اُسی جنگل کی جانب جس میں وہ کنواں تھا جہاں اُسے پری نور قمر ملی تھی۔ جنگل میں پہنچ کر اُس نے جن کا شکریہ ادا کر کے اُسے رخصت کر دیا اور کنویں کو تلاش کرنے لگا۔ کنویں کے اردگرد جو چیزیں اُسکے ذہن میں بطور نشانی محفوظ تھیں اپنی اپنی جگہ نظر آ رہی تھیں لیکن کنویں کا نام و نشان نہ تھا۔ اس نے سارا جنگل چھان مارا مگر کنواں کہیں نظر

نہ آیا۔ آخر وہ پریشان ہو کر محل کی طرف چل دیا۔

اُس کے جانے کے بعد اس کے والدین بے چین ہو گئے تھے جگہ جگہ اسکو تلاش کیا جا رہا تھا اب شہزادہ جیسے ہی اچانک پہنچا وہ خوش ہو گئے اور سب نے باری باری اُسے گلے سے لگایا اور اسکا حال پوچھنے لگے۔ شہزادے نے اصل واقعہ تو نہیں بیان کیا البتہ جھوٹ سچ بول کر انہیں تسلی دے دی۔ دوسرے دن اُس نے ملازم طلبوس کو بلا کر اس سے کہا: "طلبوس! تمہیں یاد ہے کہ جب ہم شکار کھیلنے گئے تھے تو تم نے ایک کنوئیں سے ہمیں پانی لا کر دیا تھا پھر تم نے ہمیں رسّی کے ذریعہ اس کنوئیں میں اتارا بھی تھا۔"

طلبوس بولا: "جی شہزادے میاں! مجھے یاد ہے۔" شہزادے نے کہا: "ہم نے یہاں آتے ہوئے اس کنوئیں کو بہت تلاش کیا لیکن وہ ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔ تم جا کر دیکھو کہ وہ کنواں کس طرف ہے پھر ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔" طلبوس آداب بجا لا کر اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور جنگل کی طرف چلا گیا۔

طلبوس نے شام کے وقت واپس آ کر عرض کی: "عالی جاہ! کنواں اب وہاں نہیں ہے میں نے جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کنوئیں کو کسی نے بھر دیا ہے۔" شہزادہ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ خنجر طلسم شکن جس کی خاطر حاصل کیا تھا وہی نہ رہی تو اب خنجر کس کام آئے گا۔ اسے خیال آتا کہ وہ مجھے دھوکا تو نہیں دے گی۔ وہ ایسی بے مروّت نہیں ہو سکتی۔

دو ہفتے کے بعد عیار شہباز اور گلنار دونوں اُس سے ملاقات کرنے آئے تو اُس نے ان کا شاندار استقبال کیا اور اپنے ہی محل میں ٹھہرایا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ ان دونوں نے بیاہ کر لیا ہے اس خبر سے شہزادے کو اور بھی خوشی ہوئی اور وہ کہنے لگا: "گلزار کہاں ہے؟" عیار بولا: "وہ حضور کو دل دے کر پچھتا رہی ہے دن رات آنسو بہاتی ہے اور یہ کہہ کہہ کر نادم ہوتی ہے کہ میں نے زین الجہاں کے ساتھ اچھا سلوک کیوں نہیں کیا تھا۔" شہزادے نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا "وہ درویش کہاں گئے؟" عیار شہباز نے جواب دیا: "ان سب کی مُرادیں بر آئی ہیں آپ فکر نہ کریں۔ اب تمام لوگ خوش ہیں۔ ہم نے دو ہفتے اسی خدمت میں گذارے ہیں۔" شہزادہ ان دونوں کی خوب خاطر تواضع کرتا اور زیادہ وقت ان کے ساتھ گفتگو کرنے میں گذارتا اسی طرح ایک مہینہ گذر گیا۔

مینا بولی: "افسوس! زین الجہاں کی محبوبہ اُسے نہ مل سکی۔" طوطا کہنے لگا: "اگر نہیں ملی تو نہ سہی ہم اور تم ماتم کیوں کریں۔ چل کر آرام سے سو کیوں نہ جائیں۔" مینا نے کہا: "واقعی نر کا دل پتھر کا ہوتا ہے۔" طوطا بولا: "کیا کہنے ہیں گویا تمہارا دل تو موم کا بنا ہے۔" شاہ افروز نے اٹھتے ہوئے کہا: "اس وقت جھگڑا اچھا نہیں۔ اب آرام کرو۔" اور مجلس برخواست ہو گئی ٭

بارھویں ۱۲ شب

آج بارھویں شب ہے!
خدا کے فضل و کرم سے شاہ افروز بخت اب بالکل صحت مند ہیں اور کل غسلِ صحت بھی کر رہے ہیں۔

سارے شہر میں چراغاں کیا جائے گا اور معمولی جرائم کے سزا یافتہ قیدیوں کو رہا کیا جائے گا اور وہ قیدی جنہیں سزائے موت کا حکم سُنایا گیا تھا اور کل کا دن انہیں موت کی آغوش میں سُلانے کیلئے مقرر ہے اس خوشی میں ان کی سزا عمر قید میں تبدیل کر دی جائے گی۔"

طوطا خاموش ہے اور کسی گہری سوچ میں ہے البتہ مینا خوش ہے۔ شاہ افروز بخت نے دونوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا، شہزادہ زین الجہاں کا قصہ سُن کر مجھے صحت حاصل ہو گئی ہے اب دل چاہتا ہے کہ ایسا قصہ سُنا جائے جس سے طبیعت خوش ہو۔ طوطا بولا "بظاہر ہے عنوان رنگین و دلکش ۲ کہانی مگر دردِ انجام ہوگی۔" شاہ افروز بخت نے کہا، "نہیں نہیں میاں طوطے! ایسی کہانی نہ سناؤ، کوئی دلچسپ واقعہ یا کوئی رنگین داستان بیان کرو۔" طوطا بولا، "رہے ہم عمر بھر خیالوں میں گم سُم، یہی واقعہ ہے یہی داستان ہے۔"

شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا، "بی مینا! طوطے میاں تو آج رنجیدہ ہیں شاید کسی بھولی بسری بات نے انہیں پریشان کر رکھا ہے تم ہی کوئی قصہ چھیڑ دو۔" مینا کہنے لگی، "طوطے میاں کیسے سُنائیں ہائے

دُور چراغ دل سے ہوا سیاہ نصیب
جو کچھ تھا لُٹ گیا اور حاصل نہیں رہا (۱؎ اظہر)

طوطا بولا، "بدذات! پھر تیری چونچ کھُلنے لگی۔" مینا نے کہا، "سلطان عالم پناہ! عرض ہے کہ ایک نوجوان بنیا تھا لالہ سکھ لال، اُس کی سُسرال تقریباً بارہ میل دُور تھی ایک روز اُس نے وہاں جانے کا ارادہ کیا اور نائی کو بُلوا کر بولا، "تجھے ہمارے ساتھ ہماری سُسرال تک چلنا ہوگا" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا، "مائی باپ! ان دنوں بیاہ شادی کا زور ہے گھر گھر شہنائی بج رہی ہے اور یہی دن میری کمائی کے ہیں اسلئے مجھے معاف کر دیجئے۔"

لالہ سکھ لال بولا: "اگر تجھے جانے سے انکار ہے تو وہ روپیہ جو ہم نے تجھے بیاہ کے موقع پر دیا تھا فوراً واپس کر دے، آخر ہم بھی تو اسی امید پر انعام دیتے رہتے ہیں کہ تو ہمارے وقت پر کام آئے گا۔"

نائی روپ چند کہنے لگا: "ایک شرط پر چلتا ہوں آپ کو جو کام لینا منظور ہو ایک وقت میں بتانا ہوگا اور رات کو جو سوال کروں اس کا جواب دے کر آپ سوئیں گے اگر ان باتوں کی خلاف ورزی کی تو میں راستہ ہی سے لوٹ آؤں گا۔" بنیا سُکھ لال بولا، "یہ تو معمولی بات ہے۔ جاؤ حقہ لے آؤ۔"

نائی روپ چند گھر جا کر حقہ اٹھا لایا اور بنیا گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اب وہ گھوڑے پر اور نائی پا پیادہ

۱؎ مینا کا نصیب (؟) روشنی کرنا۔ بہت سے چراغوں کا جلانا ۲؎ ہدایات کے مطابق عمل نہ کرنا ۳؎ پیدل۔

دونوں روانہ ہوئے۔ صبح سے شام تک چلتے رہے سورج غروب ہونے سے پہلے بنیا گھوڑے سے اُتر کر بولا: "گھوڑے کی زین کھول، اس کے آگے دانہ ڈال، لکڑیاں چن کر لا۔ آگ جلا، کھانا خود پکاؤں گا۔ کھا کر ٹانگیں دبا، حقہ تازہ کرکے چلم پلا پھر صبح ہی میرے ہمراہ چل"۔

نائی نے کہا: "بہت اچھا حضور" اور سب کام کر کے جب بستر میں پہنچے تو نائی بولا: "اب میرے سوال کا جواب دیجیے"۔ بنیا کہنے لگا: "بے وقوف! سارا دن کی تکان اوپر سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اب سوال کرنے کا کیا وقت ہے"۔ نائی بولا: "میری شرط تو یہی ہے اگر آپ جواب دینے پر راضی نہیں ہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں"۔ بنیا بہت پریشان ہوا۔ آخر مجبور ہو کر بولا: "سوال کر ہم اُس کا جواب دیں گے، عجیب بے وقوف سے پالا پڑا ہے"۔ نائی نے سوال کیا: "کہتے ہیں کہ بعض خواب سچے ہوتے ہیں اگر یہ حقیقت ہے تو کوئی مثال بیان کیجیے اور اگر غلط ہے تو میں ثابت کرتا ہوں کہ نہیں یہ حقیقت ہے"۔

بنیا کہنے لگا: "یہ حقیقت ہے کہ بعض خواب سچے ہوتے ہیں ملک شام کے شہزادے رضی میر نے خواب میں دیکھا کہ وہ سیر کرتا ایک خوشنما باغ میں داخل ہوا، پھلوں اور میووں سے لدے سینکڑوں درخت خوش رنگ پھول، خوش الحان پرندے، دلکش فوارے اور حوض غرض ایک عجب بہار تھی وہ چاروں طرف دیکھتا ایک گوشہ میں پہنچا تو اُسے اپنی آنکھوں پر دھوکا ہونے لگا اور وہ سوچنے لگا کہ یا الٰہی حُور جنت کو چھوڑ کر زمین پر کیسے چلی آئی۔ ایک حسین دوشیزہ شاندار مسہری پر سو رہی تھی اور اُس کے اُجلے چہرے سیاہ زلف پڑی تھی اسے دیکھ کر وہ زیر لب کہنے لگا ؎

عرق آلود چہرہ پر یہ کیسی زلف چھائی ہے ٭ گویا ناگن چمن میں پینے کو شبنم آئی ہے

وہ چاہتا تھا کہ جھک کر اُس کا مُنہ چوم لے —— مگر —— بُرا ہو قسمت کا۔ اُسی وقت آنکھ کھل گئی اور وہ پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا مگر وہاں کیا تھا محل کا ایک شاندار کمرہ۔ نہ باغ تھا نہ وہاں جنت کی حُور۔ وہ اُس کے خیال میں دیوانہ ہو گیا۔ نہ کسی سے بات کرتا نہ کچھ کھاتا پیتا نہ کہیں جاتا۔ علاج کے لئے شاہی طبیب ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔ دل بہلانے کے لئے ہر طرح کا سامان موجود رہتا مگر ؎ مریض عشق پہ رحمت خدا کی ٭ مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی۔

آخر وزیر زادہ شاہد کمال اُسے بہلا پھسلا کر سیر و سیاحت پر لے گیا اسکا خیال تھا کہ دوسرے شہروں کی سیر کرنے سے اسکے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا لیکن دو شہروں میں گھومنے کے بعد اسکی وحشت کم نہ ہوئی پھر وہ تیسرے شہر کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جنگل تھا اس سے گذرتے ہوئے انہیں ایک خوبصورت باغ نظر آیا اور وہ اس میں داخل ہوئے۔ شہزادہ رضی میر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہنے لگا: اِس باغ میں تو میں آ چکا ہوں

لیکن یہ یاد نہیں کہ کب آیا تھا" پھر اُس نے دیکھا کہ ایک طرف سے ایک گھوڑا گاڑی آئی اور حوض کے پاس ٹھہر گئی دوسری جانب سے چار پانچ حسین لڑکیاں آپس میں ہنستی بولتی آتی دکھائی دیں۔ ان میں جو سب سے آگے تھی اُس کی خوبصورتی اور نزاکت، معاذاللہ! شاہد کمال مبہوت بن کر رہ گیا اور شہزادہ بولا: "یہ وہی تو ہے دوست! وہی ہے جس کو دیکھ کر میں دل اور دماغ کھو بیٹھا ہوں" ادھر وہ سب شوخ و شنگ لڑکیاں گاڑی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئیں۔ رضی میر وزیر زادے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا: "دوست! وہ چلی گئی۔ سامنے آ کر۔ جلوہ دکھا کر چلی گئی۔ میں دیکھتا رہ گیا۔ میں نے ہائے اس سے کچھ بھی نہ کہا اور وہ چلی گئی۔ ہائے میرے ارمانوں کو ٹھکرا کر چلی گئی"۔

شاہد کمال بولا: "فکر نہ کرو۔ ممکن ہے قریب کے شہر میں رہتی ہو۔ وہاں چل کر معلوم کرتے ہیں" پھر وہ دونوں شہر کی جانب روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے رات ہو گئی اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو بازار بند ہو چکے تھے۔ ہر جانب تاریکی چھائی تھی وہ پوچھتے پوچھتے ایک سرائے میں پہنچے اور ایک کوٹھری کرائے پر لے کر ٹھہر گئے۔ بھٹیارہ بہت ہوشیار تھا مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد ان کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں بنانے لگا۔ باتوں باتوں میں شاہد کمال نے اُس حسین دوشیزہ کا ذکر چھیڑ دیا جس کے فراق میں رضا میر دیوانہ ہوا تھا۔ بھٹیارے نے انہیں بتایا کہ وہ ہمارے بادشاہ احمد نظام کی بیٹی ہے اور شہزادی ہما کے نام سے مشہور ہے جنگل میں احمد نظام کی شکارگاہ کے نزدیک ہی اُس نے باغ نوار لگا رکھا ہے جہاں وہ ہر جمعہ کو سہ پہر سے مغرب تک اپنی ہمجولیوں کے ہمراہ سیر کرتی ہے"۔

شہزادہ رضا میر اور وزیر زادہ شاہد کمال دونوں نے آپس میں صلاح کی اور صبح ہوتے ہی بادشاہ احمد نظام کے وزیر میر جعفر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ اُسے سُنا کر کہنے لگے کہ آپ ہماری مدد کیجئے اور بادشاہ کو منا لیجئے۔ وزیر میر جعفر جہاندیدہ اور عقلمند آدمی تھا۔ وہ کہنے لگا: "وہ لڑکی دیکھنے میں بے حد حسین ہے لیکن حقیقت میں وہ کوئی بلا ہے یہاں رات ہوتے ہی اُسے ایک کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ خواہ وہ چیخے چلائے یا روئے لیکن کمرہ ہرگز نہ کھولا جائے۔ وہ اکثر شہزادوں اور بہادر نوجوانوں کے خواب میں پہنچ کر اپنے حسن کا جلوہ دکھاتی ہے اور وہ بھاگے چلے آتے ہیں۔ دو مہینے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک شہزادہ سے بیاہ کر دیا گیا۔ صبح ہوتے ہی شہزادہ کمرے سے باہر نکلا اور کہنے لگا کہ میں اس آفت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا دن میں یہ جتنی حسین ہے رات کو اتنی ہی بدصورت ہو جاتی ہے اور وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا"۔

وزیر کی زبانی یہ حال سُن کر رضا میر کے سر سے عشق کا بھوت اُتر گیا اور وہ یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ

معنی: ۱؎ تمنا۔ حسرت۔ آرزو۔ ۲؎ جدائی میں۔ ۳؎ دنیا دیکھے ہوئے۔ تجربہ کار۔

میری جان اتنی سستی نہیں ہے۔" میر جعفر کی یہ عادت تھی کہ وہ بادشاہ یا شہزادی کے بارے میں کوئی غلط بات کسی سے کہتا تو فوراً بادشاہ کے گوش گذار[۱] کر دیتا۔ اس عادت کے موافق اس نے یہ بات بھی بادشاہ سے بیان کی۔ احمد نظام بولا: "اے وزیر! ہمیں اپنی شہزادی کے لئے اچھے رشتہ کی ضرورت تھی تم نے اس شہزادے کو ہمارے پاس کیوں نہیں بھیجا؟"

وزیر نے جواب دیا: "سلطان عالم پناہ! نیک اور سمجھدار نوجوان اپنا رشتہ نہ خود تلاش کرتے ہیں اور نہ طے کرتے ہیں۔ ان کے رشتہ کی ذمہ داری اُن کے والدین پر عائد ہوتی ہے لہٰذا اگر یہ رشتہ پسند تھا تو اُسے لازم تھا کہ وہ اپنے والدین کو راضی کر لیتا۔ گستاخی معاف! اگر کوئی نوجوان اپنا رشتہ خود طے کرنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب ہم یہ لیتے ہیں کہ اس نے لڑکی اور اس کے والدین کی توہین کی ہے اور لڑکی کو دکان پر سجا ہوا مال سمجھا ہے۔" بادشاہ نے اس جواب سے خوش ہو کر وزیر کو انعام دیا۔

نائی بولا: "لالہ جی! آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ اِس قصہ کو سُن کر ساری تکان دُور ہو گئی۔" بنیا کہنے لگا: "ایک پہر رات تو گذر گئی صبح پھر سفر کرنا ہے اس لئے اب باتیں بنانے کی بجائے سو رہو۔"

صبح ہوتے ہی بنیا سُکھ لال گھوڑے پر سوار ہوا اور نائی حقہ اٹھا کر بولا: "چلئے مائی باپ" اور وہ دونوں اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ شام تک صرف چار میل کا فاصلہ طے کیا اور پھر رات گذارنے کیلئے ایک جگہ ٹھہر گئے۔ بنیئے نے پہلے دن کی طرح پھر سارے کام ایک ہی وقت میں بتائے اور وہ غریب انہیں انجام دیتا رہا۔ رات ہو گئی تو بستر میں لیٹ کر نائی کہنے لگا: "آج کا سوال یہ ہے لالہ جی! کہ بیوی شادی کے بعد اپنے میکہ بار بار جائے اور ہر بار ایک ایک دو دو مہینے گذار کر آئے تو اس سے کیا مطلب لیا جائے؟"

بنیئے نے جواب دینے کی بجائے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور کچھ سوچنے لگا۔ نائی بولا: "کیا نیند آ گئی لالہ جی؟" بنیا کہنے لگا: "نیند تو نہیں آئی البتہ یہ سوچ رہا ہوں کہ تو نے کیسی بیوقوفی کا سوال کیا ہے آخر نائی ہے نا۔ بدھو! ہر عورت کا مزاج اور ہر عورت کے حالات یکساں[۲] نہیں ہوتے کوئی عورت بار بار اپنے میکہ اس لئے جاتی ہے کہ اس کے شوہر کی آمدنی تو کم ہوتی ہے لیکن وہ بہتر اچھا لباس اور اچھا رہن سہن چاہتی ہے بار بار میکہ جا کر وہاں اس خواہش کو پورا کرتی ہے ادھر شوہر کما کما کر رقم بچاتا ہے تا کہ جب بیوی واپس آئے تو اسے صبح شام ترتھے ملیں وہ اپنا من پسند کپڑا خرید لے اور آرام اُٹھائے۔

کوئی عورت اس لئے بار بار جاتی ہے کہ میکہ میں اُس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی لیکن شوہر قدم قدم پر اسے مختلف باتوں کا پابند بنانا چاہتا ہے لہٰذا ہر وقت آپس میں نوک جھونک[۳] رہنے سے وہ گھبرا کر بھاگتی ہے اور سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر شادی کے بعد جو سکون شوہر کے پاس مل سکتا ہے وہ میکہ میں نہیں ملتا

معنی: ۱؎ کان میں ڈال دینا ۲؎ ایک جیسے ۳؎ چھیڑ چھاڑ۔

اور کوئی عورت اس لیے بار بار میکے جاتی ہے کہ اُسے اپنا شوہر پسند نہیں ہوتا اور وہ کسی اور سے دل بہلاتی ہے۔ اس قسم کی ایک عورت کا قصہ یاد آیا اب تجھے وہ سُناتا ہوں۔ ایک شہر میں تین دوست تھے پریم کمار، دیوان چند اور بال مکند۔ ایک روز پریم کمار نے دونوں دوستوں سے کہا: "بیوی کو میکے گئے دو مہینے گذر گئے لیکن وہ آنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ میں جا کر لے کیوں نہ آؤں" دونوں دوست بولے: "چلو ہم بھی ساتھ چلتے ہیں سفر خوب گذرے گا" پریم کمار بولا: "چلو پھر اسی وقت چلتے ہیں" اور وہ تینوں روانہ ہو گئے شام کے بعد وہ اس شہر میں پہنچ گئے جہاں پریم کمار کی سُسرال تھی دیوان چند اور بال مکند اس سے بولے کہ بھائی تمہارا خسر مالدار ہے اور اُس کا مزاج بھی اونچا ہے اس لیے ہم دونوں تو کہیں اور ٹھہریں گے تم اپنی سُسرال میں جا کر رہو۔ کل صبح یہاں چوک میں ملاقات کر لینا" پریم کمار بیوی بھی بہت عرصہ کے بعد سُسرال جا رہا تھا اس نے دوستوں کو ہمراہ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور وہ ان سے رخصت ہو کر چل دیا۔

دیوان چند اور بال مکند چلے جا رہے تھے کہ راہ میں ایک شراب خانہ دیکھ کر دیوان بولا: "بھائی! میں تو یہاں ٹھہروں گا چونکہ شراب پیے بہت دن گذر گئے ہیں" بال مکند اسے چھوڑ کر آگے چلا تو اس کی نظر ایک بالاخانے کی کھڑکی میں کھڑی خوبصورت عورت پر پڑی۔ عورت نے اُسے اشارہ کیا اور وہ اوپر چلا گیا۔

وہ ایک طوائف تھی اور گاہک کے انتظار ہی میں کھڑی تھی بال مکند کی اس نے پارہ الائچی سے خاطر کی پھر بوڑھی نائکہ کو بلا کر کہنے لگی: صاحب سے روپے لیکر شراب منگاؤ۔" بال مکند نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالکر روپے نکالے اور بغیر گنے بوڑھی نائکہ کو دیدیئے۔ وہ دوڑتی بھاگتی خود ہی شراب خانے میں گئی۔ اُسے دیکھ کر شراب خانہ کا مالک ہیرا لال بولا: "آج بڑی مدت کے بعد قسمت جاگی ہے۔" نائکہ نے کہا: "پنچھی پھنسا تو ہے لیکن کچھ دے جائے تو معلوم ہو گا کہ قسمت جاگی ہے یا نہیں" ہیرا لال بولا: "وہ کیسے جانے دیتی ہے" اور اس نے دو بوتلیں شراب کی اُسکے حوالے کر دیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی واپس چلی گئی تو دیوان چند جو شراب خانہ میں پہلے ہی سے بیٹھا تھا ہیرا لال سے کہنے لگا: "بڑی بی سے کیا راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں"؟

وہ بولا: "دوست! اس بازار میں صرف ایک ستمگر عورت ہے منی دیوی۔ وہ ایسے ویسے گاہک پر تو ہاتھ بھی نہیں ڈالتی۔ ہاں جب کوئی گانٹھ کا پورا اُس کے کوٹھے پر پہنچ جاتا ہے تو وہ اپنی دلربا اداؤں سے اُسے گھائل کر کے خوب شراب پلاتی ہے اور جب وہ نشہ سے چور مدہوش ہو جاتا ہے تو وہ اس کی جیبیں خالی کر لیتی ہے اور بیہوشی کی دوا سنگھا کر اسکو قتل کر دیتی ہے پھر یہ بڑھیا اسکے بدن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ایک خالی بوری میں بھرتی اور رات کے آخری پہر میں دریا پر لے جا کر بہا دیتی ہے۔"

دیوان چند یہ بات سُن کر سوچنے لگا کہ اس ڈائن کے کوٹھے پر کہیں میرا دوست بال مکند تو نہیں چلا گیا اگر

معنی: ۱؎ وہ بازار جس کے چار راستے ہوں ٹمہ گشتی۔ طوائفوں کا سودا کرنے والی عورت ۳؎ چھپے کی باتیں ۴؎ ظالم۔

اُس کو قتل کر دیا تو سُراغ بھی نہیں ملے گا۔ یہ سوچ کر وہ اس طوائف منی دیوی کے بالاخانہ پر گیا اور صحن میں ایک طرف چھپ کو بیٹھ گیا۔ منی دیوی نے بالمکند کو خوب شراب پلائی۔ تھوڑی دیر میں وہ بیہوش ہو گیا تو منی دیوی نے صندوق کھول کر ایک خنجر نکالا اور بالمکند کی بائیں جانب کھڑے ہو کر اُسکے سینہ پر وار کرنا چاہتی ہے کہ دیوان میاں سے تلوار نکال کر اندر گیا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ منی دیوی کی گردن اڑا بیٹھا اُسی وقت منی کا دلّہ جوہری مل شراب پئے اندر داخل ہوا اور منی کا قتل دیکھ کر رونے لگا۔ پھر اس نے شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لیا ان سب نے ساری رات پہرہ دیا اور صبح ہوتے ہی دیوان چند اور بالمکند کو پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے گئے۔

اُدھر پریم کمار یکایک اپنی سُسرال میں پہنچا تو سب حیران رہ گئے۔ سب نے اُس کی خوب آؤ بھگت کی۔ جب سونے کے لئے وہ اس کمرے میں گیا جہاں اسکی بیوی سوتی تھی تو اس کی بیوی شانتا کہنے لگی: "اس کمرے میں سونے کی بجائے اوپر کی منزل میں بستر کرتی ہوں" مگر پریم کمار نہ مانا اور اُس نے اِسی کمرے میں سونے کیلئے اصرار کیا۔ آخر شانتا خاموش ہو گئی اور دونوں تھوڑی دیر باتیں کر کے سو گئے۔

رات کو کمرے میں آہٹ ہوئی تو پریم کمار کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ باہر کی جانب کھلنے والی کھڑکی کے پٹ کھلے ہیں اور ایک بدشکل لحیم شحیم آدمی کھڑا ہے اور اشارے سے شانتا کو بُلا رہا ہے اور شانتا اُسے واپس چلے جانے پر زور دینے لگی۔ اُسے غصہ آ گیا اور اس نے اپنے موٹے اور بھدے ہاتھوں سے اُس کا گلا اس زور سے دبایا کہ اُس کی جان نکل گئی اور وہ بے دم ہو کر فرش پر گر پڑی۔ پھر وہ بدشکل آدمی برابر کی کوٹھری میں داخل ہوا تو پریم کمار نہایت پھرتی کے ساتھ بستر سے نکلا اور اس نے کوٹھری کے کواڑ بند کر کے باہر سے زنجیر لگا دی۔ بدشکل آدمی چلاتا رہا۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ شور و غل سُنکر سارا گھر جمع ہو گیا اور سب شانتا کی موت پر رونے لگے۔ کسی نے کہا "چور آ کر مار گئے" کسی نے کہا: "پریم کمار ہی اس کا قاتل ہے" غرض اُسے پکڑ کر رسیوں میں جکڑ کر اور صبح ہوتے ہی قاضی کی عدالت میں پیش کیا۔

دیوان چند اور بالمکند نے رات کا سارا واقعہ سُنایا تو قاضی نے سپاہی روانہ کر کے شراب خانے کے مالک ہیرا لال اور بوڑھی نائکہ کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے سچ سچ سارے واقعات اور منی دیوی کے گذشتہ حالات بیان کر دیئے جنہیں سُن کر دونوں دوستوں کو رہا کر دیا گیا اور بوڑھی نائکہ اور دلّہ کو سزا دی گئی۔ پھر پریم کمار نے رات کا واقعہ بیان کیا اور قاضی سے بولا: "وہ مجرم کوٹھری میں بند ہے اُسے بُلوا کر دریافت کیجئے کہ وہ کون شخص ہے اور اس نے میری بیوی کی جان کیوں لی؟"

قاضی نے فوراً ہی اُسے طلب کر لیا۔ اُس نے بتایا کہ میرے اور شانتا کے بہت پہلے سے تعلقات تھے

معنی: لے جُدا کسی بات کے کرنے پر زور دینا۔

جب اس کے ماں باپ نے اس کا رشتہ طے کیا تو میں نے اسے مشورہ دیا کہ تم میرے ساتھ بھاگ چلو مگر کہنے لگی کہ بھاگنے کے بعد میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی صورت دیکھنے کو بھی ترس جاؤں گی اس لئے تم میرا بیاہ ہونے دو میں یہاں آتی رہوں گی اور تم اپنا دل ٹھنڈا کرتے رہنا۔ بیاہ کے بعد وہ ایک ایک دو دو مہینے کے لئے آتی اور میں ہر رات اس کے کمرے میں آکر رات گزارتا۔ گذشتہ شب میں آیا تو اسے غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر مجھے غصہ آگیا۔ اس نے کہا تھا کہ یہ میرا شوہر ہے لیکن میں اسے بہانہ سمجھا اور میں نے دل میں کہا کہ جو عورت بیاہ کے بعد اپنے شوہر کی نہیں ہو سکتی تو وہ تیری کیسے ہو سکتی ہے ایسی بے وفا اور کمینی عورت کو قتل کرنا ہی بہتر ہے لہٰذا میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔

قاضی نے اسے سخت سست کہا اور اس کے لئے سزائے موت کا حکم سنا کر پریم کمار کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ وہ سلام کر کے عدالت سے باہر آگیا اور پھر تینوں دوست واپس روانہ ہوئے۔"

نائی بولا "ہاں مائی باپ! ایسی کمینی اور نفس پرست بیویوں سے رام پناہ میں رکھے۔" لالہ سکھ لال نے کہا "کل کا سفر اور رہ گیا ہے پرسوں دوپہر کے وقت ہم منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

نائی کہنے لگا: "کاش آپ کی سسرال چھتیس ۳۶ میل دور ہوتی اس طرح تو قصے سن لیتا" لالہ نے کہا: "اب خاموش ہو کر سو جا۔ بک بک کرتے آدھی رات گزار دیتا ہے۔"

دونوں سو رہے۔ صبح اٹھ کر نائی نے آگ سلگائی اور لالہ سکھ دیال نے ناشتہ تیار کیا پھر دونوں کھا پی کر سفر کے لئے تیار ہوئے۔ بنیا گھوڑے پر سوار ہوا اور نائی حقہ اٹھا کر ساتھ چلا۔ بنیا کہنے لگا: "تجھے ساتھ لا کر غلطی کی۔ اگر میں تنہا ہوتا تو ایک ہی دن میں بارہ میل کا سفر طے کر کے پہنچ بھی جاتا مگر تیرے

ساتھ صبح سے شام تک صرف چار میل کا راستہ طے ہوتا ہے۔" نائی مسکراتے ہوئے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ لالہ جی! آئندہ تو ساتھ نہیں لاؤ گے۔

شام کے کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ بستر میں لیٹے تو نائی نے سوال کیا۔ "لالہ جی! دوستی ہو تو ایسی ہو ورنہ سب جھمیلا ہے، اس پر کوئی قصہ تو سناؤ" لالہ سکھ لال نے جواب میں کہا، "کیا بات کہی ہے تو نے، واہ واہ! لے سن۔ ہمارے گاؤں میں دو نوجوان تھے مہندر اور رام سروپ، دونوں دوست تھے۔ ہر کام ایک دوسرے کی صلاح سے کرتے اور ہمیشہ ساتھ رہتے۔ ایک صبح کا ذکر ہے کہ گاؤں والوں نے رام سروپ کے گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مکھیا نے دروازے پر دستک دی۔ اس وقت رام سروپ گہری نیند سو رہا تھا، آواز سنکر وہ اٹھا تو اس نے اپنے مکان کا دروازہ کھولا۔ مکھیا بولا "تم نے رات زمیندار کے گھر چوری کی ہے" اس نے جواب دیا "یہ بات بالکل غلط ہے۔ میں تو سر شام سے گھر میں ہوں" مگر وہ نہ مانے اور اس کے گھر کی تلاشی لینے لگے۔ صحن کے ایک کونے میں مرغیوں کے ڈربے کے پاس بہت سے خالی ٹوکرے رکھے تھے جب انہیں ہٹایا تو چوری کا سارا زیور اور روپیہ برآمد ہو گیا۔ لوگ رام سروپ کی مشکیں باندھ کر سامان سمیت زمیندار کے ہاں لے گئے اس نے فوراً ہی اسے قید کرا دیا۔ دوپہر کے وقت مہندر دوست سے ملنے آیا تو رام سروپ کی بیوی نے رو رو کر سارا واقعہ بیان کیا جسے سنکر اس نے تسلی دی اور کہنے لگا: "بھابی! تم فکر نہ کرو بے گناہ کا رام ہوتا ہے۔"

مہندر اس خیال سے کہ چوروں نے کسی خطرے کو محسوس کرتے ہوئے یہ سامان رام سروپ کے گھر میں چھپایا ہوگا اور یہ سوچ کر کہ موقع ملتے ہی لے بجائیں گے وہ چھوڑ گئے ہیں اور ایک نہ ایک دن لینے ضرور آئیں گے وہ رات ہوتے ہی رام سروپ کے مکان سے تھوڑے فاصلہ پر کالا کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا مگر چور نہیں آئے۔ چار راتیں اس نے اسی طرح گزار دیں آخر پانچویں رات کے آخری پہر میں دو چور آئے۔ ان میں سے ایک باہر کھڑا رہا اور دوسرا دیوار پر چڑھ کر صحن میں کود گیا۔ مہندر کمبل ایک طرف پھینک ہاتھ میں تلوار لئے اس کی طرف دوڑا اور ایک ہی وار میں اسکا کام تمام کر دیا۔ شور سن کر دوسرا چور اندر ہی کہیں چھپ گیا تو مہندر دیوار پر چڑھکر کودا اور اسے تلاش کر کے اس کی مشکیں باندھ لیں اور صبح کوتوال کے پاس لے گیا۔ کوتوال کے پوچھنے پر اس نے اقرار کر لیا کہ اس نے اپنے دوست کیساتھ ملکر چوری کی تھی۔ کوتوال نے رام سروپ کو عزت کیساتھ بری کر دیا اور گاؤں کے تمام لوگوں کو جمع کر کے بتایا کہ اصل چور کون تھا اور مہندر نے پانچ راتیں کڑکتی سردی میں جاگ کر کس بہادری سے ایک چور کو ہلاک اور دوسرے کو گرفتار کیا" اس واقعہ کو سن کر کوتوال بولا "دوستی ہو تو ایسی ہو ورنہ سب جھمیلا ہے۔"

بنیا یہ قصہ سنا کر چپ ہو گیا پھر دونوں سو گئے اور اگلے دن بنیا اپنی سسرال پہنچ گیا۔ چلئے اب ہم سب کو بھی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانا چاہیے۔" مینا کا یہ آخری جملہ سنکر سب ہنستے ہنستے اٹھ گئے اور مجلس برخاست ہو گئی۔

تیرھویں شب

اُور تیرھویں شب ہے!

آج صبح سے محل میں جشن منایا جا رہا تھا چونکہ شاہ افروز نے غسلِ صحت لیا تھا سرِ شام ہی سارے شہر میں چراغاں کیا گیا اور لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق خیرات اور زکوٰۃ دی اور شاہ کیلئے درازیٔ عمر کی دعائیں مانگیں۔ ہر رات مجلس میں شرکت کرنے والے درباریوں، وزیروں اور امیروں نے طوطے اور مینا کے لئے بھی دعائے خیر کی۔ اس وقت تمام اصحاب موجود ہیں۔ اگرچہ سب ہی تکان سے چور ہو رہے ہیں لیکن ہر رات یہاں جمع ہونا اور طوطے میاں کی زبانی قصہ سننا ایک دستور بن گیا ہے اس لئے کسی کو مجال نہیں جو اپنی جگہ سے کھڑا بھی ہو سکے۔ مینا ان سب کے چہروں کو دیکھ کر ان کے دلوں کا حال معلوم کر بیٹھی تھی اسلئے وہ طوطے سے بولی۔ "میاں طوطے! آج تو تھکے ہوئے معلوم دیتے ہو۔"

طوطے نے کہا: "نہیں بی مینا! میں نے کون سے پہاڑ ڈھائے ہیں تھکے ہوئے تو حاضرینِ مجلس ہیں البتہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ جب شاہ افروز بخت کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ دیکھنے والے حیران تھے تو حاتم طائی کی سخاوت کیسی ہوگی۔" مینا نے جواب دیا: "پگلے! یہ سخاوت تو نہیں کہلاتی، سخاوت حاتم ہی کے حصہ میں آئی تھی۔"

شاہ افروز بخت بولا: "میاں طوطے! یہ ہم نے سخاوت نہیں کی تھی بلکہ صحت یاب ہونے کی خوشی میں شہر کے ہر امیر اور غریب کو شریک کیا تھا" پھر وہ مینا سے مخاطب ہو کر بولا: "بی مینا! حاتم کا نام ہم نے بارہا سُنا ہے لیکن اس کے بارے میں ہماری معلومات نہیں ہیں۔" مینا کہنے لگی: "اگر طوطے میاں ناراض نہ ہوں تو بیان کر دوں؟" طوطا بولا: "نہیں بی مینا! آج کا دن ناراض ہونے کا نہیں ہے لیکن یہ خیال رکھنا کہ آج سب تھکے ہوئے ہیں اور یہ مجلس جلد ہی برخواست کرنی ہوگی۔"

مینا کہنے لگی: "میں حاتم کا وہ قصہ تو نہیں سنا رہی کہ اُس نے خوارزم کے شہزادے منیر شامی کی خاطر برزخ سوداگر کی بیٹی حسن بانو کے سات سوال کیسے حل کئے۔ حاتم عرب کے ایک قبیلہ بنی طے کا سردار تھا اور رسول اللہ کے عہد سے کچھ زمانہ قبل پایا جاتا تھا وہ صرف سخی و فیاض ہی نہ تھا بلکہ بڑا بہادر انسان اور خوش گفتار صاحبِ دیوان شاعر بھی تھا۔ اُسے اپنے اسلحہ[1] اور اپنا گھوڑا بہت عزیز تھا لیکن جب قربانی کا وقت آیا تو اُس نے انہیں بھی قربان کر دیا۔ بات یہ تھی کہ ایک سال عرب میں سخت قحط[2] پڑا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ ایک دن خود حاتم کی بیوی "ماریہ بنت عفزاد" نے کہا کہ اس قحط کے دنوں میں میرے گھر میں بھی کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ بچے فاقوں کی تاب نہ لا کر بلک بلک کر رو رہے تھے، ہم انہیں بہلانے پھُسلانے کی کوشش کرتے مگر وہ چپ نہ ہوتے۔ ہم لوگ کئی دن کے فاقے سے تھے اور بھوک کی شدت سے بے حال ہو

معنی: [1] اسلحہ "سلاح" کی جمع ہے۔ لڑائی کے ہتھیار۔ [2] کال۔ گرانی۔ کمی۔

رہتے تھے کہ حاتم کی نظر خیمہ سے باہر صحن کی طرف گئی تو دیکھا کہ کوئی عورت آئی ہے۔ حاتم باہر گیا اور اس کا حال پوچھنے لگا تو وہ بولی "اے حاتم! میرے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں بتاؤ میں کیا کروں" حاتم پہلے تو خاموش کھڑا رہا پھر کہنے لگا "تم فکر نہ کرو جاؤ اور اپنے بچوں کو یہاں لے آؤ" وہ عورت تو لینے دوڑتی چلی گئی اور اس نے چھری اٹھا کر اپنی جان سے زیادہ عزیز گھوڑے کو ذبح کر دیا اور بیوی سے کہا "بیگم تم آگ روشن کر کے گوشت بھوننا شروع کر دو"۔ اسکی بیوی نے فوراً ہی آگ روشن کر کے گوشت بھوننا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد عورت اپنے بچوں کو لے کر آگئی اور سب نے بیٹھ کر خوب گوشت کھایا۔ اسکے بعد حاتم اپنے قبیلے والوں کے پاس گیا اور ایک ایک کے دروازے پر جا کر سب کو جگایا اور کہا کہ جلد آؤ آگ روشن ہے اور گوشت تیار ہے"

اس کی فیاضی کا ایک اور قصہ سنئے۔ ایک بار کسی نے بنی طے پر چڑھائی کر دی اور اس نے اپنے اہلِ قبیلہ کیساتھ ان کا مقابلہ کر کے شکست[1] دے دی لیکن اسی عالم میں دشمن کے سردار نے حاتم سے کہا کہ میرا نیزہ ٹوٹ گیا ہے اپنا نیزہ مجھے دے دو۔ یہ بات سنتے ہی حاتم نے اپنا نیزہ اس کے حوالے کر دیا اور خود نہتا[2] ہو گیا لوگوں نے کہا کہ یہ کیا حماقت کی بات تھی کہ اپنا نیزہ دشمن کے حوالے کر دیا۔ اگر وہ پلٹ پڑتا تو تم کیا کرتے؟

حاتم نے جواب دیا "یہ تم سچ کہتے ہو لیکن اگر کوئی شخص مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے کیوں کر رد کر سکتا ہوں"

حاتم کی بیوی ماریہ اُس کی سخاوت اور فیاضیوں کی وجہ سے سخت نالاں[3] تھی اور سب سے اُس کی شکایت کیا کرتی تھی۔ ایک دن اُس کا چچا زاد بھائی "مالک" اسکے پاس آیا تو وہ اپنا دکھڑا رونے لگی۔ مالک اُس پر پہلے ہی سے فریفتہ تھا اور اُسے اپنا بنانا چاہتا تھا۔ اسوقت موقع غنیمت جان کر اُس نے کہا "ماریہ! حاتم اپنی عادت سے مجبور ہے وہ اسی طرح اپنی دولت لٹاتا رہے گا۔ تم اگر اُسے چھوڑ سکتی ہو تو فوراً چھوڑ دو اور میرا ساتھ اختیار کر لو۔" ماریہ راضی ہو گئی۔ چونکہ جاہلیت کا رواج تھا کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑنا چاہتی تو اپنے خیمہ کے دروازے کا رُخ بدل دیتی۔ چنانچہ حاتم کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔

حاتم رات کے وقت واپس لوٹا تو وہ خیمہ کے دروازے کا رُخ بدلا دیکھ کر سمجھ گیا کہ ماریہ نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ اپنے بچوں سے شکایت کرنے لگا۔ اتفاق سے اُسی وقت پچاس مہمان آگئے۔ ماریہ گھبرائی کہ کیا کرے۔ لونڈی کو اپنے شوہر مالک کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ حاتم کے پچاس مہمان اچانک آگئے ہیں اُن کے کھانے کا انتظام کرو اور جتنا دودھ موجود ہو بھیج دو۔

اس پیغام کو سُن کر مالک نے اپنا سر پیٹ لیا اور لونڈی سے کہا "اپنی مالکن سے کہہ دو کہ یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر میں نے تم کو حاتم سے علیحدہ ہو جانے کا مشورہ دیا تھا اور اب تم وہی عذاب مجھ پر لا رہی ہو۔ بھلا میرے پاس اتنا دودھ اور کھانا کہاں ہے جو پچاس مہمانوں کو کھلاؤں پلاؤں"۔

معنی: [1] ہار [2] خالی ہاتھ [3] فریادی۔ پریشان۔ عاجز۔

ماریہ اس جواب کو سُنکر بے حد مایوس ہوئی اور آخر اس نے لونڈی سے کہا کہ اب تم حاتم کے پاس جاؤ اور اسکو یہ پیغام دو کہ تمہارے پچاس مہمان غلطی سے میرے خیمہ پر آ گئے ہیں لہٰذا ایک اونٹنی بھیج دو تاکہ اُسے ذبح کر کے مہمانوں کی ضیافت کی جائے اور جتنا دودھ ممکن ہو وہ بھی بھیج دو"۔

حاتم ماریہ کا یہ پیام سنتے ہی دو اُونٹنیاں لے کر اسی وقت خیمہ پر پہنچ گیا اور انہیں ذبح کر کے مہمانوں کیلئے گوشت فراہم کیا اور دودھ بھی پینے کے لئے دیا۔ یہ حال دیکھکر ماریہ بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے فوراً ہی مالک سے قطع تعلق کر لیا اور حاتم سے معافی مانگ کر پھر اُسی کے ساتھ رہنے لگی۔

تمام مغربی قبائل جن میں قبیلہ بنی طے بھی شامل تھا رجب کے مہینہ کو بہت متبرک سمجھتے تھے چنانچہ حاتم کا معمول تھا کہ جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو روزانہ دس اونٹ ذبح کر کے لوگوں کی ضیافت کرتا اور دُور دُور سے لوگ آ کر اس دعوت میں شرکت کرتے۔

سردی کے موسم میں جب جاڑے کی شدت ہوتی تو حاتم غلاموں کو حکم دیتا کہ وہ جا بجا آگ روشن کر دیں تاکہ اُسے دیکھکر بھولے بھٹکے مسافر آ جائیں اور اس کے مہمان ہو کر چند دن اسکے پاس بسر کریں۔

حاتم کی سخاوت اور فیاضی کا عالم دیکھ کر ایک شاعر نے کہا تھا کہ حاتم جب تک زندہ ہے سخاوت بھی زندہ ہے اور جب وہ نہ رہے گا تو دنیا سخاوت کا ماتم کرے گی"۔

جب رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تو حاتم کا انتقال ہو چکا تھا لیکن اُس کی فیاضی کا گھر گھر چرچا تھا حاتم کا بیٹا عدی ایمان نہ لایا تھا اور مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا اس لئے رسول اللہ صلعم نے حضرت علیؓ کو بنی طے کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا تھا لیکن عدی تو اپنے بال بچوں کو لیکر شام چلا گیا اور اسکے قبیلے کے بہت سے لوگ گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے جن میں حاتم کی بیٹی "سفانہ" بھی شامل تھی۔ جب یہ لوگ رسول اللہ کے حضور میں پیش ہوئے تو سفانہ نے عرض کی: "میرے والد قوم کے سردار تھے وہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے دوست تھے، وہ لاچار لوگوں کی مدد کرتے تھے بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور بے دست و پا لوگوں کی اعانت انکا معمول تھا۔ اسلئے آپ اگر اس کے قبیلہ والوں کا قصور معاف کر کے آزاد کر دیں تو بڑا کرم ہو"۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے لڑکی! یہ صفات تو خاص مسلمانوں کی ہیں۔ اگر تیرے باپ زندہ ہوتے تو ہم اُن کی بڑی عزت کرتے" اور اس کے بعد "سفانہ" کو آزاد کر دیا لیکن وہ اس پر قانع نہ ہوئی اور اس نے مکرر عرض کی کہ میں جس باپ کی بیٹی ہوں یہ بات اُس کی وضع کے خلاف ہو گی کہ میں آپ کی فیاضی سے تنہا فائدہ اٹھاؤں اور اپنے قبیلہ والوں کو ان ہی کے حال پر چھوڑ دوں"۔

رسول اللہ صلعم نے یہ سُن کر اس کے قبیلہ والوں کو بھی آزاد کر دیا اور اس نے آپکے حق میں جو دعا کی

معنی: ۱؎ اداس ۲؎ مہیا حاصل ۳؎ قابلِ تعظیم، برکت والا ۴؎ رسول کا بھیجا جانا ۵؎ صابر، جبر کرنے والا ۶؎ دو بارہ۔

اُس کو یاد رکھنے کی ہدایت صحابہ کو کی۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد سفانہ اپنے بھائی عدی کے پاس شام گئی اور اُس سے کہا "مناسب یہی ہے کہ آپ رسول اللہ کے پاس جاکر توبہ کیجئے اور ان کی اطاعت قبول کیجئے۔ میں نے جو سچائی ان میں پائی ہے وہ سب پر غالب آئیگی۔ اگر وہ واقعی نبی ہیں تو جتنی جلد ممکن ہو اُن پر ایمان لے آنا مناسب ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو بھی ہماری کوئی بے عزتی نہ ہوگی"۔ آخر کار یہ دونوں بھائی بہن مدینہ آگئے اور رسول اللہ صلعم کے حضور پہنچ کر ایمان لائے۔" مینا خاموش ہوگئی۔ طوطا بولا: "یہ بات ہے۔ جب ہی تو لوگ ایک محاورہ استعمال کرتے ہیں "حاتم کی گور پہ لات مارنا" یعنی مفہوم ہوا کہ حاتم سے بڑھ کر سخاوت کرنا۔ اے مینا! کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے عہد جاہلیت میں عام اخلاقی حیثیت سے چاہے کچھ رہے ہوں لیکن جس حد تک مہمانداری کا تعلق ہے وہ بڑے سیر چشم تھے اور اپنے مہمان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ ہو جاتے تھے حاتم بھی عرب ہی کا باشندہ تھا۔ لیکن اس میں مہماں نوازی کا جذبہ دوسرے لوگوں سے کہیں زیادہ تھا۔"

مینا کہنے لگی: "حاتم تو ایثار و قربانی اور مہماں نوازی کے خاص جذبات لیکر آیا تھا۔ کاش! وہ مسلمان ہوتا۔ مگر اے طوطے! مہماں نواز عربوں میں بخیل لوگوں کی بھی کمی نہ تھی۔ ایک تھا محمد بن یحییٰ۔ وہ بخیل تھا ایک روز اس کے ایک دوست نے کسی غریب محتاج کے بوسیدہ کپڑے دیکھ کر اُسے مشورہ دیا کہ تم محمد بن یحییٰ کے پاس جاؤ، وہ تمہیں کپڑے بنوا دے گا۔" اُس نے جواب دیا کہا: "بہت خوب! اُس کا تو یہ حال ہے کہ اگر حضرت یعقوب بھی اُس کے پاس آئیں اور تمام انبیاء و رُسل کی سفارش حاصل کر کے ایک سوئی اُس سے مانگیں کہ حضرت یوسف کا دامن جو زلیخا کے ہاتھ سے پھٹ گیا ہے سی دیا جائے تو وہ انکار کر دے گا اور سوئی نہیں دے گا۔" مینا چند لمحے خاموش رہ کر کہنے لگی: "سلطان عالم پناہ کی اجازت ہو تو آج کی محفل برخواست کی جائے"۔ شاہ افروز بخت بولا: "اجازت کیا ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ مجلس برخواست کردی جائے اب زندگی رہی تو کل ملاقات ہوگی۔ شب بخیر"۔ اور مجلس برخواست ہوگئی۔

مینا نے حسن بانو اور خوارزم کے شہزادے منیر شادی کا ذکر کیا تھا لیکن تکان کے سبب ساری رات بیدار رہ کر اُن کا قصہ سُننے کی کسی میں ہمت نہ تھی اسلئے حاتم کے بارے میں خاص خاص باتیں کرکے مینا نے مجلس کو برخواست کرنے کا مشورہ دے دیا۔ اہل مجلس بعد میں پچھتائے ہوں گے کہ وہ اس قصہ سے کیوں محروم رہ گئے مگر خدارا آپ تو نہ محروم ہوں۔ غیاث اقبال نے اس مکمل قصہ کو آسان عبارت میں لکھ کر اور بھی دلچسپی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور "امین برادرس کراچی" نے زر کثیر صرف کر کے نہایت آب و تاب سے شائع کیا ہے۔ آج ہی خریدیئے لیکن دو نام پہلے دیکھ لیجئے (۱) غیاث اقبال (۲) امین برادرس کراچی ★

چودھویں شب

آج چودھویں شب ہے!

شاہ افروز بخت نے تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے کہا: "طوطے میاں دو روز سے خاموش ہیں۔ کیا آج وہ کوئی نیا قصہ نہیں چھیڑیں گے؟" مینا بولی: "ایک ہی قصہ میں بیچارے آدھے رہ گئے اور کیا سنائیں گے"۔ طوطا کہنے لگا: "خاموش! کل موئی تیری زبان کو لگام نہیں، سلطانِ عالم پناہ مجھ سے مخاطب ہیں اور وہ چلی بینے کی تراز لینے کہ آدھے رہ گئے ہیں" نادان! ابھی زین الجہاں کا قصہ ختم ہی کہاں ہوا ہے"۔ یہ بات سُن کر سب حیران رہ گئے، شاہ افروز بخت نے پہلو بدلتے ہوئے کہا: "طوطے میاں! بہت خوب! اس بات کو سُن کر ہمارے بدن میں کئی تولے خون بڑھ گیا ہے"۔

طوطا کہنے لگا: "عیّار شہباز اور گلنار کو شہزادہ زین الجہاں کے ہاں مہمان ٹھہرے ایک مہینہ گزر گیا تھا وہ اس عرصہ میں خوب سیر تفریح کرتے رہے لیکن شہزادے کے دل میں نہ جھانک سکے"۔

مینا بات کاٹتے ہوئے بولی: "میاں مٹھو! شہزادے کا دل کنواں تھا یا کھائی جس میں وہ دونوں جھانک کر دیکھتے؟" طوطے نے غصہ سے پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے کہا: "تیرا کیا مطلب ہے خاموش ہو جاؤں قصہ بیان نہ کروں۔" شاہ افروز بخت بولے: "نہیں طوطے میاں! تم اس شوخ کی بات پر توجہ نہ دیا کرو تم قصہ بیان کرو۔" طوطا کہنے لگا: "اگر یہ اب دوبارہ بولی تو میں کسی قیمت پر بھی آگے قصہ بیان نہیں کروں گا۔" شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا: "ہمیں یہ شرط منظور ہے"۔

طوطا کہنے لگا: "آخر ایک دن شہزادہ زین الجہاں خود ہی اُن سے بولا کہ میں جس مقصد کیلئے خنجر طلسم شکن حاصل کرنے یہاں سے روانہ ہوا تھا حاصل نہیں ہوا۔"

عیّار شہباز نے پوچھا: "آپ کا مقصد طلسمات کو ختم کرنے کے علاوہ کچھ اور بھی تھا؟" شہزادے نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا: "کیا بیان کروں دوست! شہر سے باہر جنگل میں ایک کنواں تھا اسکی تہہ میں روشنی دیکھ کر مجھے نوکر نے بتایا تو میں حیران رہ گیا پھر میں نے خود وہ روشنی دیکھی اور ایک رسّی کے سہارے کنوئیں میں اتر گیا۔ نیچے ایک بارہ دری تھی۔ میں اسمیں داخل ہوا تو وہاں ایک پری سے ملاقات ہو گئی اس نے اپنا نام نورِ قمر پری بتایا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ قہر آلود دیو نے طلسم کے زور سے کنوئیں کی تہہ میں یہ تفریح گاہ بنائی ہے اور مجھے یہاں قید کر رکھا ہے اگر تم شہر جنوں آباد سے خنجر طلسم شکن لے آؤ تو یہ تفریح گاہ بھی ختم ہو جائے اور میں بھی آزاد ہو جاؤں۔ پھر اُس نے مجھ سے وفا کا عہد کیا اور میں اس مہم پر روانہ ہو گیا۔ واپس آتے ہی میں نے کنوئیں کو تلاش کیا لیکن

اس کا کہیں نام ونشان نہ ملا، دوسری بات یہ ہے کہ نورِ قمر نے مجھ سے کہا تھا کہ قہر آلود ایک دیو ہے مگر گنبد ہفت رنگ میں پہنچنے کے بعد دیکھا تو وہ آدم زاد تھا اس جھوٹ کی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ گلنار کہنے لگی، "شاید آپ کو یاد ہو کہ جب بڑھیا ساگا سانی نے کبوتروں کی ہیئت بنتی تھی اس وقت آپ نے درویشوں اور دوسرے نوجوانوں کی مدد کرنے کے لئے کہا تھا۔"

زین الجہاں بولا "ہاں مجھے یاد ہے۔" گلنار نے کہا: "اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ یہ تو ممکن ہو سکتا ہے کہ پریوں نے اپنا دل بہلانے کے لیے چند روز ان نوجوانوں کو اپنے پاس رکھ لیا ہو مگر یہ غلط ہے کہ وہ ان کے ساتھ بیاہ کر کے ان کا گھر بسانا بھی چاہتی ہیں۔ آدم زاد اور پری زاد کا کبھی میل نہیں ہوا۔"

عیار شہباز بولا "بہت ٹھیک کہا تم نے۔ اس کا مطلب ہے کہ نورِ قمر نے بھی تھوڑی دیر اپنا دل بہلایا تھا ورنہ وہ زین الجہاں کے ساتھ بیاہ کرنا یا زندگی گذارنا نہیں چاہتی تھی۔"

گلنار کہنے لگی "یہ ممکن ہو سکتا ہے اور تجربہ بھی بتاتا ہے کہ پری آدم زاد سے خواہ کسی طرح وعدہ کرے لیکن وہ اس کی ہو کر نہیں رہتی۔" شہزادہ زین الجہاں بولا "مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے مگر وہ گئی کہاں اور وہ کنواں کیا ہوا؟" گلنار نے جواب دیا "جناب والا! جس وقت آپ نے خنجر طلسم شکن بت کے ہاتھ سے لے کر گنبد ہفت رنگ کو فتح کیا ہے سارا طلسمات نیست و نابود ہو گیا۔ آپ نے ابلیس کو دیکھا ہے میرے ابا جان محمل جادو اور ان کے مرید جادوگروں کا ایک کنوئیں میں پھینک کر اوپر پتھر رکھا تھا۔ وہ کنواں بھی جادو کے زور سے بنایا گیا تھا لہٰذا جیسے ہی طلسمات کو آپ نے ختم کیا وہ کنواں بھی غائب ہو گیا۔ ابا جان اور دوسرے تمام جادوگر زمین میں ہی رہ گئے۔ ہم نے واپس آتے ہوئے انہیں بہت تلاش کیا لیکن لاش تو درکنار ہڈیوں کا بھی پتہ نہ ملا۔"

زین الجہاں مایوس ہو گیا اور سر پکڑ کر کچھ سوچنے لگا۔ عیار شہباز بولا "کہیں ایسا ہی تو نورِ قمر کے ساتھ نہیں ہوا؟" گلنار نے کہا: "اگر وہ زندہ ہے تو اسے تلاش کرنا یوں بھی ناممکن ہے۔" شہزادہ زین بولا: "میں اس مقام پر جہاں وہ کنواں تھا ہر روز کیوں نہ جا کر اس کی راہ دیکھا کروں شاید وہ میری تلاش میں آتی ہو۔" گلنار نے کہا "پری سے یہ امید رکھنا خود کو دھوکا دینا ہے۔ حاتم طائی حسن بانو کے تیسرے سوال "کسی سے بدی نہ کر اور کرے گا تو وہی پائے گا" کا جواب حاصل کرنے چلا تو جنگل میں اسے ایک درخت کے نیچے سنگ مرمر کی سل پر ایک نوجوان کھڑا ہوا نظر آیا اس نے حال دریافت کیا تو وہ بولا "کہ الگن پری میرے ساتھ تین مہینے تک یہاں عیش کرتی رہی پھر سات دن میں واپس آنے کا وعدہ کر کے گئی تو آج تک نہیں آئی اور میں سات سال سے اس کی واپسی کا اسی جگہ کھڑا انتظار کر رہا ہوں۔"

شہزادہ زین الجہاں بولا: "مجھ سے بڑی بھول ہوگئی جو میں اس پری کے دھوکے میں آکر مصیبتوں اور آفتوں کے گرداب میں سینہ سپر ہوکر چلا گیا۔ مجھے علم ہوتا تو میں ہرگز نہ جاتا۔" عیار شہباز نے کہا: "خدا آپ کو نیکیوں کا اجر دیگا۔ آپ نے بےشمار لوگوں کو سحر کے اثر سے بچایا ہے اور بدخصلت جادوگروں کو ٹھکانے لگا کر زمین کو پاک کیا ہے اور بندگانِ خدا کو مصیبتوں میں گرفتار ہونے سے بچایا ہے۔ آپ نے تکلیفیں ضرور اٹھائی ہیں لیکن آپ نے نیکی کا جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔" گلنار بولی: "آپ کے اس کارنامہ اور آپ کی طبیعت کے خلوص کو مدِنظر رکھتے ہوئے میری دِلی خواہش ہے کہ میرا آپ کے ساتھ ایسا رشتہ قائم ہوجائے کہ میں ہمیشہ آپ سے ملاقات کرتی رہوں۔" شہزادہ زین الجہاں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ عیار شہباز بھی حیرانی سے اس کی جانب تکنے لگا۔ گلنار بولی: "اگرچہ گلزار نے آپکو تکلیف پہنچائی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کو دل و جان سے چاہتی ہے اگر آپ اُسے اپنی غلامی میں لے لیں تو میری دلی خواہش بر آئے۔"

اس بات کو سنتے ہی زین الجہاں کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوگئی اور چہرے پر ہلکی ہلکی سُرخی دوڑنے لگی۔ عیار شہباز نے اسکے دل کا راز ان دونوں چیزوں سے معلوم کرلیا اور اُس نے وقتی طور سے بات ٹالنے کیلئے ایک اور قصہ چھیڑ دیا اور کہنے لگا: "آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے ایک سوداگر سے ملاقات کی تھی جو کبوتر بنا پھرتا تھا اور ساگا سانی نے اس کی ہیئت بدلی تھی۔" زین نے پوچھا: "اس کا نام کیا تھا؟" وہ بولا: "اُس کا نام تھا تقی ولدار۔" زین نے کہا: "مجھے یاد ہے۔ اُس غریب کی بیوی ایک جزیرے سے اس وقت غائب ہوگئی تھی جب کہ وہ سو رہا تھا۔ ہاں ہاں! پھر کیا ہوا۔ اُس کی بیوی ملی یا نہیں؟"

عیار شہباز نے کہا: "کچھ نہ پوچھئے صاحب۔ اسکے سر پہ عزالہ کا بھوت سوار تھا اور اپنی بیوی کا ذرہ برابر خیال نہ تھا۔ ہم نے اُس جزیرے پر جاکر جب تلاش کیا تو اُس کی بیوی ایک کچے مکان سے مل گئی۔ وہ کہنے لگی کہ جب میری آنکھ کھلی تو میرے سامنے ایک مکروہ شکل آدمی کھڑا تھا اُس نے مٹی پر کچھ پڑھ کر مٹی میرے اوپر پھینک دی تھی اسکے اثر سے نجانے مجھے کیا ہوا، میں اُسکے پیچھے پیچھے چل دی اور مجھے اپنے شوہر کا مطلق خیال نہ رہا۔ وہ اس مکان میں داخل ہوا تو میں بھی اندر چلی گئی۔ یہاں اس نے مجھے ایک کمرے میں بند کرکے دُھواں چھوڑ دیا۔ اس دھوئیں سے میں پاگل ہوگئی میرا سر چکرانے لگا اور میں بُری طرح چیخنے چلانے لگی۔ آخر اس نے دروازہ کھولا اور مجھے صحن میں ٹہلانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے ہوش و حواس میں آگئی اور مجھے اپنے شوہر کی یاد بُری طرح ستانے لگی۔ میں نے اس سے کہا: "مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ میرا شوہر مجھے موجود نہ پاکر پریشان ہوگا اس لیے مجھے جانے دو۔" وہ اپنے پیلے پیلے دانت کھولتے ہوئے بولا: "تمہارا حُسن تمہاری جوانی اور تمہاری یہ بھولی باتیں میرے لیے

معنی: لے مقابل ہوکر لڑنے والا۔

ہیں اب اُس کو بھول جاؤ" میں تیخنے لگی اور اُس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی مگر اُس میں بے پناہ قوت تھی اس کے ہاتھ جیسے فولاد کے بنے ہوئے تھے میں اسکی گرفت سے نہ نکل سکی آخر میں نے اُس کی داڑھی پکڑ کر دو چار جھٹکے دیئے تو اس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا اور اُس نے میرے رُخسار پر دو تین چپت رسید کے پھر مجھے چھوڑ کر وہ ایک کوٹھری کی جانب لپکا' میں نے فوراً ہی ڈنڈا اٹھاکر اس کی پیٹھ پر وار کیا۔ وہ تلملا کر رہ گیا اور اس نے کوئی ایسا عمل پڑھا کہ میں بُت بن گئی اب نہ بول سکتی تھی نہ چل پھر سکتی تھی البتہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ سکتی تھی۔ اس روز کے بعد دو دن ہوئے کہ میں اپنی اصلی ہیئت میں آگئی ہوں شاندار مکان ایک کچے اور بوسیدہ مکان میں تبدیل ہو گیا ہے اور وہ مردود جادوگر مردہ حالت میں ملا ہے نجانے اس کی موت کیسے واقع ہوئی ہے"۔

وہ غریب اپنے شوہر سے لپٹ کر رونے لگی۔ ادھر تقی دلدار کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور وہ اسے حاصل کر کے بہت خوش ہوا"۔

شہزادہ زین الجہاں بولا: "اس کا مطلب ہے کہ گنبد ہفت رنگ کو فتح کرنے سے بہت لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے" گلنار نے کہا: "حقیقت ہے۔ اور بے شمار لوگ تو ایسے بھی ہوں گے جو ہماری اور آپکی نظر میں نہیں ہیں لیکن غریب مصیبت میں گرفتار تھے اور اب آزاد ہو گئے ہیں"۔

زین الجہاں نے پوچھا: "میرے ساتھ ایک درویش مشتاق نذر تھا جو پہلے بھنگ پینے کا عادی تھا۔ لیکن بے حد عقلمند تھا اور من موہنی اُس سے بیاہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ کہاں گیا؟

عیار شہباز نے جواب دیا: "ہم اسے سمجھا بُجھا کر من موہنی کے پاس لے گئے اور ہم نے اُسے بتایا کہ اب

اس شخص نے بھنگ بالکل ترک کر دی ہے اور آپ کے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی ہے۔ وہ خوش ہو گئی اور اُس نے مشتاق کے ساتھ بیاہ کرنے وعدہ کر لیا۔"

اُسی رات کا ذکر ہے کہ شہزادے زین الجہاں کے والد شاہ بختاور نے عیار شہباز کو بلوا کر اُس سے پوچھا کہ شہزادہ ایک عرصہ تک سیر و سیاحت میں وقت گزار کر واپس آیا ہے تو خوش رہنے کی بجائے ہر لحظہ کھویا کھویا اور کسی گہری سوچ میں رہتا ہے اسی سبب سے اس کی صحت خراب ہوتی جا رہی ہے اگر تم کو اسکے دل کا حال معلوم ہو تو ضرور بتاؤ۔" عیار شہباز نے سبز پری نور قمر کا ذکر نہیں کیا البتہ یہ ان کے گوش گزار کیا کہ وہ گلنار پر فریفتہ ہے اور اس سے بیاہ کرنا چاہتا ہے لیکن آپ کے پاس ادب اور لحاظ ہے اس لئے صرف تمنا زبان پر نہیں لاتا۔ شاہ بختاور بولے "اگر وہ لڑکی کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے۔" عیار شہباز نے کہا: "اس کے والدین تو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اس بہن اور بہنوئی ہیں۔" غرض ایسی ہی باتیں کر کے اُس نے شاہ بختاور کو راضی کر لیا اور واپس آ کر شہزادے کو خوشخبری سنا دی اور پھر دو ہفتے کے بعد بڑی دھوم دھام سے شادی رچائی گئی۔

تابشِ حسن سے مانندِ شعاعِ خورشید ٭ رُخِ پُر نور پہ ہے تیرے فسوں سہرا

شادی کے ایک ہفتہ بعد شہباز اور گلنار رخصت چاہنے لگے تو شاہ بختاور نے ہنس کر کہا کہ "یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ تم جیسے عقلمند اور ہمدرد آدمی کو جدا کر دیا جائے تمہارے لئے کرسی وزارت خالی ہے۔ ہم چھ ماہ سے اس کے لئے ایک ہوشیار آدمی کی تلاش میں تھے اسی لئے پورے دو مہینے تک ہم نے تمہارا امتحان لیا ہے۔" عیار شہباز کے خواب و خیال میں بھی یہ اعزاز نہ تھا اس نے خوش ہو کر شاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ وہ کہنے لگا "شہباز! اب یہ دونوں بہنیں بھی ایک دوسرے سے قریب رہ سکیں گی اور تم دونوں دوست بھی۔" شہزادہ زین الجہاں بولا: "ابا جان! شہباز نے پہلی ملاقات میں مجھے مشورہ دیا تھا سفر میں ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں اس مشورے پر میں نے عمل کیا تو بہت سی مصیبتوں سے محفوظ رہا اور اب تو ہر قدم پر ان کے مفید مشورے ملتے رہیں گے۔"

طوطے نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا: "گلزار جس وقت اپنے باپ کی قید میں تھی اس نے شہزادہ زین الجہاں کے ساتھ حوض کی گہرائی میں اچھا سلوک نہیں کیا تھا اُس نے جادو کے ایک خاص عمل کے ذریعہ اُسے دور پھینک دیا تھا جہاں سے اٹھکر وہ چار عورتوں سے جا ملا تھا۔ اُسے ہر لحظہ اپنے طرزِ عمل کا خیال ستاتا رہتا اور شاید اسی لئے وہ شہزادے کا دل ہر وقت اپنی مٹھی میں رکھتی اور وہ بھی اُسے دیکھ کر خوش رہتا مگر گلزار کو اس بات کا صدمہ بھی تھا کہ شہزادہ اُس کے باپ کا قاتل ہے جس وقت اُسے باپ کا خیال آتا وہ

معنی: ۱ چھوڑ دی ہے ۲ توقیر۔ عزت دینا۔

رونے لگتی اور دل میں کہتی کہ وہ خواہ کتنا ہی بُرا تھا لیکن باپ تھا۔ اس نے ماں کی وفات کے بعد ہم دونوں بہنوں کو کس مصیبت سے پرورش کیا تھا اور وہ ہمیں کتنا چاہتا تھا۔ روتے روتے اُس کا جی چاہتا کہ خنجر طلسم شکن نکال کر شہزادے کے سینہ میں گھونپ دے، شوہر تو اور بھی مل سکتا ہے لیکن باپ نہیں مل سکتا، مگر پھر اُسے خیال آتا کہ نہیں، میری پرورش میری نگہداشت اور میرے دکھ سکھ کا خیال رکھنا میرے باپ کا فرض تھا اور میرا فرض ہے کہ میں اپنے شوہر کے دکھ سکھ کی ساتھی بن کر رہوں، وہ رنجیدہ ہو تو اُسے مسکراہٹیں دوں، وہ خوش ہو تو اُس کی خوشیوں میں شریک ہو کر بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجا لاؤں۔ اور وہ ناپاک ارادہ دل میں آجانے پر رونے لگتی پھر قبلہ رُو ہو کر معبودِ حقیقی کے حضور توبہ کرنے لگتی ــ اسی طرح دو مہینے گذر گئے۔ آخر ایک روز اس نے صندوق سے خنجر طلسم شکن نکالا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ شام کے وقت جب شہزادہ زین الجہاں کے ساتھ وہ سیر و تفریح کے لئے گھوڑا گاڑی میں نکلی تو جنگل میں ایک جگہ اس نے شہزادے کی نظروں سے بچا کر وہ خنجر پھینک دیا اور دل میں کہنے لگی کہ اب مجھے اس خنجر سے اپنے پیارے شوہر کو قتل کرنے کا خیال ہرگز نہیں آئے گا۔ اُن کی گاڑی واپس چلی گئی اور وہ زمین جہاں خنجر گرا تھا پھٹ گئی اور ایک گڑھا نمودار ہو گیا جس میں ایک حسین دوشیزہ میٹھی نیند سو رہی تھی۔ اُس کے سنہری بال گرد آلود تھے چہرے پر زردی چھائی تھی لیکن معصومیت برقرار تھی دوسری شام زین الجہاں گلزار کے ہمراہ گھوڑا گاڑی میں پھر اس طرف پہنچا تو لاش دیکھ کر حیران رہ گیا وہ فوراً گاڑی سے اُتر کر اس کے پاس آیا۔ لاش کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ "نور قمر! افسوس! مر چکی ہے" پھر اس کی نظر خنجر طلسم شکن پر پڑی تو وہ اور بھی حیران ہوا اور گلزار سے پوچھنے لگا: "یہ خنجر تو میں نے صندوق میں رکھا تھا"۔ وہ اب جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھی اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا جسے سُن کر شہزادہ کہنے لگا: "بیگم تم نے خنجر کو پھینک کر میرے دل سے ایک بوجھ اتار دیا ہے، یہی وہ نور قمر ہے جس نے مجھے یہ خنجر حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا، خدا کی شان ہے کہ تم نے خنجر اُس جگہ پھینکا جہاں وہ کنواں تھا جس میں یہ بیچاری قید تھی گنبدِ ہفت رنگ کے زیر ہوتے ہی کنواں ختم ہوا اور یہ دب کر مر گئی مگر قدرت نے میری لاج رکھ لی اس زمین پر طلسم کا جو تھوڑا بہت اثر باقی تھا خنجر کی نوک لگتے ہی زائل ہو گیا اور اس کی لاش اسی طرح ابھر آئی کہ خنجر اس کے قدموں میں ہے" پھر وہ اس کی لاش کو گاڑی میں لے گیا۔

عیار شہباز اور گلنار نور قمر کی لاش کو دیکھ کر کہنے لگے "یہ تو پری نہیں آدم زاد ہے قہرآلود نے اسے قید کر کے خود کو دیو اور اس کو پری کہلانے کا مشورہ دیا ہو گا۔ بہرحال بیچاری اللہ کو پیاری ہو گئی"

شہزادہ زرین الجہاں نے اسے دفنانے کے لئے نصرت باغ کو منتخب کیا چونکہ اس باغ میں مری پرانی قبریں بھی تھیں ملعو بیاں ہر سال عرس بھی منایا جاتا تھا لہٰذا اسی باغ میں اس کو دفنا دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد شہزادے نے قبر پر ایک چھوٹا سا مقبرہ بھی بنوا دیا چونکہ وہ کہتا تھا کہ اسی کی بدولت میں نے مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنا سیکھا ہے' اسی نے میرے سینہ میں محبت کا جذبہ پیدا کیا ہے اور اُسی نے بتلایا ہے کہ دنیا میں خدا کے بندوں کے علاوہ ابلیس کو ماننے والے بھی کثرت سے آباد ہیں"

شہزادہ نور قمر کے مقبرے پر ہر جمعرات کی شام ضرور جاتا اور فاتحہ خوانی کے بعد پھول چڑھا کر چلا آتا وہ اُسے کبھی فراموش نہیں کر سکا' وہ اکثر کہتا تھا کہ میں اس غریب کو جادوگر کے قید سے آزاد نہیں کرا سکا۔ بیچاری مجبوری کی موت مر گئی"

مینا بولی "الله الله خیر صلّی قصہ تمام ہوا، اب تو میرا بولنا ناگوار نہیں گذرا ہوگا؟"

طوطا کہنے لگا "پگلی! مجھے تیری بھی داستان معلوم ہے اور مجھ پر جو گذری ہے وہ تو میں خود ہی جانتا ہوں لیکن تیرے بولنے سے اب نہ تیری داستان بیان کرونگا اور نہ اپنا حال سناؤں گا البتہ سلطان عالم پناہ سے عرض کرونگا کہ میں فضا میں پرواز کرتا خنجر طلسم شکن کے لئے جا رہا تھا کہ راہ میں بھوک سے نڈھال ہو کر نیچے اُتر گیا اور زمین پر پڑے ہوئے ایک سیب کو کُترنے لگا' اسی وقت جال میں پھنس گیا پھر چڑی مار نے مجھے نکال کر ایک پنجرے میں بند کیا اور حضور کے ہاتھ فروخت کر گیا۔ یہاں بی مینا پہلے ہی سے موجود تھیں انہیں میں پہلے ایک بار نیلے گنبد پر بیٹھا دیکھ چکا تھا لہٰذا پہچان گیا۔ اب اگر ہم دونوں کو رہائی نصیب ہو تو جا کر خنجر طلسم شکن کی نوک سے اپنی اپنی چونچ کو رگڑ کر اپنی ہیئت بدل لیں"

شاہ افروز بخت بولا "اس کا مطلب ہے کہ تم دونوں بھی ہماری طرح انسان ہو۔ میاں طوطے! تم نے یہ راز پہلے ہی کیوں نہیں ظاہر کیا۔ ہم صبح سویرے اپنے ہمراہ لے چلیں گے ورنہ راہ میں کوئی اور پکڑ لے گا"

دوسری صبح شاہ افروز بخت شاہی سواری میں بیٹھ کر طوطے اور مینا کو ساتھ لے گئے۔ تقریباً گیارہ میل دُور ندی کے کنارے ایک چبوترے پر چھوٹی سی قبر تھی اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے طوطے نے کہا یہ قبر نہیں بلکہ وہ محفوظ جگہ ہے جہاں خنجر رکھا گیا ہے۔ بادشاہ نے فوراً اسے کھلوایا تو چاندی کی صندوقچی میں رکھا گیا خنجر نکل آیا۔ بادشاہ نے اسے ہاتھ میں لے کر دونوں سے کہا کہ اب قسمت آزما کر دیکھو انہوں نے باری باری اپنی اپنی چونچ رگڑی تو دونوں کی ہیئت بدل گئی۔ طوطا ایک خوبصورت نوجوان تھا اور مینا سترہ اٹھارہ برس کی حسین دوشیزہ۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھکر شرمانے لگے۔ شاہ افروز بخت نے کہا "میں اولاد کیلئے ترس رہا تھا اب خدا نے مجھے صحت کے ساتھ حسین جوڑا بھی عطا کر دیا (خدا حافظ)

بچوں کی دلچسپ کہانیاں

نمبر	نام کہانی	نمبر	نام کہانی	نمبر	نام کہانی	نمبر	نام کہانی
۱	گدڑ گڑیاں	۳۲	ایک ننھا بادشاہ	۶۳	جواہر شہزادہ	۹۴	جن کا انعام
۲	شیخ چلی	۳۳	چینی شہزادی	۶۴	پہاڑی ملکہ	۹۵	طلسمی جوتے
۳	یتیم شہزادہ	۳۴	بادشاہ کی تصویر	۶۵	ڈاکو منصور	۹۶	شاہِ روم
۴	طوطا مینا	۳۵	انوکھی بیگم	۶۶	چار افیمی	۹۷	ایکیون کا سلطان
۵	چراغ الہ دین	۳۶	بونا شہزادہ	۶۷	جنگل کی رانی	۹۸	دمشق کا چور
۶	ملا نصیر الدین	۳۷	عقلمند لڑکا	۶۸	صحرائی چور	۹۹	بغداد کا چور
۷	علی بابا چالیس چور	۳۸	کسان اور شیطان	۶۹	سونے کا دریا	۱۰۰	شاہِ یمن
۸	چار خزانے	۳۹	سفید ٹھگ	۷۰	زہریلی ناگن	۱۰۱	نولکھا ہار
۹	غریب کی بیٹی	۴۰	جادو کا قلعہ	۷۱	زندہ بھوت	۱۰۲	سونے کا شہر
۱۰	شہزادی کی تلاش	۴۱	مغل کا سوداگر	۷۲	خزانے کا غلام	۱۰۳	غریب شہزادیاں
۱۱	طلسمی بچھونا	۴۲	سونے چاندی کی بڑھیا	۷۳	طلسمی انگوٹھی	۱۰۴	دو شہزادے
۱۲	چالاک دشمن	۴۳	سپیرے کی بیٹی	۷۴	شہزادہ خورشید	۱۰۵	شہزادی بدر البدور
۱۳	خونی بن مانس	۴۴	نواب بے ملک	۷۵	اندھا فقیر	۱۰۶	تین بہنیں
۱۴	سوداگر کا لڑکا	۴۵	عمر عیار کی زنبیل	۷۶	فقیر کا تحفہ	۱۰۷	کنول شہزادی
۱۵	سونے کی ہرن	۴۶	رحمدل ڈاکو	۷۷	پتھر کا جن	۱۰۸	چالاک چور
۱۶	بلبل کے گیت	۴۷	سلطانہ ڈاکو	۷۸	چاند تارا شہزادی	۱۰۹	ظالم شہزادی
۱۷	ہیروں کا کنواں	۴۸	بچوں کی الف لیلیٰ (اول)	۷۹	انوکھی بلا	۱۱۰	بادشاہ کا انعام
۱۸	ملا دو پیازہ	۴۹	بچوں کی الف لیلیٰ (دوئم)	۸۰	بھوتوں کا محل	۱۱۱	جادو کی بنسری
۱۹	عمرو عیار (حصہ اول)	۵۰	بچوں کی الف لیلیٰ (سوئم)	۸۱	چور شہزادہ	۱۱۲	شریر لڑکی
۲۰	عمرو عیار (" دوئم)	۵۱	غریب ملکہ	۸۲	افیمی کا خواب	۱۱۳	سمندر کی شہزادی
۲۱	گل صنوبر (" اول)	۵۲	جواری راجہ	۸۳	خوبصورت پری	۱۱۴	بیوقوف بادشاہ
۲۲	گل صنوبر (" دوئم)	۵۳	طلسمی گھوڑا	۸۴	اندھی لڑکی	۱۱۵	ہار کی چوری
۲۳	گل بکاؤلی (" اول)	۵۴	قاضی کی مصیبت	۸۵	طلسمی غار	۱۱۶	خونی دروازہ
۲۴	گل بکاؤلی (" دوئم)	۵۵	خزانے کا چور	۸۶	صابر شہزادہ	۱۱۷	لاڈلی شہزادی
۲۵	حاتم طائی (" اول)	۵۶	سنہری پرندہ	۸۷	سرخ مینار	۱۱۸	تاج کی چوری
۲۶	حاتم طائی (" دوئم)	۵۷	ناگ شہزادہ	۸۸	کالا جن	۱۱۹	سونے کا سیب
۲۷	جوگی کا جن	۵۸	بارہ شہزادیاں	۸۹	غریب لکڑہارا	۱۲۰	تین ہیرے
۲۸	فقیر کا کمبل	۵۹	پریوں کی شہزادی	۹۰	پتھر کی شہزادی	۱۲۱	چور شہزادی
۲۹	ظالم عورت	۶۰	رحم دل بادشاہ	۹۱	چار درویش (اول)	۱۲۲	اندھا شہزادہ
۳۰	جانباز دوست	۶۱	دو بھائی	۹۲	چار درویش (دوئم)	۱۲۳	اجڑا چمن
۳۱	کنجوس کی کہانی	۶۲	شہزادی کے آنسو	۹۳	شیشم کی شہزادی	۱۲۴	غریب بہن

امین برادرس ناشران و تاجران کتب پوسٹ بکس نمبر ۴۵ آرام باغ روڈ کراچی نمبر ۱